اے خاصۂ خاصانِ رسل، وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

بچوں سے محبت کرو اور ان پر رحم کرو۔ (الحدیث)

جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (الحدیث)

یہ پرچم بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

جس نے کسی انسان کو ناحق قتل کیا اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کیا۔ (القرآن)

سلسلۂ عظیمیہ کے زیرِ اہتمام

محفلِ میلادُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محفلِ میلاد کی اس بابرکت تقریب
میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کا
بیان پیش کیا جائے گا۔

معروف نعت خواں خواتین و حضرات بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں
ہدیۂ نعت و صلوٰۃ والسلام پیش کریں گے۔

سلسلۂ عظیمیہ کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے اراکینِ سلسلۂ عظیمیہ اور روحانی ڈائجسٹ کے محترم قارئینِ کرام کو اہلِ خانہ اور احباب کے ساتھ شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

انشاء اللہ 11 جنوری 2015ء بروز اتوار

مزید تفصیلات کے لیے رابطہ کریں
مرکزی مراقبہ ہال: 021-36912786، روحانی ڈائجسٹ: 021-36688931

امن و سلامتی نمبر

اس ماہ بطورِ خاص......

107

147

155

جسم کے عجائبات
تھائی مس گلینڈ
Thymus
173

فینگ شوئی
135
صحت مند زندگی

191
ربع صدی پہلے
سوچ (خواجہ شمس الدین عظیمی)

دینی و دنیاوی ہر لحاظ سے اسلام سراسر امن و سلامتی کا دین ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنا تذکرہ کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ وہ سلامتی اور امن دینے والا ہے،

ترجمہ: "وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ حقیقی بادشاہ ہے، وہ پاک ذات ہے، وہ سلامتی اور امن دینے والا ہے، وہ نگہبان ہے، وہ غالب اور زبردست بڑائی والا ہے اور کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے"۔(سورۂ حشر: آیت 23)

رسول اللہ ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: "ہم نے (پیغمبر ﷺ) آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (سورۂ انبیاء:107)

ترجمہ: "(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں۔ (اور) مومنوں پر نہایت شفقت کرنیوالے (اور) مہربان ہیں۔ (سورۂ توبہ: 128)

قرآن بندوں کو حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے طریقے سکھاتا ہے۔

حقوق اللہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت کرے اور اس سے سلامتی و عافیت طلب کرے،

ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے عاجزی اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں بناتا۔(سورۂ اعراف: 55)

محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت کی سلامتی اور عافیت چاہتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی ہے:

اللہ سے معافی اور عافیت مانگیں؛ کیونکہ یقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔(مسند احمد)

اور حقوق العباد یہ ہے کہ انسان دوسروں کے لیے سلامتی اور عافیت کا باعث بنے۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذا) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (صحیح بخاری)

انسانوں میں سب سے بہترین وہ ہے جو انسانوں کو نفع اور فائدہ پہنچائے (جامع ترمذی)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن ہے۔ اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔(سورۃ انعام:82)

زمین کو اداس دیکھ کر ایک صاحب دل، اللہ کے بندے نے زمین سے پوچھا!

اے میری ماں! تو کیوں بے قرار ہے....؟ کیوں اُداس ہے اور کیوں پریشان ہے....؟

زمین کی آنکھیں پانی بن گئیں۔ زمین لرزتے ہوئے اور روتے ہوئے بولی! میرے بچے!

"میں بھی تمہاری طرح کا ایک وجود ہوں... جس طرح تمہارے دو وجود ہیں اسی طرح میرے بھی دو وجود ہیں.... جس طرح تمہارے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں اور جس طرح تمہارے جسم میں سڑاند پھیل جاتی ہے اور جس طرح تمہارے جسم زہریلے ہو جاتے ہیں.... اسی طرح میرے ظاہر وجود میں بھی تمہارے برے اعمال سے.... خود غرضی سے.... حق تلفی سے.... دولت پرستی سے.... اور اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے.... داغ پڑ گئے ہیں.... زخم ناسور بن گئے...."

زمین نے انکشاف کیا کہ میرے بچے جانتے ہیں کہ زمین پر ہر وجود وائبریشن پر قائم ہے۔ وائبریشن انسان میں بھی ہے.... وائبریشن درختوں میں بھی ہے.... پہاڑ بھی وائبریشن کے محتاج ہیں.... اور زمین بھی وائبریشن کی پابند ہے.... وائبریشن میں اعتدال ہوتا ہے تو ہر چیز ٹھیک رہتی ہے اور جب وائبریشن میں خلل واقع ہو تو توازن بگڑ جاتا ہے.... وائبریشن ضرورت سے زیادہ کم ہو جائے تو جمود طاری ہو جاتا ہے.... وائبریشن ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے تو تباہی پھیل جاتی ہے۔ بربادی زمین پر اپنا ڈیرہ جما لیتی ہے....

دنیا میں جس کہیں بھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے.... وہ چھوٹا ہو یا بڑا.... وائبریشن کے نظام میں مقداروں کی بے اعتدالی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب زمین پر بے انصافی، حق تلفی، حسد، خود غرضی، ظلم، ناانصافی، دولت پرستی، مال و زر کا لالچ اور غرور و تکبر اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ سسٹم میں اعتدال قائم نہ رہے تو سسٹم ٹوٹ جاتا ہے۔ سسٹم ٹوٹنے کیلئے آندھیاں چلتی ہیں.... طوفان آتے ہیں.... ہریکین .... ٹائیفون.... اور سونامی (سمندری زلزلے) آتے ہیں۔

جب کوئی قوم اپنی زمین اور اپنے وطن سے محبت نہیں کرتی تو دراصل وہ زمین کے تحفظات سے خود کو دور کرتی ہے.... اور اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتا۔ جب کوئی قوم الٰہی قوانین سے انحراف کرتی ہے تو دراصل وہ قدرت کے کاموں میں دخل اندازی کرتی ہے۔ قدرت اس کو سسٹم سے باہر پھینک دیتی ہے.... زمین تو موجود رہتی ہے.... لیکن آدم زاد ہلاکت کے گہرے گڑھوں میں دفن ہو جاتا ہے۔

موجودہ صورتحال یہ ہے کہ مادّی استحکام کیلئے انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں.... ہر فنا ہو جانے والی چیز پر بھروسہ کرلیا گیا ہے.... عارضی آسائش و آرام اور زر پرستی زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے اختلاف.... تفرقے بازی.... ملاوٹ.... قتل و غارت.... زمین پر فساد قدرت سے انحراف ہے۔

قدرت سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قدرت کا تعاون نہیں چاہتا....

اس وقت بھی نوع انسانی مستقبل کے خوف ناک تصادم کی زد میں ہے۔ زمین اپنی بقا کی تلاش میں لرز رہی ہے۔ آندھیاں چل رہی ہیں، سمندری طوفان آرہے ہیں... کیونکہ انسان قدرت سے انحراف کررہا ہے۔

انسانی تاریخ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رواداری کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ قومی اور عالمی سطح پر امن کے قیام اور رواداری کے فروغ کے لئے رحمۃ اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و حیات نمونہ عمل ہے۔ موجودہ تناظر میں ملکی سطح پر بالخصوص نسلی، علاقائی، گروہی، لسانی، مذہبی و مسلکی اختلافات، تفرقے کے خاتمہ اور مکمل طور پر امن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ.... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے کہ یہی انسانیت کے لئے نمونہ عمل اور ابدی نجات ہے۔

اسلام امن کا داعی، صداقت کا علمبردار اور انسانیت کا پیامبر ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسانی کا ہر فرد مساوات کا مستحق ہے۔ وہ رنگ و نسل کے عیوب سے پاک ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلم اقوام اور اقلیتوں کے لیے مراعات، آزادی اور مذہبی رواداری پر مبنی ہدایات اس دور میں فرمائیں کہ جب لوگ مذہبی آزادی و رواداری سے نا آشنا تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذہبی رواداری کی محض تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ عملی اقدامات بھی فرمائے۔ مفتوحہ قوموں اور غیر مسلم اقلیتوں کو آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی۔ ان کے جان و مال، عزت و آبرو اور عقیدہ و مذہب کا جس قدر تحفظ کیا گیا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام بتاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ جو مذہب ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ سمجھے وہ بھلا مخلوق کو نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے۔ دین اسلام سب کے لئے سراپا رحمت، امن اور سلامتی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ.... ہم دوسرے انسانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا احترام کریں۔

ہم سب رنگ و نسل اور مختلف مذاہب کے باجود اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ایک ہی پانی پیتے ہیں.... اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہوا سے مشترکہ طور پر زندہ ہیں.... سورج کی روشنی سب کے لئے یکساں ہے.... ہم سب ایک ہی مادے سے تخلیق ہوتے ہیں.... ہم سب اس دنیا میں آتے ہیں.... مقررہ وقت تک زندہ رہتے ہیں.... اور پھر اس دنیا

سے چلے جاتے ہیں.... ہمیں چاہیئے کہ زندگی کے مختصر وقفے کو پیار محبت، اتفاق اور بھائی چارے کی تصویر بنا دیں.... اور خوش رہیں۔

وحدت آبشار ہے امت دریا ہے۔ قوم بڑی بڑی نہریں ہیں برادری ندی ہے، کنبہ واٹر کورس ہے اور خاندان وہ نالیاں یا وہ شریانیں ہیں جن سے پانی گزر کر ہماری زمین کو لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

خود غرضی قانون شکنی بغاوت ہے خلوص اور ایثار سعادت ہے۔

میں اعلان کرتا پھروں گا۔ کوئی سنے یا نہ سنے، میں پکارتا رہوں گا۔ انفرادیت ہلاکت ہے... انفرادیت عذاب ہے... اس عذاب سے نجات دلانے کے لیے وحدت نے ایک پیغمبر بھیجا جس نے یکجائی کی تعلیم دی...

قوموں کو انفرادیت اور ذاتی غرض کا عفریت ڈس لیتا ہے وہ زمین پر ادبار بن جاتی ہیں... زمین اس غلاضت کو برداشت تو نہیں کرتی ہے لیکن اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اس لیے کہ زمین ہماری ماں ہے، ہم زمین کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں اور زمین ہمیں خوش دیکھنا چاہتی ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہم اجتماعیت سے آشنا ہو جائیں ہم اجتماعی حیثیت حاصل کر کے ہلاکت و بربادی سے محفوظ رہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق مسلمان کی ساری زندگی اجتماعی زندگی ہے۔

اے لوگو سنو! اگر مسلمانوں نے انفرادی حیثیت کو ختم نہیں کیا تو پوری قوم کمزور ہو جائے گی، اس کو اپنا لقمہ بنا کر نگل لیں۔ جس طرح میرے اندر کے "میں" نے آگاہی بخشی ہے اسی طرح قوم کے اندر ایک اور قوم ہے۔ ایک اور شخص ہے، ہم سب کی روح ایک ہے جو پکار رہی ہے جو بتا رہی ہے.... کہ اگر قوم نے انفرادیت کے عذاب سے نجات حاصل کر کے اجتماعیت کو گلے نہیں لگایا تو ٹکڑوں میں بٹی ہوئی، باہمی اختلافات میں الجھی ہوئی قوم آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہو جائے گی۔

میں گھر گھر دستک دوں گا.... اے لوگو! ہم ایک ہیں۔ ہم ایک امت ہیں۔ ہم ایک قوم ہیں۔ ہم ایک برادری ہیں۔ ہم ایک کنبہ ہیں اور ہم ایک خاندان ہیں۔ ہمارا وطن خدا کی دین ہے، اللہ ربّ الرحیم کا انعام ہے۔

انتشار نفرتوں، گروہوں سے آزاد ہو کر ایک مضبوط پلیٹ فارم پر جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر آیئے ثابت کریں کہ ہم سب ایک ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ ہمارا راستہ شریعت کا راستہ ہے۔ جب قوموں میں تفرقہ در آتا ہے تو قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ آیئے! مضبوط ارادے کے ساتھ عہد کریں کہ:

اپنے اندر نفرتوں کے جہنم کو بجھائیں گے۔ تاکہ ہم تفرقوں سے آزاد ہو جائیں.... اور "اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ تھام لیں"
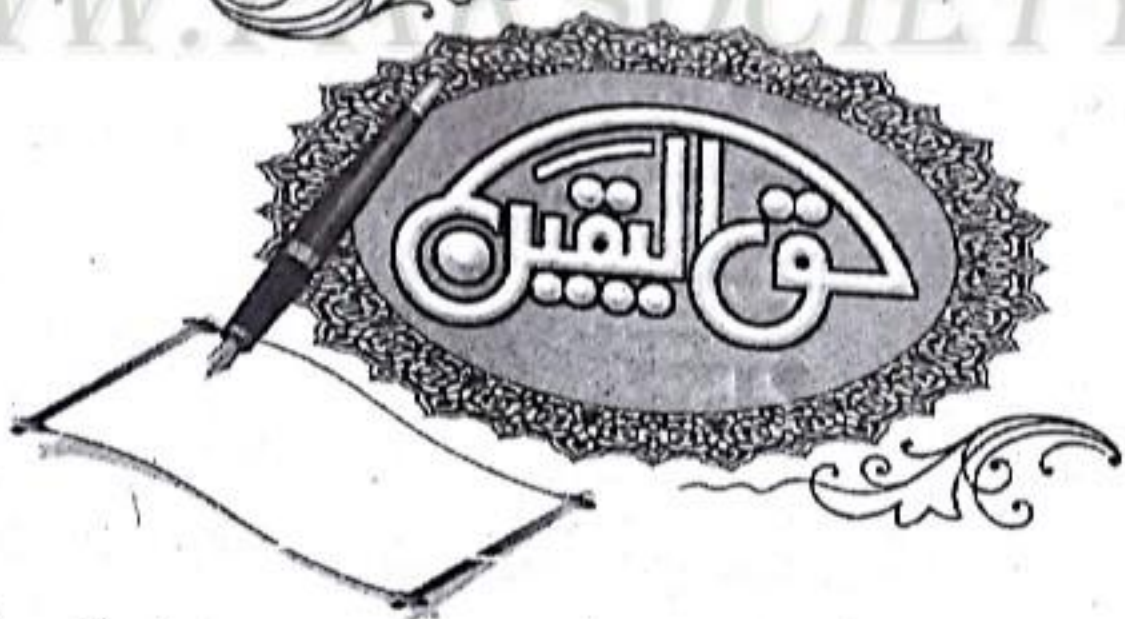
الحمد للہ.... اپنی زندگی میں ایک مرتبہ پھر ہمیں یہ موقع مل رہا ہے کہ ہم ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں نوعِ انسانی پر اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین احسان یعنی اللہ کے آخری نبی، انسانِ کامل، رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ کی ولادت کی خوشیاں منائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ کا ذکر کریں۔ آپ ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام پیش کریں۔

اللہ کے محبوب نبی ﷺ کے ذکر کے لئے کسی مہینے، کسی دن، کسی لمحہ کی کوئی تخصیص تو نہیں ہے۔ ہر مہینہ ذکر نبوی ﷺ کا مہینہ ہے۔ ہر دن ذکر نبی ﷺ کا دن ہے۔ اور ہر لمحہ ذکر نبی ﷺ کا لمحہ ہے تاہم کچھ اوقات بعض واقعات کی نسبت سے خاص ہو جاتے ہیں۔ جیسے رمضان کے مبارک مہینے میں تلاوت قرآن۔ نزول قرآن کی نسبت سے رمضان کے آخری عشرے میں شب بیداری و دیگر عبادات۔ اسی طرح ربیع الاول کے مبارک مہینے کو حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کی نسبت سے خصوصی اہمیت ہے یعنی اس تعلق کی بناء پر امت مسلمہ کیلئے یہ مہینہ بھی مبارک و محترم ہے۔ اسے عید میلاد النبی ﷺ بجا طور پر کہا جاتا ہے کیونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضور ﷺ کی آمد کے باعث ہی ہمارے لئے تہوار بنے۔ حضور ﷺ سے تعلق کی بناء پر ہی ربیع الاول کے دوران دنیا بھر میں مسلمان ذکر نبی ﷺ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ اس ماہِ مبارک میں مسلمانان عالم اللہ کے احسان پر خصوصی اہتمام کے ساتھ انفرادی و اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر، تمام عالمین پر خاص فضل و کرم نہیں تو اور کیا ہے کہ اللہ نے اس کائنات کے اور اپنے درمیان اپنی محبوب ترین ہستی محمد ﷺ کو وسیلہ بنایا۔

اس پوری کائنات کی بنیاد اللہ کا نور ہے۔

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

ترجمہ: "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔" [سورۂ نور: آیت 35]

جس چیز نے اس کائنات کو برقرار رکھا ہوا ہے، وہ اللہ کا نور ہے۔ اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفی ﷺ خالق کائنات اور کائنات کے درمیان اس نور کی ترسیل میں واسطہ یا میڈیم ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے القابات میں سے نورِ اوّل، باعثِ تخلیق کائنات، نبی آخر کے القابات پر خاص طور پر غور کیجئے۔

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ نے کائنات میں سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا...؟
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا“۔[مستدرک حاکم]

حضرت امام زین العابدینؓ کو ان کے والدِ گرامی سید الشہداء حضرت امام حسینؓ نے بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے والد باب العلم حضرت علیؓ سے سنا، حضرت علیؓ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ

كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَبِّي قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ آدَمَ بِأَرْبَعَةَ عَشَرَ أَلْفَ عَامٍ

”میں آدم کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔“

[أحکام ابن القطان؛ ابن عساکر؛ فضائل صحابہ امام احمد]

یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ زمین کے وقت کے پیمانوں اور عالم بالا کے وقت کے پیمانوں میں بہت فرق ہے، لہٰذا اس مدت کو زمین کے چودہ ہزار برس شمار نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں کا ایک منٹ تو یہاں کے سینکڑوں برسوں کے برابر ہوتا ہے۔

آدم کی تخلیق کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ قائم فرمادیا گیا تو عالم ارواح میں ہی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر عہد و اقرار لیا۔ اس عہد و اقرار کا علم ہمیں قرآن پاک سے ہوتا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ
ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

ترجمہ: ”یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آجائے جو تمہارے پاس کی چیزوں (پیغامات الٰہی اور کتابوں کی) کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کیا تم سب اقرار کرتے ہو۔ اور اس پر میرا ذمّہ لیتے ہو؟ سب (انبیاء علیہم السلام) نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے۔ اللہ نے فرمایا اب تم گواہ رہوں میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“ [سورۂ آل عمران: آیت 81]

امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے پختہ عہد لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہو تو اس نبی پر لازم ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لاکر آپ ﷺ کے اُمتی ہونے کا شرف پائے اور ہر طرح حضرت محمد ﷺ کی تائید و نصرت کرے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی عہد اپنی امتوں سے لیا۔

اس عہد کی تکمیل کا ایک مظاہرہ اس وقت بھی ہوا جب معراج کے موقع پر حضرت محمد ﷺ مکہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ اللہ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع فرمایا اور یہاں تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے حضرت محمد ﷺ کی اقتداء میں صلوٰۃ قائم کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امامت میں ان

انبیائے کرام علیہم السلام کا نماز ادا کرنا گویا اسی بلند مرتبہ عہد کی عملی توثیق کی ایک شکل تھی۔

اس زمین پر اپنے اپنے ادوار میں بھی ہر نبی نے اپنے اُمتیوں کو حضرت محمد ﷺ کی آمد کی نوید سنائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے سابقین پر نازل کردہ تمام کتب میں بھی حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارات موجود تھیں۔ آج بھی دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف زبانوں کے قدیم مذہبی لٹریچر میں حضرت محمد ﷺ کی آمد کا ذکر موجود ہے۔

اللہ کے آخری رسول، اللہ کے محبوب، باعثِ تخلیق کائنات، انسانِ کامل، حضرت محمد ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ کے وسیلہ سے ہی آدم علیہ السلام کی بخشش ہوئی۔ آپ ﷺ کی شفاعت ہی سے روزِ قیامت گناہ گاروں کی بخشش ہوگی۔ گویا آپ ﷺ روزِ اوّل یعنی ازل میں بھی بخشش کا ذریعہ تھے اور روزِ آخر یعنی ابد میں آپ ﷺ ہی بخشش کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو زمانوں یعنی زمانہ اول اور زمانہ آخر کے درمیان یعنی وسط میں آپ ﷺ کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے والوں سے اللہ خوش ہوا اور ان لوگوں کو اُمت وسطی کا خطاب عطا فرمایا۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

ترجمہ: ”اور اس طرح ہم نے تمہیں اُمت وسطی بنایا تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہوں“۔ [سورۂ بقرہ: آیت 143]

حضرت محمد مصطفی ﷺ کی رفعتِ شان یہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنیوالے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ پر نبوت تمام ہوگئی۔

حضرت محمد ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں۔ اب قیامت تک آپ ﷺ کی اُمت عقیدہ توحید کی حفاظت کرے گی اور اسے فروغ دے گی۔ اس اُمت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں دنیا میں اچھائیوں کو فروغ دے اور برائیوں کا انسداد کرے۔ اسی صفت یا اس ذمہ داری کی وجہ سے اُمت وسطی تمام اُمتوں سے بہتر اُمت ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

ترجمہ: ”(محمد ﷺ کے اُمتیوں!) تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے کہ تم اچھی باتوں کے لیے کہتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔ [سورۂ آل عمران: آیت 110]

ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہوا ہے۔ ہم پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے۔ اللہ اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام سے اقرار لے رہا ہے کہ اگر تم میرے حبیب مصطفی ﷺ کا زمانہ پاؤ تو ان کی رسالت پر ایمان لاکر ان کے اُمتی ہونے کا شرف پانا۔ یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا غور کر لیجئے کہ محمد مصطفی ﷺ کا اُمتی ہونا کتنی بڑی سعادت ہے... کتنا بڑا اعزاز ہے۔ دنیا کی ہر نعمت سے بڑی نعمت اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفی ﷺ کا اُمتی ہونا ہے۔

ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا تو بہت زیادہ شکر لازم ہے۔ اس شکر کی ادائیگی کے طریقے کیا ہوں.... ؟ مگر ان طریقوں کی تلاش سے پہلے ہمیں اپنے آپ کو ٹٹولنا چاہیے۔ اپنے آپ سے یہ بھی پوچھنا چاہیئے کہ خود کو میسر اس عظیم ترین نعمت کا ہمیں کچھ احساس بھی ہے...؟

آج سوا ارب سے زائد آبادی پر مشتمل اُمتِ مسلمہ میں مجموعی طور پر فکر و نظر کی کوتاہی، علمی پسماندگی، دانش و بصیرت کی کمی، مادّی و روحانی عدم توازن، مذہبی تفرقہ بازی، سیاسی عدم استحکام، معاشی کمزوری، معاشرتی عدم تنظیم دیکھ کر تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں خود پر اللہ کے عظیم ترین انعام کا احساس ہی نہیں ہے۔ جب ہمیں احساس ہوگا تب ہی تو ہم اس انعام کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے، اس نعمت کے شکر کے بارے میں سوچیں گے۔

عید میلاد النبی ﷺ کے متبرک و مقدس موقع پر نعتیں پڑھتے وسنتے ہوئے، بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ صلوٰۃ سلام پیش کرتے ہوئے ہمیں ہر دم اللہ کے عظیم احسان کا ادراک کرتے ہوئے اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہیئے۔

یہ شکر کیسے ادا ہو...؟

کیا زبان سے "اللہ تیرا شکر ہے"... کہہ دینے سے اس نعمت پر ادائیگی شکر کے تقاضے پورے ہو جائیں گے؟

جواب کسی اور سے نہیں اپنے دل سے پوچھ لیجئے۔

میرا دل تو کہتا ہے... نہیں!

اگر آپ بھی اس خیال سے متفق ہیں تو کیوں نہ اس برس ماہِ ربیع الاوّل میں عید میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں منانے کے ساتھ ساتھ ہم یہ عہد بھی کریں کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اُمتی ہونے کا شکر ادا کرنے، اس نعمت کا حق ادا کرنے کیلئے خود کو تیار کرنا شروع کریں گے۔

ہم یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اُمتِ وسطی اور خیر اُمت کے رکن ہونے کے باعث ہم پر کیا ذمّہ داریاں ہیں اور ان ذمّہ داریوں کی درست ادائیگی کس طرح ممکن ہے...؟

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ O

ترجمہ: "اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوششیں کیں ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیں گے اور بیشک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے"۔ [سورۂ عنکبوت۔ آیت 69]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے ہر اُمتی کو اپنا دینی و ملی کردار صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا ہو۔

آمین یارب العالمین بحق رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی

انسانی تاریخ کا بدترین المیہ

دنیا میں ظالم انسانوں کی جانب سے بے رحمی سفاکی اور درندگی کے کئی خون آشام واقعات پیش آچکے ہیں۔ لیکن خیبر پختونخواہ پاکستان کے تاریخی شہر پشاور میں حصولِ تعلیم میں مصروف فرشتوں جیسے معصوم بچوں اور نوجوانوں پر گولیوں کی بوچھاڑ انسانی تاریخ کا ہولناک ترین المیہ ہے۔ ایک سو تیس سے زائد معصوم بچوں اور نوجوانوں کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا....

انا للہ وانا الیہ راجعون

اسکول پر اس سفاکانہ حملے کے نتیجے میں 132 معصوم بچوں اور نوجوانوں اور اساتذہ سمیت 148 افراد کی ہلاکت نے پوری انسانیت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس قیامت صغریٰ پر پوری دنیا سوگوار ہے ہر ایک آنکھ نم ہے....

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حملے میں شہید ہونے والے معصوم بچوں، نوجوانوں اور اساتذہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا ہو اور ان کے پسماندگان کو اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔

قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

امن و سلامتی اور رحمت کے پیکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس دنیا میں انسانوں کے مختلف طبقات میں چاہے وہ مشرق سے ہوں یا مغرب سے، ہر شخص کی جدوجہد میں اگر غور سے کام لیا جائے تو واضح ہو گا کہ اگرچہ محنت اور کوشش کی راہیں مختلف ہیں مگر آخری مقصد سب کا ایک ہی ہے، اور وہ ہے "امن وسکون کی زندگی"....

حقیقی صورت حال آج یہ ہے کہ امن و سلامتی کا دُور دُور تک سراغ نہیں ملتا۔ ہر شخص بے اطمینانی اور پریشانی کے عالم میں ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے اور کرپشن اپنے عروج پر ہے۔ مذہبی، لسانی یا سماجی گروہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ قتل وغارت گری عام ہے۔ مختلف ممالک کے سربراہان باہم ملتے ہیں تو امن کے موضوع پر چرچا کرتے ہیں۔ امن کو یقینی بنانے کے لیے عالمی سطح پر مختلف ادارے قائم ہیں۔ ان کے تحت آئے دن مختلف ممالک میں کنونشن منعقد ہوتے اور قراردادیں منظور کی جاتی ہیں۔ قیام امن کے لیے ہر ملک اپنے یہاں سیکورٹی ایجنسیاں قائم کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود امن کا حصول دشوار بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔ مقامی سطح سے لے کر عالمی سطح تک بدامنی، انتشار اور فتنہ وفساد میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔

اگر ہم تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو ہمیں طرح طرح کے رہنما دکھائی دیتے ہیں جن کی تعلیمات صرف خیر و فلاح تک کے ذکر دکھائی دیتی ہیں اور ان کے اثرات زندگی کے کسی ایک پہلو یا گوشہ پر اثر انداز ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص پوری تاریخ انسانیت میں ہمیں ایسا دکھائی نہیں دیتا جس نے نہ صرف انسان کو بلکہ پورے معاشرے کو اجتماعی طور پر اندر سے بدل دیا ہو۔ جس قدر گہرائی میں جا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے اُسی قدر انسان میں احساس تحفظ پیدا ہوتا ہے اور یہ بات یقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ نوعِ انسانی کی آخری پناہ گاہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔

آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفاقی احکام کے ذریعے عامتہ الناس کی رہنمائی کی اور جنگ و جدل کی کیفیت سے لوگوں کو نکال کر امن و سلامتی عطا فرمائی۔ قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔" (سورۃ انبیاء: 107)

اس دین کا ہی پیغام ہے کہ اللہ رب العالمین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ امن و سلامتی کے پیغام کو عام کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی مشن میں شامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امن و سلامتی کا علم بردار دین لے کر آئے، اس عظیم دین کا حسن دیکھئے کہ اسلام "سلامتی" اور ایمان "امن" سے عبارت ہے اور اس کا نام ہی ہمیں امن و سلامتی اور احترام انسانیت کا درس دینے کیلئے واضح اشارہ ہے۔

ادارہ

قرآن کی ہدایات نہایت صاف اور واضح ہیں، دین میں کسی طرح کی کوئی زبردستی نہیں (سورۂ بقرہ: 256) ، جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا پوری انسانیت کو قتل کیا (سورۂ مائدہ: 32)، اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ کیونکہ اللہ فساد پھیلانے والوں والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (سورۂ قصص: 77) جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے ان کے خداؤں کو برا مت کہو نہیں تو وہ بھی نادانی اور دشمنی میں اللہ کو برا کہیں گے۔ (سورۂ انعام: 108) ، اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو بلاؤ انتہائی دانشمندی اور ہمدردی کے ساتھ اور ان کے ساتھ بہتر طریقے پر مباحثہ کرو (سورۂ نحل: 125) ۔

تعلیمات نبوی پر ایک نظر ڈالئے۔ واضح احکام ہیں کہ وہ مومن نہیں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا محفوظ نہ ہو (بخاری)، آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو (مسلم)، تم سلامتی کو عام کرو، تم بھی سلامتی میں رہو گے (مسند احمد) تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور اس کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے (بیہقی)

قرآن اور حضور نبی کریم کی تمام تعلیمات امن وسلامتی اور اس کے متعلق احکامات سے وابستہ ہے۔ خود نبی رحمت ﷺ کی حیاتِ طیبہ، صبر و برداشت، عفو و درگزر اور رواداری سے عبارت ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ محبت واخوت اور اعتدال و توازن کا درس دیا ہے، جبر، بے انصافی، ظلم و تشدد وغیرہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے قطعاً منافی ہے۔ آپ کی تعلیمات سے انسانوں کے ضمیر پاکیزہ ہوگئے، ان کی معاشرتی زندگی میں سدھار آگیا۔ پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی کا اہم گوشہ "بحیثیت داعی امن و اخوت" ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو محبت و اخوت کی لڑی میں پرو دیا جو معاشرہ انتشار و افتراق میں مبتلا تھا اس میں لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور اللہ کے ان احسانات کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے"۔ (سورۂ آل عمران: 103)

ہجرت کے موقع پر مہاجرین دین کی خاطر اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑ آئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر ایک نہایت اہم قدم اٹھاتے ہوئے انصار و مہاجرین کو اسلام کے رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا۔ ایک مہاجر کو دوسرے انصاری کا بھائی بنا دیا گیا۔ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ فیاضی اور ایثار کے جو مظاہرے کیے وہ اسلامی و عالمی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے گئے۔

پیغمبر امن ﷺ کی شخصیت کا قبل بعثت مطالعہ واضح کرتا ہے کہ آپ ﷺ عرب کے جاہلانہ معاشرہ میں بھی امن و اخوت کے داعی تھے۔ اس کی ایک مثال قریش میں آپ ﷺ کے ثالث مقرر ہونے سے دی جا سکتی ہے۔ خانہ کعبہ میں از سر نو تنصیب حجر اسود کے معاملے میں عربوں میں شدید اختلاف رونما ہوا مختلف قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہوئی، اور قتل و قتال کا اندیشہ پیدا ہو گیا، اس انتہائی سنگین وقت میں آپ ﷺ نے حسن تدبر اور ذہنی بصیرت کی بناء پر چادر میں حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھ کر ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ چادر کے کونے کو پکڑ لو چنانچہ تمام سرداران قریش نے مل کر اس چادر کے کنارے چاروں طرف سے پکڑ کر پتھر کو اٹھا لیا، جب پتھر اس مقام پر پہنچا جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آپ ﷺ نے چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا۔ اس طرح ایک بڑے فتنہ کا سد باب

ہوا، اور امن کی فضا قائم رہی۔ (سیرۃ ابن ہشام)

قبل از بعثت آپ ﷺ ہی کی کوششوں سے تاریک معاشرے میں امن و امان کا دور دورہ ہوا۔ آپ ﷺ ہی کی کوششوں سے اکثر قبیلوں کے سردار ایک معاہدہ کرنے پر رضا مند ہوئے جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سب لوگ مل کر ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کریں اور مظلوم کی مدد کریں، اس معاہدہ کو "حلف الفضول" کہتے ہیں ، اس پُرامن معاشرتی معاہدہ میں بنوہاشم، بنوعبد المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے۔ اس معاہدہ کی اہم شقیں یہ تھیں کہ ملک سے بدامنی دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کیا کریں گے، زبردستوں کو ظلم کرنے سے روکیں گے۔ آپ ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا کہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے: "اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور اگر اب بھی مجھے ایسے معاہدہ کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔" (طبقات ابن سعد)

بعثت کے بعد جب آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، تو جواب میں مشرکین نے آپ کو بہت اذیتیں دیں، حضور ﷺ کو ستانے کے لئے انتشار انگیزیاں، کٹ حجتیاں، دلائل، استہزاء، غنڈہ گردی ہر ممکنہ صورت کو اختیار کیا گیا۔ محلہ کے پڑوسی جو بڑے بڑے سردار تھے آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت شور مچاتے، اوجھڑیاں لاکر ڈالتے، گلا گھونٹتے لیکن حضور ﷺ نے ان سب حرکتوں پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ مشرکوں نے بنوہاشم کو شعب ابی طالب میں قید کر دیا گیا۔ پھر جب مکہ سے طائف گئے، تو وہاں جو برتاؤ کیا گیا اگر آپ چاہتے تو فرشتوں کی پیش کردہ تجویز پر عمل کر کے پورے طائف کو تباہ کر دیتے

آپ ﷺ نے ایک لفظ ان کے خلاف نہ کہا بلکہ ان کی آنے والی نسلوں کے لیے اچھی توقعات کا اظہار فرمایا۔

امن و سلامتی کی ایک واضح مثال صلح حدیبیہ ہے۔ مہاجرین کو ہجرت کئے ایک مدت ہوگئی تھی۔ ان کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتا کہ اپنے خاندان سے ملاقات کریں، بیت اللہ کی زیارت کریں، اسی ارادے سے حضور ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کو لے کر جانب مکہ روانہ ہوئے، مقام حدیبیہ پر قیام کیا اور اطلاع کے لیے حضرت عثمان کو بھیجا، مکہ کے سرداروں نے مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو ایک معاہدے کے نکات کے ساتھ آئے، تو اس موقع پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی ہر شرط قبول کی، اور بظاہر اتنا دب کر صلح کی کہ بعض صحابہ تک اس پر دل برداشتہ ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہم حق پر نہیں....؟

مدنی زندگی میں امن کے لئے کوششیں حضور ﷺ نے کیں۔ آپ نے مدینہ آتے ہی وہاں کے یہود سے عہد کیا کہ ہم آپس میں امن وامان کے ساتھ رہیں گے، اگر کوئی خارجی حملہ ہوگا تو ہم سب مل کر اس کا دفاع کریں گے، اسی طرح کا معاہدہ حضور ﷺ نے آس پاس کے دیگر قبائل سے بھی کیا۔

حضور ﷺ نے دورانِ جنگ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا چاہے وہ مشرکین ہی کیوں نہ ہوں، نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی نرمی کرنے کی ترغیب دی۔ اسی طرح جو اطاعت قبول کرلے اس کو بھی معاف کرنے کا حکم دیا، بدر کے قیدیوں سے حسن سلوک کرکے، فتح مکہ کے بعد عام امن وامان کا اعلان کرکے، یہودیوں کی سازشوں کے بعد جلاوطنی پر اکتفا کرکے، خیبر کی فتح کے بعد کاشت کے لئے ان کو زمین دے کر امن وامان اور سلامتی

وسلامتی کی جو مثالیں قائم کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

امن وسلامتی اور انسانی حقوق کی سب سے بڑی مثال رسول اللہ ﷺ عظیم ترین تاریخ ساز خطبہ "خطبہ حجتہ الوداع" ہے جو آپ ﷺ نے میدانِ عرفات میں نے ایک لاکھ مسلمانوں کے سامنے دیا۔ اس خطبے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں پیغمبر آخرالزماں ﷺ نے محض مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو مخاطب کیا۔ اس خطبے میں انسانی حقوق کی بابت ایسے اہم اور ضروری ارشادات ہیں جو قانون دان و قانون ساز افراد کے لئے قانون مدون کرنے اور دستور وضع کرنے کے سلسلہ میں بیک وقت مشعل راہ اور منزل مقصود کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج اقوام متحدہ کا قائم کردہ انسانی حقوق کا عالمی منشور جن چھ بنیادی نکات پر استوار ہے وہ بڑی خوبی سے اس میں بیان ہوئے ہیں۔ خطبہ حجتہ الوداع کا خلاصہ یہ ہے کہ

انسانی جان بہت اہم اور بیش قیمت ہے، چنانچہ اُسے تحفظ دینے کے لیے ہر ممکن اقدامات ہونے چاہئیں۔ اسلام مذہب، نسل اور جنس سے ماورا ہو کر تمام انسانوں کو زندہ رہنے کا حق عطا کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں، کیوں کہ سب ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، اسی طرح نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت کا دارومدار صرف تقوی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ تمام مؤمن بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ خوش دلی سے دے۔ یقیناً تمہارے لیے ایک دوسرے کا خون، مال اور عزت قابل احترام ہیں، جیسے تمہارے لیے یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر (مکہ) قابل احترام ہے۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ مجرم خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ نہ باپ کے بدلہ بیٹے کا مؤاخذہ کیا جائے گا اور نہ بیٹے کے جرم پر باپ سے باز پرس ہوگی۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ جاہلیت کا سارا سود اور خون معاف ہے۔ یقیناً ہر صاحب حق کو اس کا حق دو۔ کسی وارث کے حق میں وصیت نہ کی جائے۔ تمہارے اوپر تمہاری بیویوں کے حقوق واجب ہیں اور اُن کے ذمہ تمہارے حقوق ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو یہ بات ایک نظر میں محسوس کی جاسکتی ہے کہ یہ ایسے وسیع اور ہمہ گیر ذہن رکھنے والی محبِ انسانیت ہستی کی مقدس زندگی ہے جس کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ امیر اور غریب، اونچ اور نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب سب انسانوں کو آپؐ اِس حیثیت سے دیکھتے تھے کہ یہ سب ایک باپ آدمؑ کی اولاد ہیں اور ایک ہی خالق کی تخلیق ہیں۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا ایک فقرہ ایسا نہ نکلا جس سے کسی قوم کی برائی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات اقدس میں ہی حبشی، ایرانی، رومی اور دیگر حضرات اُسی طرح رفیق کار بنے جس طرح کہ عربی النسل.... آپؐ کے پردہ فرمانے کے بعد زمین کے ہر گوشے میں ہر نسل اور ہر قوم کے انسانوں نے آپ ﷺ کو اسی طرح اپنا رہنما تسلیم کرلیا جس طرح کہ خود آپ ﷺ کی اپنی قوم نے۔

ایسا اس لئے ہوا کہ آپ ﷺ کی شخصیت، آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا پیغام دنیا کے تمام انسانوں کی مشترکہ میراث ہے۔

❋

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

انسانوں میں سب سے بہترین وہ ہے جو انسانوں کو نفع اور فائدہ پہنچائے۔

(جامع ترمذی؛ کنز العمال)

Muhammad Ali Shah

Muraqaba Hall London

mashahazeemi@mhlondon.org

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إن الله إذا أنعم على عبد نعمة أحب أن يرى أثرها عليه

اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نعمت سے نوازتا ہے تو بندے پر اُس نعمت کا اظہار بھی پسند فرماتا ہے۔ (بیہقی، جامع ترمذی)

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

نہ نقصان دو اور نہ ہی نقصان اٹھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ؛ مسند احمد)

ایک مہم پر روانگی کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ نے فرمایا:

بوڑھوں، چھوٹے بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (ابوداؤد)

نبی کریم ﷺ نے (جنگ میں) عورتوں اور بچوں کو قتل سے منع فرمایا۔ (بخاری)

Muraqaba Hall Birmingham (UK)
Sakina Bibi
Khwateenmuraqbahall.birmingham@googlemail.com

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

خیر الناس من ینفع الناس

انسانوں میں سب سے بہترین وہ ہے جو انسانوں کو نفع اور فائدہ پہنچائے۔
(جامع ترمذی؛ کنز العمال)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إن الله إذا أنعم على عبد نعمة أحب أن يرى أثر نعمته عليه

اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نعمت سے نوازتا ہے تو بندے پر اُس نعمت کا اظہار بھی پسند فرماتا ہے۔ (بیہقی، جامع ترمذی)

Azeemia Foundation (USA)
Fazal Rehman
azeemia.foundation.usa@gmail.com

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

نہ نقصان دو اور نہ ہی نقصان اٹھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ : مسند احمد)

محسنِ انسانیت

میدانِ جنگ میں....

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ایک بہترین سپہ سالار بھی تھے۔ آپ کی شجاعت، آپ کی بصیرت آپ کی استقامت، آپ کی جنگی حکمتِ عملی، آپ کی جس صفت کو بھی دیکھا جائے کمال ہی کمال نظر آتا ہے۔ آپ کی جس خصلت کو بھی دیکھا جائے وقار نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی مدنی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں ایسا عظیم اور حسین انقلاب برپا کیا کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ حضور پاک ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ نے جنگیں بھی کیں۔ فتوحات بھی کیں۔ سلطنت اسلامی کو وسیع بھی کیا اور مستحکم بھی مگر حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے اس عظیم انقلاب میں بہت قلیل جانیں تلف ہوئیں اور بہت کم مقدار میں خون بہا.... نبی مکرم ﷺ کے دور میں تمام غزوات میں مسلمان شہداء کی تعداد 259 اور کفار مقتولین کی تعداد 759 ہے لیکن اس عظیم انقلاب امن و آزادی کے مقابلے میں ان جانوں کی تعداد انتہائی کم ہے۔ جبکہ دوسری طرف نظر دوڑائی جائے تو جنگ عظیم اول کے مقتولین کی تعداد 73 لاکھ 38 ہزار سے زائد اور جنگ عظیم دوم کے مقتولین کی تعداد 4 کروڑ 43 لاکھ 43 ہزار سے زیادہ ہے اور روس کے سرخ انقلاب سے لے کر 1980ء تک 68 لاکھ افراد قتل کیے گئے۔

اسلامی مفکر ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ "عہد نبوی ﷺ میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا۔ جس میں یقیناً کئی لاکھ آبادی تھی۔ اسی طرح روزانہ تقریباً 274 مربع میل کی اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کا ماہانہ ایک آدمی قتل ہوا اور اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔" غزوہ بدر میں دشمن کے ستر آدمیوں کا مارا جانا سب سے بڑی تعداد ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے اصولی لحاظ سے یہ بات محکم تھی کہ انسانی خون کا احترام کرانا ہے۔ مغربی مفکر ایچ جی ویلز H.G.Wells اپنی کتاب Out line of History میں لکھتے ہیں: "اسلام نے ایسے معاشرے کو جنم دیا ہے جو کہ دور دور تک پھیلے سماجی مظالم اور زیادتیوں سے حد درجہ پاک ہے۔ اس طرح کا معاشرہ اسلام سے پہلے دنیا میں کبھی قائم نہیں ہوا۔"

آیئے....! محسن انسانیت ﷺ کی سیرتِ مقدسہؐ سے چند ایمان افروز اوراق کا مطالعہ کرتے ہیں جن کے ذریعے وحدتِ نوعِ انسانی کا تصور اُجاگر ہو رہا ہے۔

ابن وصی

اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی انسانیت کو امن اور سلامتی کی دعوت دیتے ہوئے گزری۔ حضور اکرم ﷺ ہمیں وہ راستہ دکھا گئے ہیں جو پوری نوعِ انسانی کو باہمی مساوات، تعاون اور عالمگیر اُخوت کی طرف لے جاتا ہے۔

اس کرۂ ارض پر اسلام ہی وہ دین ہے جس نے خونِ ناحق بہانے کے خلاف اس دور میں آواز بلند کی جس زمانے میں خون بہت ارزاں سمجھا جاتا تھا، انسانی حیات کی کوئی خاص قدر و قیمت نہ تھی ،اس دور میں قرآن نے برملا اعلان کیا

”جس نے ناحق کسی انسان کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا“۔(سورۂ مائدہ۔32)

”اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ زمین میں فتنہ و فساد پھیلایا جائے۔(سورۂ قصص:77)

حضور اکرم ﷺ صرف اہلِ اسلام ہی کے محسن نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے محسن اور مجسم رحمت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن میں ”رحمت للعالمین “فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں جب حضور ﷺ سے درخواست کی گئی کہ مشرکین پر بددعا فرمایئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا”میں لعنت بھیجنے کے لئے معبوث نہیں ہوا ہوں، میں تو رحمت بنا کر معبوث کیا گیا ہوں“۔

خالقِ کائنات نے حضور ﷺ کو رحمۃ اللعالمین لقب سے نوازا۔ رحمت کی بنیادی خصوصیات کو آپ ﷺ کے دل میں قائم کیا اور اس کے بعد تربیت، ہدایت اور آگاہی سے اسے مستحکم کیا۔ قرآن میں کئی مقامات پر جہاں نبی ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ ﷺ رحمت کا یہ طریق کار اختیار کریں۔ مصائب و آلام میں صبر کریں۔ مشکلات کا سامنا استقامت سے کریں۔ اور ایذاء رسانی کے مقابلے میں عفو و درگزر سے کام لیں۔ قرآن میں ارشاد ہے: ”اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کیجیے جو نہایت عمدہ ہو۔“(سورۃ النحل: 125)

”برائی کو احسن طریقے سے دور کرو پھر (تم دیکھو گے) کہ وہ شخص جس میں اور تم میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست“۔(سورۂ فصلت: 34)

جب نبی کریم ﷺ نے دور وحشت، کفر پرست ماحول میں شمع ہدایت جلایا۔ عدل و انصاف کی دعوت دی تو آپ ﷺ کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو آپ سے پہلے اصلاح کے علم بردار انبیاء کے ساتھ پیش آیا۔ کل تک جو لوگ خندہ پیشانی، گرم جوشی سے ملاقات کرتے تھے وہی صرف اس لیے آپ کے خون کے پیاسے ہوگئے کہ آپ ان کے روایتی مذہب سے علیحدہ حق پر مبنی فکر کے داعی تھے، جوں جوں نبی کریم ﷺ کی تحریکِ توحید آگے بڑھتی گئی مخالفین کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا، کفار عرب اسلامی حقانیت کے دلائل و براہین کا جب مقابلہ نہ کرسکے تو اپنی طاقت و قوت کا ناجائز فائدہ اٹھایا، تیر و تلوار سے اپنے مخالفانہ جذبات کو تسکین پہنچانا چاہا۔ عرب کا ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سنگین اور تلخ سزائیں دے رہا تھا۔ صحابہ و صحابیات کی سنگین داستانوں سے سیرت و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے مشن کا ایک اہم جز و احترام انسانیت تھا۔ آپ ﷺ نے ملک کے دفاع اور اسلام کی عظمت کے لئے جنگیں بھی لڑیں لیکن یہ بھی عام جنگوں سے بلکل مختلف نوعیت کی تھیں۔ ان جنگوں میں حصہ لینے والے مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اللہ کے نام پر کسی نہتے کو قتل کرے، نہ ہی وہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، قیدیوں کو قتل کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ مویشیوں اور درختوں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ بھی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ غیر مسلموں کے عبادت خانوں، تعلیمی اداروں اور غیر فوجی اداروں کو نقصان پہنچائیں۔ وہ نہ تو باغات اور

کھیتوں کو تباہ و برباد کر سکتا تھا اور نہ ہی ان کے چشموں کو ویران کر سکتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو سختی سے منع فرمادیا تھا کہ کوئی شخص ہرگز اپنے دشمن کے ساتھ بھی بد عہدی اور دھوکہ نہ کرے۔ دشمن کے قاصد کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور اسے قتل نہ کرنے کا اصول رسول اکرم ﷺ نے جاری فرمایا۔

قدیم دور میں فوج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام، آتش زنی کرنا، جنگجوؤں کے گروہوں میں عام بات تھی لیکن اسلام نے اسے فساد قرار دیا ہے اور اس کی کلی ممانعت قرآن میں ہے:

"جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین پر فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا"۔ (سورۂ بقرہ:205)

اسلام میں عسکری جدوجہد کے یہ قوانین بہت واضح ہیں۔ فوجوں کی روانگی کے وقت جنگی برتاؤ کے متعلق ہدایات دینے کا طریقہ جس سے اُنیسویں صدی کے وسط تک مغربی دنیا نابلد تھی، ساتویں صدی عیسوی میں عرب کے اُمی پیغمبر ﷺ نے جاری کیا تھا۔ داعیٔ اسلام ﷺ جب کسی سپہ سالار کو جنگ پر بھیجتے تو پہلے تقویٰ اور خوف خدا کی نصیحت کرتے، پھر جنگ میں شریک افراد کو نصیحت فرماتے کہ مشرکین کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، رسول اکرم ﷺ کے یہ احکامات کتب احادیث میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ چند احادیث پیش خدمت ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو دیکھا جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اِس پر آپ ﷺ نے (سختی سے) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی۔ (بخاری؛ مسلم)....

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جنگ پر جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا نام لے کر نکلو، اور اس اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول ﷺ کی ملت پر ہوتے ہوئے، اور نہ کسی بوڑھے کو قتل کرو، نہ شیر خوار کو، نہ نابالغ کو اور نہ عورتوں کو۔" (سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد)

حضرت اسود بن سریعؓ بیان کرتے ہیں: "ہم ایک غزوہ میں شریک تھے (ہم لڑتے رہے یہاں تک) کہ ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا اور ہم نے مشرکوں سے قتال کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے بعض بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جن کے قتل کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے بچوں تک کو قتل کر ڈالا؟ خبردار! بچوں کو جنگ کے دوران بھی قتل نہ کیا جائے" (سنن نسائی، مسند احمد)

سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب اسلامی لشکر کو مشرکین کی طرف روانہ فرماتے تو یوں ہدایات دیتے "کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، چشموں کو خشک و ویران نہ کرنا، جنگ میں حائل درختوں کے سوا کسی دوسرے درخت کو نہ کاٹنا، کسی انسان کا مثلہ نہ کرنا، کسی جانور کا مثلہ نہ کرنا، بد عہدی نہ کرنا اور چوری و خیانت نہ کرنا"۔ (سنن الکبریٰ بیہقی)

انہی مفاہیم پر مشتمل دیگر احادیث (مسند احمد، ابن ابی شیبہ وغیرہ) میں کلیساؤں کے متولیوں (پادریوں)، راہبوں، کسانوں، تاجروں، مزدوروں اور جو جنگ میں براہ راست شریک نہ ہوں، طبی امداد کرنے اور پانی پلانے والوں کو قتل کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ شام کی طرف لشکر روانہ کرتے ہوئے کمانڈر سے فرمایا: ''میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں کسی بچے، عورت، بوڑھے اور بیمار کو ہر گز قتل نہ کرنا، اور نہ ہی کوئی پھل دار درخت کاٹنا، اور نہ ہی کسی آباد گھر کو ویران کرنا، اور نہ ہی کسی بھیڑ اور اونٹ کی کونچیں کاٹنا اور کھجوروں کے پودوں کو مت کاٹنا نہ انہیں جلانا، اور مال غنیمت کو تقسیم کرنے میں دھوکہ نہ کرنا اور نہ ہی بزدل ہونا۔'' (موطا امام مالک)

حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ محسنِ انسانیت نے فرمایا ''جو شخص دوسروں کو گھروں میں گھس کر تنگ کرے یا راستوں میں لوٹ مار کرے، اُس کا یہ عمل جہاد نہیں کہلائے گا۔'' (سنن ابوداؤد)

اسلام کے جنگی قوانین کے مطابق غیر جانب دار افراد یا ممالک کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی، خواہ ان کے ساتھ اختلاف کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم سے سخت دشمنی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اُس سے) عدل نہ کر سکو۔'' (سورۂ مائدہ: 8)

''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔ (سورۂ ممتحنہ: 8)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام نے کسی بھی فرد کو دین اسلام میں ظلم و زیادتی اور جبر و اکراہ سے داخل اسلام نہیں کیا۔ بلکہ تعلیمات نبوی دعوت امن و سلامتی سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علیؓ کو علم عنایت ہوا تو فرمایا ''نرمی کے ساتھ ان پر اسلام پیش کرو اگرچہ ایک شخص ہی تمہاری ہدایت سے صدقِ دل کے ساتھ اسلام قبول کرلے''.... سن 10 ہجری میں رسول پاک ﷺ نے 300 سواروں کے ساتھ حضرت علیؓ کو یمن روانہ فرمایا تو آپ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی: ''جب تم یمن پہنچ جاؤ تو اس وقت تک دشمنوں پر حملہ نہ کرنا جب تک کہ وہ تم پر حملہ نہ کریں''۔ (طبقات ابن سعد)

حضور نبی کریم ﷺ نے یمن میں اسلام کی تعلیم کے لئے دو صحابہ حضرت مُعاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اَشعریؓ کو مقرر فرمایا، جب یہ دونوں روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: ''دیکھو، تم دونوں مل کر کام کرنا، لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، سختی مت کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت مت دلانا۔ تم کو وہ لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں، پہلے ان کو بتانا اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، پھر بتانا کہ محمد (ﷺ) کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، جب وہ ان دونوں باتوں کو مان لیں تو پھر ان سے کہنا کہ اللہ نے پانچ وقت نماز فرض کی ہے۔ جب وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتانا کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہے جو امیروں سے لی جائے گی اور غریبوں کو دی جائے گی۔ دیکھو، جب وہ زکوٰۃ دینا قبول کرلیں تو چُن کر صرف اچھا مال نہ لینا۔ مظلوموں کی بددُعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے''۔

دشمن سے انتقام لینا انسانی فطرت کا خاصہ ہے لیکن حضور اکرم ﷺ نا صرف یہ کہ دشمنوں سے انتقام کے قائل نہیں تھے بلکہ ہر موقع پر آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمن سے حسن سلوک برتا اور ان

کے ساتھ ہر ممکن مہربانی سے پیش آئے۔

سن 8 ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اس شہر میں جہاں کافروں نے آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو طرح طرح سے ستا کر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، آپ ﷺ اس شان سے داخل ہوئے کہ دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو شخص کعبے میں پناہ لے گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے گا وہ بھی محفوظ رہے گا اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا، وہ بھی محفوظ ہو گا۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ روایت ہے فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے پہلے سے ہدایت فرما دی کہ "کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا، جو کوئی جان بچا کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کرنا، کسی گھر میں داخل نہ ہونا، جس نے اپنا اسلحہ پھینک دیا اُسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے، اسے امان دینا"۔ (عبدالرزاق، المصنف)

مکہ میں قحط پڑا تو حضور نبی پاک ﷺ اس وقت مدینہ میں تھے اور ابھی ابھی ہجرت کر کے آئے تھے۔ اہلِ مکہ کے مظالم کے زخم تازہ تھے لیکن حضور ﷺ نے مدینہ میں بیٹھ کر مکہ کے لئے دعا کی کہ "خدا مکہ کی سرزمین سے اناج کا قحط دور کرے"۔

حضور اکرم ﷺ نے انسانیت کو پستیوں سے اُٹھا کر سربلند کیا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں لائے جس میں مذہب، زبان، نسل اور رنگ کی بنیاد پر کوئی امتیاز یا تعصب نہیں تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو تعصب پر جیا اور مرا وہ مجھ سے نہیں"....

حضور اکرم ﷺ حدیبیہ میں قیام فرما تھے کہ قریش نے آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک پر حملہ کرنے کی سازش کی اور 80 افراد اس غرض کے لئے تیار کئے گئے اور وہ چھپتے چھپاتے اسلامی لشکر گاہ میں داخل ہوئے لیکن پکڑے گئے اور اقبالِ جرم کر لیا۔ عرب کے قانون کے مطابق ان کی سزا قتل تھی لیکن جب یہ مجرم بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کئے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں تم کو معاف کرتا ہوں" اور سب کو بری کر دیا۔

قریش کا فرستادہ عمیر بن وہب مدینہ پہنچا تاکہ کسی طرح موقع پا کر حضور ﷺ کو قتل کر دے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ لیا اور اس کی تلوار چھین کر اسے پکڑ کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو" آپ ﷺ نے عمیر سے فرمایا "کس ارادے سے یہاں آئے ہو؟"

اس نے کہا "میں اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں، جو آپ ﷺ کی قید میں ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا "پھر یہ تلوار کس لئے گلے میں لٹکائی ہے؟"

عمیر نے کہا "آتے وقت میں اسے نکالنا بھول گیا تھا"۔ یہ سن کر حامل نبوت ﷺ نے فرمایا "سنو! تم نے اپنے دوست صفوان بن اُمیہ کے ساتھ ایک حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش کی۔ اس کے بدلے میں صفوان نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہارا سارا قرض ادا کرے گا اور تمہارے اہل و عیال کا خرچ بھی اس کے ذمے ہو گا"۔

عمیر یہ سن کر سناٹے میں آ گیا کہ اس رازِ سربستہ کی کیسے اطلاع ہو گئی۔ اُس نے اقرار کیا کہ ہاں واقعی یہ سازش ہوئی تھی اور کہا "محمدؐ! آپؐ واقعی خدا کے رسول ہیں"۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا "اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور اس کے فرزند کو بھی آزاد کر دو!"

اسی طرح ابوسفیان نے ایک بدوی کو بہت بڑی

رقم کا لالچ دے کر آنحضرت ﷺ کے قتل پر متعین کیا۔ یہ بدوی جب مدینہ پہنچا تو مسجد نبویؐ میں حضور اکرم ﷺ کسی قبیلے کے وفد سے مصروفِ گفتگو تھے۔ آپ ﷺ نے اس بدوی کو دیکھ کر اہلِ مجلس سے فرمایا "یہ آدمی میرے قتل کے ارادے سے یہاں آیا ہے"۔

صحابہؓ نے اسے پکڑ لیا تلاشی لی تو خنجر بر آمد ہوا۔ آپ ﷺ نے بدوی سے فرمایا "تم سچ سچ ساری بات بتادو تو چھوڑ دیئے جاؤ گے"۔ اس نے بے کم وکاست حقیقت بیان کر دی۔ حضور ﷺ نے اس کو امان دے کر فرمایا کہ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر بدوی فوراً مسلمان ہو گیا۔

ایک جنگ میں یمن کے مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہو کر آئی۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے بڑی عزت اور احترام سے رکھا اور فرمایا: "تمہارے شہر کا کوئی آدمی یہاں آیا تو تمہیں اس کے ساتھ رُخصت کردوں گا"۔ چنانچہ حضور پاک ﷺ نے نا صرف اسے بلکہ اس کے تمام خاندان کے قیدیوں کو بغیر کسی فدیئے یا معاوضے کے رہا کر کے واپس بھجوا دیا۔

حنین کی فتح کے بعد سید دو عالم ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے لوگوں سے پوچھا "تمہارا سردار مالک بن عوف کہاں ہے؟ اس نے تمہیں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے پر اکسایا تھا"۔

لوگوں نے بتایا کہ وہ طائف بھاگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا "مالک بن عوف سے جا کر کہہ دو اگر وہ میرے پاس آجائے تو نا صرف اس کے اہل وعیال اور مال مویشی واپس کر دوں گا بلکہ اپنی طرف سے سو اونٹ بھی دونگا"۔ مالک بن عوف طائف میں سخت پریشانی اور بے کسی کے عالم میں زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ اُسے جب اطلاع ملی کہ اُسے معاف کر دیا گیا تو وہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے اُسے نا صرف اُس کی قوم کی سرداری واپس کی بلکہ چند دوسرے قبائل کا بھی سردار بنا دیا۔ مالک بن عوفؓ نے مسلمان ہو کر حضور ﷺ کی مدح وستائش میں چند اشعار بھی کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ میں نے محمد ﷺ کے اخلاق جیسا کوئی انسان نہ کبھی دیکھا نہ سُنا ہے۔

اگر کسی کا جرم اتنا سنگین ہوتا کہ اسے قتل کرنا ضروری ہوتا پھر بھی رسول اللہ ﷺ اس سے سختی کا اظہار نہیں فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مجرم کو باندھ کر قتل کرنے اور اذیت یا تکلیف دے کر قتل کرنے سے منع کر دیا۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کا عملی مظاہرہ ہمارے سامنے ہے۔ رسول ﷺ کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہے کہ اگر مسلمان فوج فاتح بن کر کسی ملک میں داخل ہو تو عبادت خانوں کو نہ گرایا جائے۔ اور ان کے مذہبی پیشوا کو نہ قتل کیا جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں کبھی کسی مذہب کو بُرا نہیں کہا بلکہ جہالت پر مبنی فرسودہ اور ظالمانہ روایات سے اختلاف فرمایا۔ اسلام کی روشنی جنگ کے زور پر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت اور پوری نوعِ انسانی کی بھلائی پر مبنی پیغام کی کشش کی بناء پر پھیلتی چلی گئی۔ ہمیں بھی حضور پاک ﷺ کی طرزِ فکر پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھائیوں، دوستوں اور تمام نوعِ انسانی کے لئے رحمت بن کر زندہ رہنا چاہئے۔ جب ہم رحمت بن کر جئیں گے تو ہماری تمام مشکلات، پریشانیاں اور بے سکونی کی کیفیت ختم ہو جائے گی۔ یقیناً رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لئے کامل نمونہ ہے۔

امام سلسلہ عظیمیہ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

جس طرح ہمارا دوست خدا ہم سے اور کائنات میں موجود ساری مخلوقات سے محبت کرتا ہے ہم بھی اس کی مخلوق سے محبت کریں۔ جس طرح ہمارا دوست خدا مخلوق کے کام آتا ہے، اُسی طرح ہم بھی اس کی مخلوق کی خدمت کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اوپر کا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ
سے، نیچے کا ہاتھ مانگنے والا ہے"......
(مسلم شریف)
حیدر آباد - قاسم آباد (خواتین)
نگراں مراقبہ ہال: منظور النساء
فون: 0345-3585178
معرفت: یار محمد انصاری، بنگلہ نمبر B-98، فیز 1، قاسم آباد،
نزد بوائز ہائی اسکول، حیدر آباد، پوسٹ کوڈ 71700

ہر شخص کو چاہیئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے۔

(حضور قلندر بابا اولیاءؒ)

حضرت محمد ﷺ

کا ارشاد ہے.....

جس قاضی نے حق کو پہچان

کر فیصلہ کرنے میں ظلم کیا

وہ دوزخ میں ہے۔

خیرِ مجسم ﷺ

مکارمِ اخلاق کی تکمیل

ربیع الاول کی مناسبت سے معروف مفکر واصف علی واصفؒ نے ریڈیو پاکستان لاہور سے سیرتِ طیبہ کے ایک پروگرام میں یہ مقالہ پیش کیا تھا، واصف علی واصفؒ نے اس مقالہ میں سیرت طیبہؐ کے پہلو پر حکمت و دانائی سے پُر اپنے مخصوص اسلوبِ بیاں میں جس صراحت سے روشنی ڈالی گئی وہ واصف علی واصف کا ہی ایک خاص اسلوب ہے....

حکمائے عالم نے دنیا کو جو معیارِ اخلاق دیا، وہ سب انسانوں کا تصور ہے اور انسانی تصور میں نقص کا ہونا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس جو معیار اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، وہ ہر خامی سے آزاد ہے۔ خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ مخلوق کے لئے کون سا معیارِ اخلاق بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ذات میں یہ فیصلہ فرما دیا کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ۔ اخلاق کا بہترین نمونہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ تکمیلِ انسانیت کا نقطۂ عروج حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

تکمیل ذات میں تکمیلِ اخلاق کا دعویٰ اپنی تکمیل کے ساتھ موجود ہے۔ ذات کامل ہو تو صفت مکمل ہو جاتی ہے۔ ذات اور صفات کا رشتہ عجب ہے۔ کبھی صفت ذات کی پہچان ہے اور کبھی ذات صفات کی۔ مثلاً اگر صفت صداقت ہے تو ذات صادق ہی کہلائے گی لیکن اگر ذات حضور اکرم ﷺ کی ہو تو آپ ﷺ ایسے صادق ہیں کہ آپ ﷺ جو بھی فرمائیں، وہی صداقت ہے۔

آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اتنی مکمل ہے کہ آپ ﷺ کے دم سے ہی صفات کی تکمیل ہوئی، صفات کو مرتبہ ملا، صفات کو تقدس ملا، پہچان ملی، عروج ملا۔ ایک عام آدمی سچ بولے تو ہم اس سچ کی تحقیق کر سکتے ہیں عقل کے ذریعے سے، مشاہدے کے ذریعے سے۔ لیکن ایک پیغمبر اور خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کی صداقت ہماری تحقیق سے بلند و ماوراء ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے زندگی کے معاملات میں جو بھی ارشاد فرمایا، وہ صداقت ہے کیونکہ ان کا مشاہدہ موجود تھا۔ لیکن کمال صفت تو یہ ہے کہ آپ نے اللہ کریم کے بارے میں اور مابعد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ ہماری تحقیق میں نہ آسکنے کے باوجود صداقت ہے، بلکہ صداقت مطلق ہے اور کمالِ صفت کا یہ اعجاز ہے کہ ہم آپ ﷺ کی ہر بات کو تحقیق کے بغیر تسلیم کرنے کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے پیغمبروں میں رسالت کا رنگ مخصوص اور جزوی تھا۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں رسالت اپنے انتہائی رنگ سے ایسی مکمل ہوئی کہ اس کے بعد کسی رسول کی ضرورت ہی نہیں۔ یعنی آپ نے اخلاق کو اس درجہ مکمل فرمایا کہ اس کے بعد کسی اور تفصیل کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ نے انفرادی اور اجتماعی اخلاق میں وہ انقلاب پیدا فرمایا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیم کا نتیجہ تاریخ نے دیکھا کہ آقا پیدل چل رہا ہے اور غلام سوار ہے۔ آپ کے دم سے گویا اخلاق اور صفات کو سند عطا ہوئی۔ آپ کے اخلاق کی تاثیر یہ ہے کہ آپ جب ارشاد فرماتے تو سامعین سر جھکا کر اور خاموش ہو کر یوں سنتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق یہ ہے کہ آپ نے جس کو دفعتاً دیکھا، وہ مرعوب ہو گیا۔ جو آپ سے

واصف علی واصف

آشنا ہوا، وہ محبت اور ادب کرنے لگ گیا۔ آپ نے اخلاق کو تکمیل کا وہ درجہ عطا فرمایا کہ ایک طرف تو اللہ اور اللہ کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں اور دوسری طرف آپ کے جانثار، آپ ﷺ کی خدمت میں آج تک درود و سلام اور نعت کا ہدیہ پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ اپنے تو اپنے، بیگانے بھی آپ ﷺ کو عقیدت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ آج بھی، چودہ سو سال کی دوری کے باوجود آپ دلوں کے قریب ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں جہاں اللہ کریم نے انسانیت کی تکمیل فرمائی، نبوت کی تکمیل فرمائی، وہاں اخلاقِ جلیلہ کی بھی تکمیل فرمادی۔ آپ کا کردار، کردار کی انتہا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد، ارشاد کی انتہا ہے اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب، آسمانی کتب کا حرفِ آخر۔ آپ کے اخلاقِ عالی کا یہ مقام ہے کہ اسے صداقتِ نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا۔ سورہ یونس میں ارشاد ہے کہ "میں نبوت سے پہلے تم لوگوں میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں، کیا تم سمجھتے نہیں"۔ گویا اعلانِ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کی چالیس برس کی تمام عمر بھی مرقعٔ اخلاق ہے۔

نبوت اخلاق کا نتیجہ نہیں، اخلاق نبوت کی عطا ہے اور نبوت اور پھر آپ ﷺ کی نبوت، کمالِ عطائے الٰہی ہے۔ جب اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو اخلاق کا معیار بنا کر پیش کرے تو وہ اخلاق کتنا مکمل ہوگا، اس کا اندازہ مشکل نہیں۔ دراصل اخلاق ایک ایسی راہِ عمل ہے، جس پر چلنے والے انسان کا کردار مخلوقِ خدا کے لئے بے ضرر اور منفعت بخش ہوتا ہے۔ انسانی سوچ اخلاق کا جو معیار دیتی ہے، وہ قابلِ تاثیر ہو سکتا ہے لیکن جب پیغمبر اخلاق کا معیار دے تو وہ معیار خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور خالق بہتر جانتا ہے کہ مخلوق کے لئے کون سا کردار بہتر ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے اخلاق کے بیان کے بارے میں جہاں تاریخ گواہ ہے، وہاں قرآن بھی شاہد ہے کہ "اے پیغمبر ﷺ! تم اعلیٰ اخلاق پر پیدا ہوئے"....

حضور ﷺ کا اپنا ارشاد تکمیلِ اخلاق کے ضمن میں ایک مینارۂ نور کی طرح درخشاں ہے۔ ارشاد ہے "میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں"... اور یہ کہ "میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کا معاملہ تکمیل تک پہنچاؤں"....

آپ ﷺ محافظِ اخلاق ہیں، مفسرِ اخلاق ہیں، مظہرِ اخلاق ہیں، منبعِ اخلاق ہیں، مجسّمِ اخلاق ہیں، بلکہ مکمل اخلاق ہیں۔ آپ ﷺ کی اخلاقی رفعتوں کا بیان دراصل پوری سیرت کا بیان ہے۔ اخلاق کی جزئیات میں آپ کے ہاں استقامتِ عمل ہے، حسنِ سلوک ہے، حسنِ معاملہ ہے، عدل و انصاف ہے، جود و سخا ہے، ایثار ہے، مہمان نوازی ہے، سادگی اور بے تکلفی ہے، شرم و حیا ہے، عزم و استقلال ہے، شجاعت ہے، صداقت ہے، امانت ہے، ایفائے عہد ہے، زُہد و تقویٰ اور قناعت ہے، عفو و رحم ہے، کفار اور مشرکین سے حسنِ سلوک ہے، غریبوں کے ساتھ محبت ہے، حیوانات اور پرندوں پر رحم ہے، رحمت و محبت عام ہے، رقیق القلبی ہے، عیادت و تعزیت ہے، اولاد سے محبت ہے، غرضیکہ "حسنت جمیع خصالہٖ"....

آپ ﷺ کے بارے میں کیا لب کشائی کی جا سکتی ہے۔ آپ کے اخلاق اور اوصاف کا ذکر احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اخلاق و اوصاف کی تفسیر نظر آتا ہے۔ آپ کے اخلاق میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ آپ نے جس اخلاق کا پرچار کیا، اس پر مکمل طور پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ کی ذاتِ اقدس تمام انبیائے کرامؑ اور مصلحینِ عالم میں واضح طور پر اس لئے ممتاز ہے کہ آپ کا عمل آپ کے علم کا شاہد ہے۔ حدیثِ نبوی اور سنتِ نبوی میں تطابق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ اخلاق یہ ہے کہ وہ دور جس میں صداقت، دیانت اور امانت کے چراغ گل ہو چکے تھے، آپ نے اپنے پاکیزہ کردار سے اس دور میں صادق اور امین کے القاب حاصل کئے اور وہ بھی مخالفین سے۔ آپ کے قریب رہنے والے سبھی لوگ یک زبان یہ کہتے کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ حضرتِ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے کبھی برائی کے بدلے برائی سے کام نہیں لیا۔ آپ ہمیشہ درگزر فرماتے، معاف فرما دیتے۔ آپ نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ آپ نے کبھی کسی کو بات کرنے کے دوران ٹوکا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندہ جبیں، نرم گفتار اور مہربان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو آپ نزولِ وحی کی شدت سے گھبرائے اور آپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے گھبرا کر رفیقۂ حیات سے اپنی کیفیت کا ذکر فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور آپ کے اخلاق کے بارے میں یہ کہا "ہرگز نہیں! خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی اندوہ گیں نہ کرے گا، آپ عزیزوں اور رشتے داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، ناتواں، بے کسوں اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اسے دیتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں، مصائب میں حق کے معاون اور مددگار ہیں، آپ میں وہ تمام صفات ہیں کہ آپ "صادق القول ہیں"....

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل از نبوت کا گواہ حضرت خدیجہؓ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟ آپ داعی حق ہونے کی حیثیت سے اپنی تعلیم کا افضل و اعلیٰ نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسانی زندگی کے لئے جس انسانی اخلاق کی تعلیم فرمائی، اس کا عملی مظہر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لئے معلم اخلاق بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ کے اعمال اور آپ کے اقوال اس بات کا مکمل ثبوت ہیں۔ اخلاق کی تکمیل آپ کے دم سے ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

کامل ایمان اس مومن کا ہے، جس کا اخلاق اچھا ہے

اعمال کے ترازو میں حسن عمل سے بھاری کوئی نیکی نہیں....

انسان حسن اخلاق سے عبادت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے....

تم میں سب سے اچھا وہ ہے، جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا "کون سی نیکی بہتر ہے....؟"

آپؐ نے فرمایا "کھانا کھلانا اور سب کو سلام کہنا" یعنی سب کو سلامتی کی دعا کا پیغام پہنچانا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ اپنے کسی غلام کو برا بھلا کہا۔ حضور اکرم نے سن لیا۔ فرمایا "ابوذرؓ! ابھی تم میں جہالت باقی ہے، غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے، جس کا بھائی ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ بھائی کو ویسا کھانا کھلائے جیسا آپ کھائے، ویسا ہی پہنائے جیسا آپ پہنے، بھائی سے ایسا کام نہ لے جو اس سے نہ ہو سکے، کوئی سخت کام ہو تو اس کی مدد کرے"۔

آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا "قسم ہے وہ ایمان نہیں لایا، خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا"۔ صحابہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! کون؟" آپ نے فرمایا "جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور آپ کے ارشادات میں ایسے ہزار ہا پہلو سامنے آتے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے تشریف لائے۔ کون سی ایسی خوبی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود نہ ہو۔ آپ نرم مزاج

تھے، خوش گفتار تھے، متین تھے، حلیم الطبع تھے۔ کسی کی دل آزاری نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں نئے آنے والوں کو جگہ نہ ملتی تو آپ رداء مبارک بچھا دیتے۔ بچوں پر تو آپ اس حد تک شفیق تھے کہ مشرکوں کے بچوں پر بھی رحم کرنے کا آپ نے حکم فرمایا۔ غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تو اس بات سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آج بھی آپ ﷺ کی غلامی ہی سرفرازی کا اظہار ہے۔ آپ نے ہمیشہ غریبوں اور بے کسوں سے عملی ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے دنیا میں مساوات کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم کیا۔ فتح مکہ کے بعد آپ کا ارشاد ہے "اے گروہِ قریش! اللہ نے جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار مٹایا۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے"....اور خُلق کا یہ عالم ہے کہ آپ کے پاس خُلقِ عظیم ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ہر دین کا خُلق ہوتا ہے اور اسلام کا خُلق حیا ہے"....

آپ ﷺ کے پاس جو صفت بھی موجود ہے، دائم ہے۔ آپ دائم الرضا ہیں، دائم الزہد ہیں، دائم الشوق ہیں، دائم الصبر ہیں، دائم الصدق ہیں، دائم الامر ہیں، دائم الفکر ہیں۔ غرضیکہ آپ ہمہ صفت موصوف ہیں۔ حُسن آپ کی صفت ہے اور صفت آپ کا حُسن۔ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش رہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اللہ کی محبت نے آپ کو دنیا کے خوف اور محبت سے آزاد کر دیا۔ حضرت سعد بن ہشامؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا "اے ایمان والوں کی ماں! حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں" تو آپؓ نے فرمایا "تم نے قرآن نہیں پڑھا...؟" انہوں نے کہا "قرآن تو پڑھا ہے"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "حضور اکرم ﷺ کا خُلق قرآن تھا" یعنی آپ قرآنِ مجسم تھے۔ آپ کا اخلاق ہی منشائے قرآن کے عین مطابق ہے۔ قرآن کو پڑھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن جس اخلاق کی تعلیم دے رہا ہے، وہ حضور ہی کا اخلاق ہے اور حضور ﷺ کی زندگی اور آپ کے اخلاق کو دیکھیں تو یوں نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہی کا اخلاق ہے۔ اللہ کا پسندیدہ اخلاق آپ ﷺ کی ذات میں اور آپ کا اخلاق اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں موجود ہے۔ اسی لئے آپ کے اخلاق کی پیروی ہی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اخلاقیات کے تمام مکاتیب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ رحم، اخلاق کی اعلیٰ صفت ہے اور حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں رحم اور رحمت کا یہ عالم ہے کہ آپ کے بارے میں ارشاد ہے "وما ارسلنٰک الا رحمتہ اللعالمین"....کہ آپ تمام مخلوق کے لئے رحمتِ مجسم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اپنا، بیگانہ، مومن، کافر، چرند، پرند، ذی جان، بے جان، مرئی یا غیر مرئی، کوئی مخلوق ہو آپ کی رحمت کا سایہ سب کے لئے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، آپ کے رعب و جمال سے کانپنے لگا، آپ نے فرمایا "اپنے آپ کو سنبھال، میں کوئی بادشاہ نہیں، میں تو قریشی ماں کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی"....

آپ ﷺ لغزشوں کو معاف فرمانے والے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "میں نے حضورِ اقدس کی خدمت کی ہے۔ میں نے کبھی آپ ﷺ کو یہ کہتے نہیں سنا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا"۔

غلاموں کے ساتھ شفقت کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا "یارسول اللہ! غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کریں" آپ خاموش رہے۔ اس نے جب تیسری مرتبہ یہی گزارش کی تو آپ نے فرمایا "ہر روز ستر مرتبہ"۔ حضور اقدس اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا، مسکینوں

ہی کے ساتھ میرا حشر ہو" حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا "یہ کیوں....؟" آپ نے فرمایا "اس لئے کہ مسکین دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے"....

آپ ﷺ کی روزمرہ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ آپ میں تکلف اور تصنع کا سایہ تک نہ تھا۔ نماز، خوراک، رہائش میں ہمیشہ سادگی سے کام لیتے۔ امارت اور فضولیات آپ کو ناپسند تھیں۔ واقعہ ہے کہ ایک صحابیؓ نے نیا مکان بنوایا، جس کا گنبد بلند تھا۔ آپ نے دیکھا تو پوچھا "یہ مکان کس کا ہے؟" لوگوں نے نام بتایا۔ آپ چپ رہے۔ اور وہ شخص حسبِ معمول جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر سلام کیا، آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناراضگی کی کیا وجہ ہے۔ جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ آپ نے جب دوبارہ مکان دیکھا تو ارشاد فرمایا "ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے"....

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک چٹائی پر آرام فرما رہے تھے، اُٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کیا "یارسول اللہ! ہم لوگ کوئی گدا منگوا کر حاضر کریں"۔ آپ نے فرمایا "مجھ کو دنیا سے کیا غرض، مجھے دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے"۔ آپ نے سادہ زندگی کو ہی بلند خیالی کے لئے لازمی قرار دیا۔

دنیا کے تمام مفکرینِ اخلاق نے آج تک جتنے بھی اخلاق کے اصول بنائے ہیں، آپ کی زندگی ان اصولوں کی مظہر ہے۔ آج کے زر پرست اور ہوس پرست معاشرے میں شاید یہ بات سمجھنا مشکل ہو کہ وہ انسان جو پیغمبروں کا امام ہو، اللہ کا محبوب ہو، قبیلے کا سردار ہو، جس کا نام لوگوں کے ایمان کا حصہ ہو، جس کا علم دلوں پر جاری ہو، جس کے اشاروں پر لوگ اپنی جان نثار کرنے کو سعادت سمجھتے ہوں، اس انسان کے جسم مقدس پر کوئی پیوند دار لباس ہو اور پیوند بھی اپنے دستِ مبارک سے لگائے ہوں.... جس کو دولتِ معراج عطا ہو رہی ہے، عروج کی انتہا ہو رہی ہے، اُس کی زندگی اتنی سادہ ہو کہ اگر حضرت عمرؓ دیکھیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں کہ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ اللہ کے پیغمبر ہوتے ہوئے اس حال میں زندگی بسر کریں اور پھر حضور سادگی اور یقین سے یہ ارشاد فرمائیں کہ "اے عمرؓ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت"

حضور اقدس ﷺ نے اخلاقِ انسانی کو تکمیل کے اس درجے تک پہنچا دیا کہ یہ اخلاق آسمانی ہو گیا۔ اللہ نے انسانوں کے لئے جو بھی اخلاق پسند فرمایا، وہ دراصل اخلاقِ محمدی ہے۔ حضور نے جس اخلاق کو پیش کیا وہ دراصل اللہ کا پسندیدہ اخلاق ہے۔ کوئی خوبی ایسی نہیں جو حضور پر نور میں نہ ہو۔ آپ ﷺ ایفائے عہد میں اتنے بلند تھے کہ آپ ﷺ تین دن تک ایک جگہ کھڑے رہے، ایک انصاری نے آپ سے ٹھہرنے کا وعدہ لیا اور خود بھول گیا۔ تین دن کے بعد جب وہ وہاں سے گزرا، آپ ﷺ کو دیکھا تو اسے یاد آیا لیکن آپ نے اس سے صرف اتنا کہا کہ تو نے مجھے بہت تکلیف دی۔ حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کیا کیا کہا جائے۔ آپ نے اللہ سے اُسوۂ حسنہ کی سند لی، دنیا نے آپ ﷺ کو معلمِ اخلاق مانا، آپ پر نبوت کی تکمیل ہوئی، اِنسانیت کی تکمیل ہوئی اور اِخلاق کی تکمیل ہوئی۔ آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں بس یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان توں شاناں سب بنیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص چوری کا مال کھائے اور اسے یہ علم ہو کہ یہ مال چوری کا ہے تو وہ اس چوری میں شریک ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی حکمت و تدبر

ڈاکٹر محمود احمد غازی

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے کسی پہلو پر گفتگو کرتے وقت یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ حضور علیہ السلام کی سیرت تاریخ انسانی کی جامع ترین اور کامل ترین شخصیت کی سیرت ہے۔

یہ سیرت پوری دنیا کے لیے واحد نمونہ ہدایت ہے جس میں ہر قسم کے انسانوں کے لیے ہدایت موجود ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو صحیح اور مکمل رہنمائی یہیں سے مل سکتی ہے۔ حکمرانوں اور فرمانرواؤں کے لیے سرکار مدینہ ہی کی سیرت نمونہ بن سکتی ہے۔ کوئی کسی بیوی کا شوہر ہو تو اس کو چاہیے کہ امہات المومنین کے پاکباز شوہر سے ہدایت حاصل کرے۔ کوئی صاحب اولاد ہو تو اس کو صرف فاطمہ، رقیہ اور ابراہیم کے والد اور حسن و حسین اور امامہ کے نانا کی زندگی سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ ایک معلم اور مدرس کو چاہیے کہ دار ارقم اور صفہ کے معلم سے سبق حاصل کرے۔ سپہ سالاروں اور صاحبان سیف وسناں کو اگر کہیں سے کوئی نمونہ ہدایت مل سکتا ہے تو صرف سالار بدر و حنین کے ہاں سے مل سکتا ہے۔ ایک فاتح جرنیل کی کیا شان ہونی چاہیے۔ یہ صرف فاتح مکہ کے ہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک مدبر اور سیاست دان کے لیے کیا اسوۂ حسنہ ہونا چاہیے۔ یہ اس کو صرف صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط پر گفتگو کرنے والے مدبر اور میثاق مدینہ مرتب کرنے والے سیاست دان کے ہاں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حضور ﷺ کا مدبر اور سیاست دان ہونا آپ ﷺ کی زندگی کے بے شمار پہلوؤں میں سے محض ایک ادنیٰ پہلو ہے۔ اس پر گفتگو کرتے وقت حضور ﷺ کی اصل اور برتر حیثیت نظروں سے اوجھل نہ ہونی چاہیے۔

آپ ﷺ کی اصل حیثیت بہر حال ایک نبی مرسل اور فرستادہ خداوندی ہے جو روز قیامت تک عالم انسانیت کے سامنے اللہ رب العزت خالق کائنات کا واحد نمائندہ مجاز اور ترجمان مرضی الٰہی ہے، جس کا اصل وظیفہ تلاوت آیات، تزکیہ نفس اور تعلیم کتابت و حکمت ہے۔ باقی سارے وظائف اور پہلو اسی اصل الاصول کے لوازم و فروغ ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کیا اور جس پہلو سے بھی کیا اس میں اصل اور بنیادی حیثیت ایک نبی اور رسول ہی کی تھی اور یہی فرائض نبوت آپ ﷺ کے پیش نظر تھے۔

ایک مدبر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی

سیرت طیبہ پر نظر ڈالنے سے قبل بہتر ہوگا کہ ایک نظر اس عظیم مقصد پر ڈال لی جائے جس کا حصول آپ ﷺ کے پیش نظر تھا اور نہایت اعلیٰ بصیرت اور کمال تدبر کے ساتھ اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ایک نبی کی حیثیت سے حضور ﷺ کا کام یہ تھا کہ اوّل لوگوں تک خدا کی ہدایت اور دین حق کی دعوت پہنچائیں جو لوگ آپ کی اس دعوت کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے جائیں ان کے ذریعہ ایک امت مسلمہ کی تشکیل ہو، یہ امت مسلمہ زمین پر اللہ کی حجت وبرہان قرار پائے.... اس کے جملہ انفرادی اور اجتماعی نظامات اسلام کی بنیادوں پر قائم ہوں۔ اس کے تمدن کی اساس قرآن و سنت پر ہو۔ یہ امت دنیا میں عدل و انصاف کی علمبردار ہو اور زبان حال اور زبانِ قال سے شہادت حق کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دے.... حق وباطل کا معیار وہی اصول قرار پائیں جن پر اس امت کی اساس ہو.... اقوام عالم کی فکری اور تہذیبی رہنمائی کا منصب اس امت کو حاصل ہو.... یہ امت اپنے اصولوں پر دنیا بھر کی اصلاح کے لیے کوشش کرے اور دنیا کے انسانوں تک دین حق کی دعوت کو پہنچائے، حق و باطل کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرے اور اسی طرح دنیا میں اللہ کی حجت تمام ہوجائے۔ **لیھک من ھلک عن بینتہ ویحیی من حی عن بینتہ۔**

جو ہلاکت میں پڑنا چاہے وہ (سوچ سمجھ کر) دلیل کے ذریعے ہلاک ہو اور جو (ہدایت کے مطابق) زندہ رہنا چاہے وہ بھی (علی وجہ البصیرت) دلیل کے مطابق زندہ رہے۔ یہ تھا وہ عظیم الشان مقصد اور مشن جس کے حصول کے لیے حضور ﷺ نے تئیس سال جاں گسل جدوجہد کی، دنیا بھر کی باطل قوتوں سے پنجہ آزمائی کی اور ہر طرح کی تکالیف کو برداشت کیا۔ فاقے جھیلے تو اسی لیے، تلوار اٹھائی تو اسی مقصد سے، سیاسی گفت و شنید کی تو اسی غرض سے، گھر بار چھوڑا تو اسی مقصد کے پیش نظر۔

اس مہم میں حضور ﷺ نے اپنے مخالفین سے کس طرح مقابلہ کیا، کس حکمت عملی سے یہ عظیم کام سرانجام دیا اور کس کامیابی سے مختلف سیاسی تدبیریں استعمال فرمائیں یہ نہ صرف سیرت نبوی ﷺ کا ایک بہت دلچسپ حصہ ہے بلکہ اس میں آج کے مدبرین اور سیاست کاروں کے لیے بھی رہنمائی موجود ہے۔

چونکہ حضور ﷺ رحمتہ للعالمین اور محسن انسانیت بلکہ محسن اعداء بھی تھے۔ آپ ﷺ کی پالیسی کا بنیادی جزو یہ تھا کہ مخالفین کو نیست و نابود کرنے کے بجائے ان کو سیاسی اعتبار سے بے اثر اور فوجی اعتبار سے بے دست وپا کر دیا جائے۔ ان کے سیاسی زور اور عسکری قوت کو صرف اس حد تک توڑ دینے پر اکتفا کیا جائے کہ وہ نظام اسلام اور حکومت اسلام کے لیے کسی درجہ میں بھی خطرہ نہ بن سکیں تاکہ دین حق کو ایسی حیثیت حاصل ہوجائے کہ ادیان باطلہ نہ تو اس کو شکست دے سکیں نہ اپنے سامنے جھکا سکیں۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ دشمنانِ اسلام اور اسلامی حکومت کا رعب اور دبدبہ قائم کر دیا جائے۔ خود قرآن مجید میں بھی کفار پر رعب اور دبدبہ کے قیام کو اسلامی حکومت کی عسکری پالیسی کا مقصد بتایا گیا۔ سورہ انفال کی آیت ہے:

ترجمہ: ”اور ان لوگوں کے مقابلہ کے لیے جس قدر قوت اور فوجی ساز و سامان (گھوڑے وغیرہ) تم سے ممکن ہوسکے تیار کر رکھو، تاکہ تم اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں کے اور ایسے دوسرے بہت سے لوگوں کو جن کو تم نہیں جانتے اور جن کو اللہ خوب جانتا ہے ڈرا کر

رکھ سکو۔" [سورۂ انفال: 60]

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار پر خصوصی رعب اور دبدبہ عطا فرمایا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نصرت بسالرعب میسرۃ شھر یعنی ایک ماہ کی مسافت ہی سے دشمن کے دل میں میرا رعب بیٹھ جاتا ہے اور یہ صرف میرے لیے خصوصی نصرت الٰہی ہے۔

اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار اور مخالفین اسلام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ ایک فاتح کے بجائے ایک داعی کا تھا۔ تمام جنگوں اور مدبرانہ اقدامات میں ایک جنگجو کمانڈر کے بجائے ایک معلم کی رحم دلانہ شان پائی جاتی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داعیانہ رحم دلی اور معلمانہ شفقت ہی تھی کہ ابو جہل جیسے اعدائے اسلام کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک قبول اسلام کی دعا کرتے رہے۔ دوسری طرف اس داعیانہ شان کے اثر و ثمرات بھی دیکھیے کہ دشمنان اسلام کی صف اول سے ایک شخص نکلا اور اسلامی کیمپ میں آکر فاروق اعظمؓ کے جلیل القدر مرتبہ پر فائز ہو گیا۔

دشمن کو سیاسی طور پر بے اثر کر دینے کی یہ پالیسی خاص طور پر مدنی زندگی میں جگہ جگہ اور قدم قدم پر کارفرما نظر آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر بھی عملی خطوط مرتب کیے وہ سب اسی پالیسی کے ماتحت تھے۔ مدینہ میں دفاعی قوت کی تنظیم و تشکیل اسی بنیاد پر ہوئی۔ مکہ والوں کی تجارتی اور معاشی ناکہ بندی کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان لوگوں کے زور کو اس حد تک ختم کر دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو کڑی نگاہ سے نہ دیکھ سکیں، مختلف قبائل عرب سے جنگ نہ کرنے کے باہمی معاہدے کیے گئے۔ فتح مکہ کے بعد طائف کا محاصرہ بھی اسی غرض سے اٹھا لیا گیا کہ اب یہ لوگ بہر حال نہ تو اس قدر زور آور ہو سکتے ہیں کہ اسلام کے لیے کوئی بڑا خطرہ پیدا کر سکیں، اور نہ اسلام کی ہمہ گیریت سے زیادہ دیر الگ رہ سکتے ہیں۔ اس طرح غزوہ تبوک کے موقع پر جب قیصر روم نے از خود حملہ نہ کیا اور واپس ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیش قدمی سے احتراز کیا اور تبوک کے آس پاس بسنے والے قبائل سے مختلف معاہدے کر کے واپس چلے آئے۔ فتح مکے کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس کی ممانعت فرمائی کہ مسلمان فوجیں ازخود کسی پر ہتھیار نہ اٹھائیں اور حتی الامکان اس امر کی کوشش کریں کہ پرامن طور پر مکہ میں داخل ہو جائیں۔ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی احکامات کا یہ عالم تھا کہ جب اسلامی لشکر کے ایک ذمہ دار افسر نے یہ نعرہ لگایا "آج معرکہ کا دن ہے اور آج کعبہ کی حرمت کو حلال کیا جائے گا" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ان کے ہاتھ سے کمان اور جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کے سپرد کر دیا۔

ہجرت کے بعد مدینہ تشریف آوری کے دو سال کے اندر اندر حضور علیہ السلام نے مدینے کے آس پاس قیام پذیر قبائل سے بہت سے سیاسی معاہدے کیے۔ کچھ قبائل سے باقاعدہ دفاعی معاہدے بھی عمل میں آئے جن میں طے پایا کہ مسلمان اور وہ قبائل بیرونی حملوں کی صورت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ بعض قبائل کے ساتھ صرف اتنی بات پر سمجھوتہ ہوا کہ وہ اعدائے اسلام کے ساتھ کسی نوعیت کا تعلق نہ رکھیں گے، کچھ قبائل سے یہ بھی طے پایا کہ اگر مسلمانوں پر کسی طرف سے حملہ ہوا تو وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ بعد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک مستقل پالیسی رہی کہ حلیفانہ تعلقات کو زیادہ سے زیادہ توسیع دی جائے۔ چنانچہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب قیصر روم واپس

ہوگیا اور مسلح معرکہ آرائی کی نوبت نہ آئی تو آپ ﷺ نے تقریباً ایک ماہ اس علاقہ میں قیام فرمایا اور متعدد مقامی قبائل سے مختلف قسم کے معاہدے کیے۔

حلیفانہ تعلقات کی اس توسیع اور مختلف قبائل عرب سے کیے جانے والے ان معاہدوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف مدینہ کی اسلامی ریاست کو سارے عرب میں ایک مرکزیت حاصل ہوگئی بلکہ وہ عرب کی سیاست کا مرکز ثقل بن گئی اور کسی مخالف قوت کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھ کر آسانی سے ہضم کرلے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سال کے نہایت قلیل عرصہ میں آپ ﷺ نے اپنا عظیم الشان مشن نہایت کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ حضور ﷺ کا برپا کردہ انقلاب تاریخ انسانی کا نہ صرف کامیاب ترین اور مکمل ترین انقلاب ہے بلکہ یہ تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ پُرامن انقلاب بھی ہے۔ ایک طرف اس انقلاب کی جامعیت اور ہمہ گیری کو دیکھیے، دوسری طرف ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کو پیش نظر رکھیں جن کا حضور ﷺ کو سامنا کرنا پڑا، پھر تئیس برس کی قلیل مدت! ان باتوں کے علاوہ کم سے کم انسانی خون کی قربانی! اس کو صرف معجزہ نبوی ﷺ ہی کہا جاسکتا ہے۔

فرانس کے نام نہاد، ناقص اور ہڑبونگ سے بھرپور انقلاب کو دیکھیے، کتنے بے گناہ انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں، کتنوں کی جائدادیں لٹیں اور برس ہا برس افراتفری کی نذر ہوگئے اور نسل آدم کو بحیثیت مجموعی حاصل کیا ہو....؟ یہی بلکہ اس سے بھی بدتر حال موجودہ صدی کے اشتراکی انقلاب کا ہے۔

دوسری طرف محمدی انقلاب کا جائزہ لیجیے، جس نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر پہلو کو بدل دیا، خیر و شر کے معیار بدل دیے، تہذیب و تمدن کی اقدار بدل ڈالیں، معاشرت و معیشت کے نئے نظام قائم کردیے اور وہ سب کچھ کردیا جو ایک ہمہ گیر اور مکمل انقلاب کے لیے ضروری ہے۔

مکہ میں حضور ﷺ نے تیرہ سال تک سخت جاں گسل حالات میں اسلام کی تبلیغ کی، جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو مسلمانوں کی کل تعداد تقریباً ساڑھے چھ سو تھی۔ مدینہ میں تقریباً دو سو، مکہ میں چار سو تیس پینتیس کے لگ بھگ اور حبشہ میں کچھ اوپر سو مسلمان تھے۔ ہجرت کے بعد پہلی عید کے موقع پر 2ھ میں دنیا بھر میں کل مسلمان زیادہ سے زیادہ دو ہزار بنتے ہیں۔ یہ تھی وہ انفرادی قوت جس کو ساتھ لے کر حضور ﷺ نے کام شروع کیا۔ قیام مدینہ کے دوران حضور ﷺ نے کل سترہ غزوات میں حصہ لیا، تینتیس سرایا بھیجے، تقریباً اٹھاسی گشتی دستے وقتاً فوقتاً ارسال فرمائے، دو سو نو وفود کو باریاب فرمایا، مختلف قبائل عرب سے معاہدے کیے (جن کی تعداد شاید پچیس سے تیس بنتی ہے) سو کے قریب تبلیغی و سیاسی سفراء بھیجے۔ بے شمار تبلیغی و سیاسی خطوط لکھے جن میں تقریباً چار سو خطوط کے متن تو اب تک دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً تین سو قبائلی سرداروں سے بیعت لی۔

ان سب سیاسی و عسکری اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب آپ ﷺ حجتہ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ فرزندان اسلام ہمرکاب تھے۔ وفات طیبہ جب ہوئی تو ساڑھے نو لاکھ مربع میل رقبہ پر اسلامی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا اور قریب قریب دس لاکھ افراد اسلام قبول کرچکے تھے۔ لیکن اس پوری مہم میں کتنی انسانی جانوں کی قربانی دی گئی۔ یہ

بات بڑی حیرت اور نہایت دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اس ساری مہم میں صرف چودہ سو افراد کا خون بہا۔ سارے غزوات اور جنگوں میں چار سو سے کچھ کم ہی صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا اور نو سو سے کچھ زائد کافر مارے گئے۔

یوں تو ہمارا ایمان و ایقان ہے کہ یہ عظیم الشان کامیابی صرف اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ اگر اس کی نصرت اور اس کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ ہو سکتی تھی، لیکن یہ کام اس نے بہر حال رسول اللہ ﷺ سے لیا اور آپ کو ساری صفات، صلاحیتیں اور خوبیاں عطا فرمائیں جن سے حضور ﷺ نے اس مہم میں کام لیا۔

اس ضمن میں سب سے پہلی چیز حضور ﷺ کا وہ برتر اخلاق اور وہ زبردست اخلاقی رعب ہے جو مخالفین کو جھکنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ یہ ایک سیاسی مدبر کے تدبر کی کامیابی کا انتہائی کمال ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے دلوں کو اپنے حسن سے مسخر کرلے۔ حضور ﷺ کی زندگی میں بارہا ایسے وماقع پیش آئے جب آپ ﷺ کے مخالفین نے آپ ﷺ کے اخلاقی رعب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

قیام مکہ میں جس زمانہ میں کفار کی طرف سے ظلم و تشدد اپنی انتہا پر تھا انہی دنوں ایک روز رسول اللہ ﷺ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، قریب ہی کفار کی ایک ٹولی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ نشانہ تمسخر ایک ایسا شخص تھا جس کی کچھ رقم ابو جہل کے ذمہ واجب الادا تھی۔ کسی شخص نے یونہی بر سبیل تمسخر قرض خواہ سے کہہ دیا کہ تمہارا قرض یہ صاحب دلا دیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ذرہ برابر تامل نہ فرمایا اور اس شخص کو لے کر ابو جہل کے گھر کی طرف چلے۔ یہ ساری ٹولی بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے پیچھے پیچھے ہولی۔ حضور ﷺ ابو جہل کے گھر پہنچے اور آواز دی۔ ابو جہل باہر نکلا اور آپ ﷺ کو موجود پا کر حیران رہ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کا قرض ادا کر دو۔ ابو جہل اس قدر مبہوت اور مرعوب ہوا کہ ذرا تامل نہ کر سکا اور فوراً اس شخص کا قرض ادا کر دیا۔

کفار پر حضور ﷺ کے اخلاقی رعب کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ جب وہ اجتماعی طور پر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے، اس وقت بھی ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس اسی گھر میں موجود تھیں جس کا وہ محاصرہ کیے کھڑے تھے۔ ناممکن تھا کہ وہ کفار جو دل سے حضور حضور ﷺ کی دیانت و امانت کے قائل اور اپنے عمل سے اس کے گواہ تھے، سیاسی طور پر حضور ﷺ کے سامنے ٹھہر سکتے اور آپ کے مقابلہ میں کسی قسم کی کامیابی حاصل کر سکتے۔

دوسری بڑی صفت جو ایک قائد یا مدبر میں ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ جس رویہ اور جس قربانی کا دوسروں سے مطالبہ کرتا ہو خود اس پر اوروں سے بڑھ کر عمل کرتا ہو۔ ایسا قائد جو خود اپنے کیے پر عمل نہ کرتا ہو ناممکن ہے کہ وہ زیادہ عرصہ تک اپنے پیروکاروں کو اپنی قیادت میں متحد رکھ سکے یا اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس ضمن میں اگر دنیا کے کسی انسان کو ایک مکمل مثال یا نمونہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ اگر اپنے پیرووں کو پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں تو خود چھ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں، جس قربانی کا آپ عام مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں خود اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش

کرتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر ہو یا خندق کی کھدائی، اللہ کا رسول ہر موقع پر عام مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ ایک موقع پر جب ایک صحابی بھوک کی شدت کی شکایت حضور ﷺ سے کرتے ہیں اور قمیص کا دامن اٹھا کر دکھاتے ہیں کہ ایک پتھر پیٹ پر باندھ رکھا ہے، تو جواب میں اللہ کے رسول ﷺ مسکرا کر اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر دکھاتے ہیں اور لوگ دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایک کے بجائے دو پتھر پیٹ پر باندھے ہوئے ہیں۔

سن 8ھ میں فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں نے ثقیف والوں کے خلاف فوجی کارروائی کی اور ان کے چھ ہزار قیدیوں کو مسلمانوں میں حسب دستور تقسیم کر دیا گیا تو ان کے اہل قبیلہ کے ایک وفد نے آکر حضور ﷺ سے رہائی کی درخواست کی۔ عربوں کے لیے یہ ایک بڑی انوکھی بات تھی کہ دشمن کے قیدی بغیر کسی فدیہ کے رہا کر دیے جائیں۔ ممکن تھا کچھ لوگ تامل کرتے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو بنی ہاشم کے حصہ کے قیدیوں پر اختیار ہے وہ تو میں رہا کرتا ہوں اور دوسروں کے لیے سفارش کرتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ سب مسلمانوں نے اپنے اپنے حصہ کے قیدی رہا کر دیے۔

تیسری بڑی صفت جو کسی قائد میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس کو نہ صرف اپنی مہم کی کامیابی اور حقانیت کا کامل یقین ہو بلکہ اس کی چشم بصیرت بھی اس قدر تیز اور دور رس ہونی چاہیے جو اس کو اس کی چشم بصارت سے ان تمام مراحل وادوار کا مشاہدہ کرادے جو اس کی تحریک کو مختلف زمانوں میں پیش آنے والے ہیں۔ جب تک کسی قائد کو یہ چیز میسر نہ ہو وہ اپنی تحریک کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ دنیا کے عام سیاسی قائدین بھی اپنے سیاسی مطمح نظر اور منزل مقصود کے مختلف مدارج و مراحل کا کسی نہ کسی حد تک شعور رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو اللہ کے سچے نبی تھے، آپ تو اللہ رب العزت کے حکم سے اپنے مشن کو لے کر کھڑے ہوئے تھے۔

مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں جب جاں نثاروں کی تعداد چند نفوس سے زائد نہ تھی اور ظلم و تشدد کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو انسانوں کے دماغ میں آسکتی ہو اور عمل میں نہ آئی ہو، بظاہر سارے اسباب ختم ہو چکے تھے، اور کوئی صورت تحریک کو آگے بڑھانے کی ممکن نظر نہ آتی تھی اس وقت بھی حضور ﷺ بچشم سر ان تمام مدارج و مراحل اور ان تمام کامیابیوں کا مشاہدہ فرما رہے تھے جہاں تک تحریک کو ایک نہ ایک دن پہنچنا تھا۔

مکہ کے ابتدائی دور میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ ہوا کہ کعبہ میں نماز ادا فرمائیں، آپ ﷺ نے کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ سے کعبہ کا دروازہ کھولنے کی فرمائش کی، عثمان نے نہایت سختی و ترش روئی سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب یہ کنجی ہمارے ہاتھ میں ہوگی اور ہم جسے چاہیں گے دیں گے۔ اور فی الواقع فتح مکہ پر یہ کنجی حضور ﷺ کے تصرف میں آئی اور قربان جایئے رحمتہ للعالمین کی شان عفو رحمت کے کہ آپ ﷺ نے کنجی قیامت تک کے لیے انہی عثمان بن طلحہ اور ان کی اولاد کو مرحمت فرمائی اور آج تک اسی خاندان کے ہاتھ میں ہے۔

ایک دوسرے موقع پر جب بعض مسلمانوں نے کفار کے ظلم و تشدد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس مہم کو کامیاب فرمائے گا اور ایک نظام عدل و رحمت اور نظام امن و عافیت قائم ہو جائے گا کہ ایک سوار صنعاء سے

موت تک سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ سفر ہجرت میں جب عرب کا مشہور کھوجی سراقہ بن جشم حضور کا پیچھا کرنے نکلتا ہے اور کئی مرتبہ ٹھوکر کھانے کے بعد معافی مانگ لیتا ہے تو حضور ﷺ اس کو امان عطا فرماتے ہوئے کہتے ہیں سراقہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

اور یہ بات تو آپ ﷺ نے مشرکین سے دوران تبلیغ کئی مرتبہ کہی کہ اگر تم میرے اس پیغام کو قبول کرلو تو اس کے ذریعے تم کو سارے عرب پر بادشاہت حاصل ہوجائے گی اور دنیا بھر کی قیادت تم کو مل جائے گی۔

ایک مدبر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو نہ صرف اپنی ذات پر بلکہ اپنے پیروؤں پر بھی مکمل اعتماد ہو، اسی طرح پیروؤں کو بھی اپنے قائد پر کامل اعتماد اور اس کی دیانت اور بصیرت پر پورا وثوق و اعتماد ہو۔ اپنی ذات اور اپنے مشن پر کامل وثوق و اعتماد کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ جب کفار مکہ نے وفد بنا کر آپ کے چچا ابو طالب سے درخواست کی کہ آپ اپنے بھتیجے کی اعانت و حمایت سے دست کش ہوجائیں، اور ابو طالب نے بھی حضور ﷺ کی طرف کچھ اس انداز سے دیکھا کہ بھتیجے مشکلات کا احساس کرو۔ تو آپ ﷺ نے وہ مشہور تاریخی جواب دیا تھا کہ چچا اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی لاکر رکھ دیں تو بھی اس کام سے رکنے والا نہیں، یہاں تک کہ یا تو اللہ اس کام کو غالب کردے یا میں اس میں اپنی جان کھپادوں۔

قائد کی طرف سے اپنے پیروؤں پر اعتماد کی مثال کے طور پر وہ بے شمار احادیث کافی ہیں جن میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی اجتماعی اور انفرادی طور پر تعریف و تحسین فرمائی ہے۔ صحابہ کے بعد اپنی امت پر آپ ﷺ نے فخر کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ ایسے لوگ رہیں گے جو اس کام کو لے کر آگے بڑھتے رہیں گے۔

رہا قائد پر پیروؤں کا اعتماد تو یہ ظاہر و باہر اور بدیہی حقیقت ہے۔ صحابہ کو حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت اور تدبر پر کس قدر اعتماد تھا، یہ ہم کو حدیبیہ کے موقع پر صاف نظر آتا ہے۔ کسی شخص کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ صلح کی جو شرائط طے پارہی ہیں ان میں اہل اسلام کے لیے کیا مصلحت ہے، شرائط بظاہر مایوس کن اور توہین آمیز ہیں، لیکن صرف قائد پر اعتماد ہے جسکی وجہ سے سب نے سر تسلیم خم کردیا ہے اور پھر ظاہر بات ہے کہ اگر مسلمانوں کی خدانخواستہ رسول کریم ﷺ کی اخلاقی برتری اور اعلیٰ سیاسی بصیرت پر پورا پورا اور غیر متزلزل اعتماد نہ ہو تو پھر جیسا کچھ ایمان باقی رہ سکتا ہے واضح ہے لیکن اس کے باوجود خود رسول اللہ ﷺ بھی اس امر کا التزام فرماتے تھے کہ "موقع ظن" سے خود بھی احتراز فرمائیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی اس بات کا موقع فراہم نہیں ہونے دیا جس سے کسی کمزور ایمان والے شخص کو ذرا سی بدگمانی کا خدشہ ہوسکے۔ ایک مرتبہ رات گئے حضور ﷺ کہیں سے واپس آرہے تھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، جس گلی سے آپ گزر رہے تھے اس کے اوپر والی دوسری گلی سے ایک انصاری صحابی گزرے وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ذرا ٹھٹکے اور پھر چل دیے۔ آپ ﷺ نے فوراً ان کو آواز دی اور ٹھہر کر فرمایا **انماھی صفیتہ بنت حیی** کہ میرے ہمراہ یہ صفیہ بنت حیی ہیں (کوئی غیر خاتون نہیں ہیں) ان صحابہ نے گڑگڑا کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں تو یونہی ٹھٹک گیا تھا۔ خدانخواستہ میرے

ذہن میں کوئی خیال نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا فان الشیطن یجری من الانسان مجری الدم (نہیں شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح گردش کرتا ہے) اور کوئی بھی وسوسہ یا بدگمانی پیدا کر سکتا ہے۔

ایک سیاسی قائد اگر اس کا کوئی نظریہ اور اصول ہے تو اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ مضبوطی سے ان اصولوں پر قائم رہے اور وقتی مصالح کے پیش نظر اصولوں سے منہ نہ موڑے۔ ورنہ اس کی کامیابی اول تو ممکن نہیں اور بالفرض عارضی طور پر اس کو کامیابی حاصل بھی ہو جائے تو وہ اس کے اصول اور نظریہ کی کامیابی نہ ہوگی، اس کی ذات کی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ دیرپا اور دوررس کامیابی وہی ہوتی ہے جو کسی اصول اور نظریہ کی بنیاد پر ہو۔

مکہ میں ظلم و تشدد کے دور میں جب حضور ﷺ مختلف قبائل عرب کے سامنے اسلام کو پیش فرما رہے تھے، اس موقع پر ایک قبائلی سردار سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی جس نے آپ کی دعوت کو سن کر قبول اسلام اور آپ ﷺ کی نصرت و حمایت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن شرط یہ رکھی کہ آپ کے بعد جانشینی اور اختیار اس کو یا اس کے اہل قبیلہ کو حاصل ہو۔ ظاہر ہے یہ بات آئندہ آنے والے اسلامی احکام اور روح دین سے صراحتاً متصادم تھی اور منشائے الٰہی بھی یہ نہ تھا کہ نبی کی جانشینی کا مسئلہ خود نبی طے کر دے، اس لیے آپ ﷺ نے مذکورہ شخص کی اس پیش کش کو رد فرماتے ہوئے کہا کہ یہ معاملہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے وہ جس کو چاہے گا حکومت و اختیار سے سرفراز فرما دے گا۔

بعد کے زمانہ کی بات ہے بنی مخزوم کی ایک معزز عورت فاطمہ بنت اسد نے چوری کی۔ مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا۔ لوگوں کو خدشہ ہوا کہ اب اس کے قطع ید کا حکم صادر ہوگا۔ عورت کے اہل قبیلہ نے طے کیا کہ اس معاملہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ سے سفارش کرائی جائے جو حضور ﷺ کو نہایت ہی عزیز تھے جن کو حضور ﷺ نے بچپن میں بالکل اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا تھا۔ جب یہ بچے تھے تو حضور ﷺ خود ہی محبت سے ان کا ہاتھ منہ دھویا اور ناک صاف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتا تو ہم اس کو اچھے اچھے کپڑے پہناتے، ہم اس کو عمدہ عمدہ زیور پہناتے۔ حضرت اسامہ نے فاطمہ بنت اسد کی سفارش کی کہ اس کو قطع ید کی سزا سے معاف رکھا جائے۔ اسامہ کی بات سن کر چہرہ اقدس غضب و جلال سے سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے گرجدار آواز میں فرمایا کہ اے اسامہ تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو! خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے سے باز نہ رہتا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان کا بڑا جب کوئی غلطی کرتا تھا تو نظر انداز کر دیا جاتا تھا اور اگر کسی چھوٹے سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی تو فوراً دھر لیا جاتا تھا۔

ایک کامیاب سیاسی قائد اور مدبر کے لیے بڑا خطیب اور مقرر ہونا بھی ہر زمانہ ہی میں ضروری سمجھا جاتا رہا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی کامیاب سیاسی قائد گزرے ہیں وہ تقریباً سبھی قادر البیان خطیب تھے۔ یوں تو اللہ نے اپنے ہر نبی کو قوت بیان اور طلاقت لسان عطا فرمائی ہے لیکن خاتم الرسل آخر الانبیاءؑ پر اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بھی تمام کر دی تھی۔ خود آپ ﷺ نے فرمایا انا افصح العرب کہ میں عرب میں فصیح ترین شخص ہوں۔ عرب میں زبان و بیان کے اعتبار سے دو قبیلے زیادہ نمایاں تھے۔ قریش اور ہوازن، قریش کے تو

آپ تھے ہی اور ہوازن میں آپ ﷺ نے نہ صرف اپنا بچپن گزارا تھا بلکہ اس سے آپ ﷺ کا رضاعی تعلق بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کہ بار ہا فی البدیہہ خطبے دینے کا اتفاق ہوا لیکن جو خطبہ دیا وہ عربی زبان کے ادبیات عالیہ کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

عموماً مسجد میں خطبہ دیتے وقت دست مبارک میں عصا اور میدان جنگ وغیرہ میں خطبہ دیتے وقت کمان ہوتی تھی۔ عموماً کسی بلند جگہ مثلاً منبر، سواری یا کسی پہاڑی وغیرہ سے خطاب فرماتے تھے، خطبے عموماً مختصر اور جامع ہوتے تھے۔ جو بات بیان فرماتے نہایت توجہ فرماتے تھے۔ خطبہ کے نقطہ عروج کے وقت آواز بلند ہوجاتی تھی، چہرہ مبارک غضب آلود معلوم ہوتا تھا۔ سننے والے محسوس کرتے کہ گویا آپ ﷺ کسی فوج کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں۔

فن خطابت اور وجوہ بلاغت کے نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو خطبات نبوی ﷺ فن خطابت کا معیار ٹھہرتے ہیں، ایک ایک خطبہ کے معانی و وجوہ بلاغت پر ایک ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کے ہر خطبہ نے ٹھیک وہی اثر سننے والوں پر مرتب کیا ہے جو حضور ﷺ مرتب کرنا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ کے سیاسی نوعیت کے خطبوں میں فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا خطبہ، غزوہ حنین کے موقع پر وہ خطبہ جس میں آپ ﷺ نے انصار سے خطاب فرمایا تھا۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع کا وہ خطبہ جس میں مہاجرین و انصار کو باہمی اختلاف پر تنبیہہ فرمائی تھی سیاسی تقریروں کی بہترین مثالیں ہیں۔ دینی اور مذہبی نوعیت کے خطبات کی اثر آفرینی کا تو کیا ہی کہنا ہے۔

ایک صحابی ایسے ہی ایک خطبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ایک نہایت فصیح و بلیغ اور موثر تقریر فرمائی جس کو سن کر سامعین کے دل کانپ اٹھے اور آنکھوں سے اشکوں کے سیل رواں جاری ہوگئے، ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اپنی تقریر میں عذاب قبر اور امتحان قبر کا کچھ اس انداز سے ذکر فرمایا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے خطبات میں اہم ترین اور مشہور ترین حجتہ الوداع، تبوک، فتح مکہ وغیرہ کے مواقع پر دیے جانے والے خطبات ہیں۔ ان خطبات میں حضور ﷺ کی خطیبانہ شان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

خطابت کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک کامیاب مدبر کے لے ضروری ہے کہ وہ سیاسی گفت وشنید میں بھی مہارت تامہ رکھتا ہو، اپنے نقطہ نظر کی حقانیت و صداقت اور اپنے برسر حق ہونے کا نہ صرف اسے خود مکمل یقین ہو، بلکہ وہ اس کو اپنے دلائل کی قوت سے مخالف سے منوالینے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، اس کی بصیرت اس درجہ کی ہو کہ وہ بروقت یہ فیصلہ کرسکے کہ کسی موقع پر کیا بات مخالف سے منوائی جاسکتی ہے اور کیا نہیں، کیا بات کسی خاص مرحلہ میں اہمیت رکھتی ہے اور یہ کہ بنیادی اصولوں پر کسی طرح کا کوئی لین دین نہ ہو۔ سیاسی گفت وشنید میں حضور اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ بصیرت کی یوں تو ہزار ہا مثالیں موجود ہیں لیکن شاید سب سے زیادہ نمایاں مثالیں دو ہیں۔

میثاق مدینہ کے نفاذ کے بعد جب آپ ﷺ نے نہایت مختلف النوع عناصر کو محض اپنے حسن تدبر سے یکجا کر کے ایک سیاسی و حکومتی نظم کی بنیاد ڈال دی، ایک قطرہ خون زمین پر گرائے بغیر ایک نظریاتی اور انقلابی حکومت کی اساس رکھ دی، اس کی مثال انسانی تاریخ سے پیش کرنا ممکن نہیں۔

ایک طرف مسلمانوں اور خاص طور پر مہاجرین

کی بے سروسامانی کا خیال کیجیے۔ دوسری طرف یہودیوں
کی کھلی اور چھپی عداوت کو ذہن میں رکھیے۔ اس کے بعد
منافقین کی ریشہ دوانیاں نگاہ میں لائیے، پھر آخر میں
قریش مکہ کی مخالفانہ سفارتی کوششوں کو یاد کیجیے۔ ان
سب مواقع کے باوجود اتنا بڑا کارنامہ حضور ﷺ نے ا
تنی کم مدت میں انجام دیا۔ اس قدر مختلف اور متضاد
عناصر کو ایک لڑی میں پرو دیا اور لطف یہ کہ اختیار برتر
اور اقتدار فائق اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کے قانون
کے قبضہ میں رہا۔ یہ سب حضور ﷺ کی سیاسی
بصیرت اور سفارتی تدبر کا کمال نہیں تو اور کیا ہے۔ ابھی
ماضی قریب میں بعض نظریاتی اور انقلابی حکومتیں دنیا
کے مختلف حصوں میں قائم ہوئی ہیں۔ ان کے قائم
کرنے والوں کو کیا کیا جتن کرنے پڑے ہیں اور کتنے پاپڑ
انہوں نے بیلے ہیں اور نسل انسانی کا لہو پانی کی طرح بلکہ
اس سے بھی کہیں ارزاں سمجھ کر جو بہایا ہے وہ کوئی
ڈھکی چھپی بات نہیں، اور جو کچھ خیر ان کے ہاتھوں
نسل آدم تک پہنچا اس سے بھی نسل آدم ناواقف نہیں۔

سیاسی گفت و شنید کی دوسری نمایاں مثال صلح
حدیبیہ ہے جس میں حضور ﷺ نے محض اپنے تدبر
سے خود مخالفین کے کیمپ سے ان شرائط کا مطالبہ کرالیا
جو اپنے فوری اور دور رس ہر دو قسم کے نتائج کے اعتبار
سے سو فیصد اسلام اور مسلمان کے حق میں تھیں، جبکہ
مشرکین مکہ اور خود مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ
ساری شرائط مسلمانوں کے لیے نہایت توہین آمیز ہیں
لیکن معاہدے کی تکمیل کو چند لمحے بھی نہ گزرے تھے
کہ اللہ رب العزت کی طرف سے سورۂ فتح کی صورت
میں اس عظیم الشان کارنامہ پر رسول اللہ ﷺ کو
پیغام تہنیت بھیجا گیا جس میں اس معاہدہ کو فتح اور نصر
عزیز کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ چند مہینے بھی نہیں
گزرے تھے کہ یہ فتح مبین کھل کر سامنے آگئی اور
محمدی بصیرت پر ازلی و ابدی مہر تصدیق ثبت کر گئی۔

آخری چیز جو رسول اللہ ﷺ کو دوسرے تمام
مدبرین کے مقابلہ میں امتیاز اور ان پر فوقیت بخشتی ہے
وہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا قائد اور مدبر بھی
کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ اپنی زندگی میں یا
اپنے بعد ہی ایسے لوگ پیدا کر سکتا جو اس کے پیغام، اس
کی فکر، اس کے فلسفہ، اس کے قائم کردہ نظام اور اس
کے پیش کردہ طریق زندگی کی روح سے واقف ہوں۔
اسی انداز سے اس کی اٹھائی ہوئی تحریک کو لے کر آگے
چل سکیں اور اس کی جانشینی کے جملہ تقاضے پورے
کر سکیں۔ اس معاملہ میں اگر کسی کو بہت زیادہ کامیابی
حاصل ہوئی ہے تو صرف اس قدر کہ اس کے مرنے
کے بعد دو ایک آدمی ایسے کھڑے ہو گئے جنہوں نے
جزوی طور پر اس کے شروع کیے ہوئے مشن کی کچھ
خدمت کی اور پھر وہی قحط الرجال اور بے مردمی کا
عالم۔ مہاتما بدھ، کنفیوشش اور حضرت عیسیٰؑ مسیح سے
لے کر موجودہ زمانے کے قائدین تک میں کون ہے
جس نے اپنے جیسے جانشینوں کی ایک جماعت چھوڑی ہو
جس نے اپنے قائد کے مشن کو کماحقہٗ آگے بڑھایا ہو اور
انہی خطوط پر تحریک کی رہنمائی کی ہو جو قائد تحریک
کے پیش نظر تھے۔

دوسری طرف محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھیے اور
آپ کے پاکباز ساتھیوں پر نظر ڈالیے۔ محمد رسول
اللہ ﷺ نے تئیس سال کے عرصہ میں کیسے کیسے
ساتھی تیار کیے تھے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کے عزم و
استقلال، حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف حضرت عثمانؓ
کی حیاء اور حضرت علیؓ کی قضاء سے معلوم ہو گا۔ محمد

بقیہ: صفحہ 50 پر ملاحظہ کیجیے

فرماتے ہیں:

جس قوم کا ایمان کائنات کا اخلاص نہیں
وہ قوم نہ تو کائناتی قدروں کا مشاہدہ کرسکتی
ہے اور نہ ہی اس کی فہم کائناتی علوم تک
پہنچ سکتی ہے۔ اس وضع کی قوم
ہزاروں سال کی عمر پانے کے باوجود
پالنے کا بچہ ہی رہے گی۔

حضورِ پاک ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیلؑ کو پکارتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تُو بھی ان سے محبت رکھ۔ یہ سن کر جبرائیلؑ سارے آسمان والوں اور فرشتوں میں یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو.... اب سارے آسمان والے فرشتے بھی اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں بھی (بندگانِ خدا) کا محبوب ہو جاتا ہے۔

(مسلم شریف)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشادِ پاک ہے:
''پہلوان وہ نہیں جو کشتی
میں غالب ہو۔
پہلوان وہ ہے جو غصہ میں
اپنے مزاج پر قابو رکھے''۔
(بخاری شریف)
مراقبہ ہال ملتان
نگراں: کنور محمد طارق عظیمی
947/A، ممتاز آباد سی جی چوک ملتان
پوسٹ کوڈ 60600
فون نمبر: 061-6525331

ملک کے معروف صحافی اور کالم نگار
جاوید چودھری کے کالم سے اقتباسات

والدہ نے سات دن دودھ پلایا، آٹھویں دن دشمن اسلام ابو لہب کی کنیز ثوبیہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا، ثوبیہ نے دودھ بھی پلایا اور دیکھ بھال بھی کی، یہ چند دن کی دیکھ بھال تھی، یہ چند دن کا دودھ تھا لیکن ہمارے رسولؐ نے اس احسان کو پوری زندگی یاد رکھا، مکہ کا دور تھا تو ثوبیہ کو میری ماں میری ماں کہہ کر پکارتے تھے، ان سے حسن سلوک بھی فرماتے تھے، ان کی مالی معاونت بھی کرتے تھے، مدنی دور آیا تو مدینہ سے ابو لہب کی کنیز ثوبیہ کے لیے کپڑے اور رقم بھجواتے تھے، یہ ہے شریعت۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضاعی ماں تھیں، یہ ملاقات کے لیے آئیں، دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور میری ماں، میری ماں پکارتے ہوئے ان کی طرف دوڑ پڑے، وہ قریب آئیں تو اپنے سر سے وہ چادر اتار کر زمین پر بچھا دی جسے ہم کائنات کی قیمتی ترین متاع سمجھتے ہیں، اپنی رضاعی ماں کو اس پر بٹھایا، غور سے ان کی بات سنی اور ان کی تمام حاجتیں پوری فرمادیں، یہ بھی ذہن میں رہے، حضرت حلیمہ سعدیہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ اپنے پرانے مذہب پر قائم رہی تھیں، فتح مکہ کے وقت حضرت حلیمہ کی بہن خدمت میں حاضر ہوئی، ماں کے بارے میں پوچھا، بتایا گیا، وہ انتقال فرما چکی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، روتے جاتے تھے اور حضرت حلیمہ کو یاد کرتے جاتے تھے، رضاعی خالہ کو لباس، سواری اور ایک سو درہم عنایت کیے، رضاعی بہن شیما غزوہ حنین کے قیدیوں میں شریک تھی، پتہ چلا تو انھیں بلایا، اپنی چادر بچھا کر بٹھایا، اپنے ہاں قیام کی دعوت دی، حضرت شیما نے اپنے قبیلے میں واپس جانے کی خواہش ظاہر کی، رضاعی بہن کو غلام، لونڈی اور بکریاں دے کر رخصت کر دیا، یہ بعد ازاں اسلام لے آئیں، یہ ہے شریعت۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں پڑھے لکھے کفار بھی شامل تھے، ان کافروں کو مسلمانوں کو پڑھانے، لکھانے اور سکھانے کے عوض رہا کیا گیا، حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا' آپؐ نے عبرانی زبان سیکھی اور یہ اس زبان میں یہودیوں سے خط و کتابت کرتے رہے، کافروں کا ایک شاعر تھا، سہیل بن عمرو۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں بھی کرتا تھا اور توہین آمیز شعر بھی کہتا تھا، یہ جنگ بدر میں گرفتار ہوا، سہیل بن عمرو کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا، حضرت عمرؓ نے تجویز دی، میں اس کے دو نچلے دانت نکال دیتا ہوں' یہ اس کے بعد شعر نہیں پڑھ سکے گا، تڑپ کر فرمایا" میں اگر اس کے اعضاء بگاڑوں گا تو اللہ میرے اعضاء بگاڑ

دے گا" سہیل بن عمرو نے نرمی کا دریا بہتے دیکھا تو عرض کیا" مجھے فدیہ کے بغیر رہا کر دیا جائے گا" اس سے پوچھا گیا "کیوں؟" سہیل بن عمرو نے جواب دیا "میری پانچ بیٹیاں ہیں، میرے علاوہ ان کا کوئی سہارا نہیں" رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو اسی وقت رہا کر دیا، یہاں آپ یہ بھی ذہن میں رکھئے، سہیل بن عمرو شاعر بھی تھا اور گستاخ رسول بھی لیکن رحمت اللعالمینؐ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا، یہ پانچ بچیوں کے کفیل کو قید میں رکھیں یا پھر اس کے دو دانت توڑ دیں' یہ ہے شریعت۔

غزوہ خندق کا واقعہ ملاحظہ کیجیے" عمرو بن عبدود مشرک بھی تھا، ظالم بھی اور کفار کی طرف سے مدینہ پر حملہ آور بھی۔ جنگ کے دوران عمرو بن عبدود مارا گیا، اس کی لاش تڑپ کر خندق میں گر گئی، کفار اس کی لاش نکالنا چاہتے تھے لیکن انھیں خطرہ تھا، مسلمان ان پر تیر برسا دیں گے، کفار نے اپنا سفیر بھجوایا، سفیر نے لاش نکالنے کے عوض دس ہزار دینار دینے کی پیش کش کی، رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا" یہ ہمارے لیے جائز نہیں" کفار کو عمرو بن عبدود کی لاش اٹھانے کی اجازت دے دی، خیبر کا قلعہ فتح ہوا تو یہودیوں کی عبادت گاہوں میں تورات کے نسخے پڑے تھے، تورات کے سارے نسخے اکٹھے کروائے اور نہایت ادب کے ساتھ یہ نسخے یہودیوں کو پہنچا دیے۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ سفر کر رہے تھے، کفار جنگ بدر کے لیے مکہ سے نکلے، کفار نے راستے میں حضرت حذیفہؓ کو گرفتار کر لیا، آپ سے پوچھا گیا، آپ کہاں جا رہے ہیں، حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا "مدینہ" کفار نے ان سے کہا" آپ اگر وعدہ کرو، آپ جنگ میں شریک نہیں ہو گے تو ہم آپ کو چھوڑ دیتے ہیں" حضرت حذیفہؓ نے وعدہ کر لیا، یہ اس کے بعد سیدھے مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گئے' مسلمانوں کو اس وقت مجاہدین کی ضرورت بھی تھی، جانوروں کی بھی اور ہتھیاروں کی بھی لیکن جب حضرت حذیفہؓ کے وعدے کے بارے میں علم ہوا تو مدینہ بھجوا دیا گیا اور فرمایا" ہم کافروں سے معاہدے پورے کرتے ہیں اور ان کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں" نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے عیسائی پادریوں کو نہ صرف ان کے روایتی لباس میں قبول فرمایا بلکہ انھیں مسجد نبویؐ میں بھی ٹھہرایا اور انھیں ان کے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی تھی' یہ عیسائی وفد جتنا عرصہ مدینہ میں رہا، یہ مسجد نبویؐ میں مقیم رہا اور مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرتا رہا۔

مدینہ میں تھے تو مکہ میں قحط پڑ گیا، مدینہ سے رقم جمع کی، خوراک اور کپڑے اکٹھے کیے اور یہ سامان مکہ بھجوا دیا اور ساتھ ہی اپنے اتحادی قبائل کو ہدایت کی 'مکہ کے لوگوں پر برا وقت ہے، آپ لوگ ان سے تجارت ختم نہ کریں"۔ مدینہ کے یہودی اکثر مسلمانوں سے یہ بحث چھیڑ دیتے تھے "نبی اکرم ﷺ فضیلت میں بلند ہیں یا حضرت موسیٰؑ" یہ معاملہ جب بھی دربار رسالت میں پیش ہوتا، رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے فرماتے "آپ لوگ اس بحث سے پرہیز کیا کریں"۔

ثمامہ بن اثال نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا اعلان کر رکھا تھا' یہ گرفتار ہو گیا، اسلام

قبول کرنے کی دعوت دی، اس نے انکار کر دیا، یہ تین دن قید میں رہا، اسے تین دن دعوت دی جاتی رہی، یہ مذہب بدلنے پر تیار نہ ہوا تو اسے چھوڑ دیا گیا، اس نے راستے میں غسل کیا، نیا لباس پہنا، واپس آیا اور دست مبارک پر بیعت کر لی۔

حضرت عائشہؓ نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "زندگی کا مشکل ترین دن کون سا تھا" فرمایا، وہ دن جب میں طائف گیا اور عبد یالیل نے شہر کے بچے جمع کر کے مجھ پر پتھر برسائے، میں اس دن کی سختی نہیں بھول سکتا، عبد یالیل طائف کا سردار تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ پر اتنا ظلم کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جلال میں آگئی' حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور عرض کیا، اگر اجازت دیں تو ہم اس پورے شہر کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دیں، یہ سیرت کا اس نوعیت کا واحد واقعہ تھا کہ جبرائیل امین نے گستاخیٔ رسول پر کسی بستی کو تباہ کرنے کی پیش کش کی ہو اور عبد یالیل اس ظلم کی وجہ تھا، عبد یالیل ایک بار طائف کے لوگوں کا وفد لے کر مدینہ منورہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبویؐ میں اس کا خیمہ لگایا اور عبد یالیل جتنے دن مدینہ میں رہا، رسول اللہ ﷺ ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کے پاس جاتے' اس کا حال احوال پوچھتے، اس کے ساتھ گفتگو کرتے اور اس کی دل جوئی کرتے۔

عبد اللہ بن ابی منافق اعظم تھا، یہ فوت ہوا تو اس کی تدفین کے لیے اپنا کرتہ مبارک بھی دیا، اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں" جواب دیا "غصہ نہ کرو" وہ بار بار پوچھتا رہا، آپؐ ہر بار جواب دیتے "غصہ نہ کرو" یہ ہے شریعت اور اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا "پیغمبرؐ اللہ کی بڑی رحمت ہیں، آپ لوگوں کے لیے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، آپ تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے" اور یہ ہے شریعت لیکن ہم لوگ نہ جانے کون سی شریعت تلاش کر رہے ہیں، ہم کس شریعت کا مطالبہ کر رہے ہیں، کیا کوئی صاحب علم میری رہنمائی کر سکتا ہے....؟

❁

بقیہ: نبی کریمؐ کی حکمت و تدبر

رسول اللہ ﷺ کے مشن کو ان کے بعد کیسے لوگوں نے آگے بڑھایا۔ یہ اللہ کی تلوار حضرت خالدؓ بن ولید کی شجاعت، عمرو بن العاص کی سیاست، فاتح ایران سعد بن وقاص کی عسکری قیادت سے پتہ چلے گا۔ پیغام محمد کی روح کو سمجھنے والے کیسے تھے....؟ یہ ہم کو حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ کے درس حدیث، ابو درداء اور زید بن ثابتؓ کے درس قرآن، عبد اللہ بن عباس کے درس تفسیر اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن مسعود کے درس فقہ میں معلوم ہوگا۔

❖

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لا یؤمن
واللہ لا یؤمن
واللہ لا یؤمن
الذی لا یامن جاره بوائقه

اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہوں۔ (صحیح مسلم؛ صحیح بخاری)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو بندوں کی مدد میں مصروف رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔

(صحیح مسلم؛ جامع ترمذی؛ سنن ابن ماجہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

الرّاحمون یرحمہم الرّحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(مسند احمد، مستدرک حاکم)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له

جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا، اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔ (بیہقی؛ احمد؛ ابن حبان)

ایک عالم ہے ثناخواں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں اپنی سب سے عزیز و محبوب ہستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا

ورفعنا لک ذکرک (سورۂ نشرح: آیت 4)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کیلئے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

کوئی انسان سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بھلا کیا تعریف کر سکتا ہے کہ جس کا نام ہی کائنات کے خالق نے محمد (وہ جس کی بہت تعریف کی جائے) رکھا ہو؟ لفظ "محمد" کے معنی خوبیوں کا مجموعہ کے ہیں....

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر و تعریف اور درجات کی بلندی کا کچھ ایسا اہتمام کیا کہ ایک طرف تکمیل ایمان اور عبادت کی شرط میں اُسے بطور لازمی جزو شامل کر دیا اور دوسری طرف اسلامی شعائر میں کوئی ایسا عمل یا عقیدہ ایسا نہیں جو نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت کے بغیر معتبر اور قبولِ بارگاہِ الٰہی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا ذکر اس قدر بلند کیا ہے کہ جہاں خدا کا ذکر وہاں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔
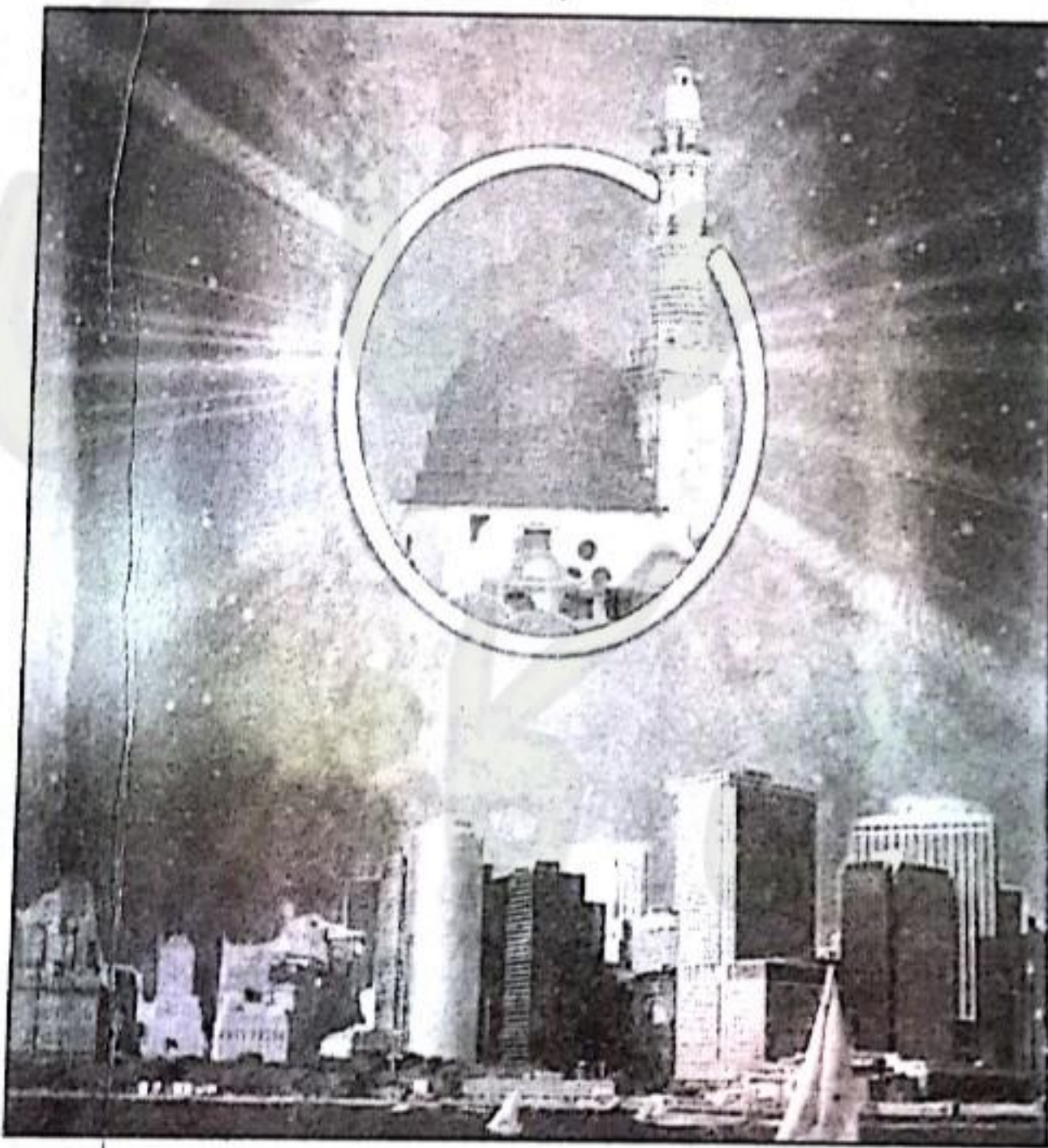
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کلمہ طیبہ ہو، اذان ہو یا صلوٰۃ ہو اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ عبادت گزاروں کے لیے روحانی سکون و حضوریٔ قلب کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ تک فرمایا کہ جو محمد کی

اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وہ خدا کی رضا ہے۔

برمیس

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک لازوال حقیقت ہے۔ تخلیق کائنات سے بھی پہلے جب صرف ارواح کو پیدا کیا گیا اس وقت انبیاء کی

روحوں میں یہ ذکر خیر شروع ہوا۔ قرآن (سورۂ آل عمران: 81) میں ارشاد ہے کہ "یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جب تم کو کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا؟۔ سب نے عرض کیا "ہم نے اقرار کیا"، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔" دوسری جانب قرآن (سورۂ احزاب:6) میں مومنوں کے لیے ارشاد فرمایا کہ نبی ﷺ ان کے لیے جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ ایک طرف اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں اور درود و سلام بھیجتے ہیں دوسری طرف تمام انبیاء و رسل بھی اپنی تعلیمات اور پیشگوئیوں میں اس رفعت و عظمت والے نبی کا ذکر و چرچا کرتے رہے۔ صرف کتب آسمانی ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب عالم میں نبی اکرم کی آمد کی بشارت موجود ہے۔

یہ ورفعنالک ذکرک ہی کی برکت ہے کہ آج دنیا کی ہر زبان میں خصائلِ نبوی، شمائلِ نبوی، احادیثِ نبوی اور سیرت نبوی ﷺ پر مضامین کی مجموعی ضخامت، کروڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ نا صرف مسلمانوں نے بلکہ ہندو، سکھ اور عیسائی شعراء نے بھی نبی رحمت ﷺ کے حضور گلہائے نعت پیش کیے۔

سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کا یہ بھی کمال ہے کہ ان کے بدترین دشمنوں نے بھی ان کے امین اور صادق ہونے کی گواہی دی۔ کفارِ مکہ سے لے کر آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد تک بے شمار غیر مسلم دانشوروں محققوں اور سیاسی رہنماؤں نے زبانی، تحریری، شعری اور ہر انداز میں محمد ﷺ کے اعلیٰ مقام اور ذات وصفات کا اعتراف کیا ہے۔

آیئے! نبی کریم ﷺ کے بارے میں چند مغربی اور غیر مسلم مشاہیر و مستشرقین کے خیالات کا جائزہ لیتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ہے کہ "محمد تمام مذہبی شخصیات میں کامیاب ترین انسان تھے۔"

فرانس کے جرنیل نپولین بوناپارٹ Napoleon Bonaparte نے رسول ﷺ کی ذات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے

"محمد ﷺ دراصل اصل سالارِ اعظم تھے۔ آپ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات ختم کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا۔ 15 سال کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملادی گئیں، بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا۔ حیرت انگیز کارنامہ تھا رسول معظم ﷺ کی تعلیم کا"....

"مجھے امید ہے کہ وہ دن دور نہیں جب میں سارے ممالک کے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کروں گا اور قرآنی اصولوں کی بنیاد پر متحدہ حکومت قائم کروں گا۔ قرآن کے اصول ہی صحیح اور سچے ہیں اور یہی اصول انسانیت کو سعادت سے ہم کنار کر سکتے ہیں"...[1]

ہندوستان کے بانی موہن داس گاندھی Gandhi اپنے رسالے ینگ انڈیا میں تحریر کرتے ہیں:

"اسلام نے تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کیا جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا۔ ایک روشن ستارہ جس کی روشنی سے ظلمت کدے منور ہوگئے۔ ہندوؤں کو اسلام کا مطالعہ

کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ جائیں .... میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام نے بزورِ شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام، دوست اور احباب سے یکساں محبت۔ آپ کی جرأت اور بے خوفی اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کی فتوحات میں یہی اوصاف حمیدہ شامل ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے مسلمان تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود پیش قدمی کرتے چلے گئے"۔[2]

معروف روسی فلاسفر اور ادیب لیو ٹالسٹائی Leo Tolstoy کہتے ہیں:

"اس بات میں شک نہیں محمد (ﷺ) عظیم مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے اتحاد امت کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی اور ان کو اتحاد، صلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا اور ان کے لیے ترقی و تہذیب کے راستے کھول دیئے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فرد واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔"[3]

مشہور آئرش ادیب اور مصنف جارج برنارڈ شا George Bernard Shaw تحریر کرتے ہیں:

"موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس دنیا کے حکمران (رہنما) بنیں۔ میں نے رسول (ﷺ) کے دین کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپ عیسائیوں کے دشمن تھے میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کی سوانح مبارک کا گہرا مطالعہ کیا ہے میری رائے میں انہیں بجا طور پر انسانیت کا نجات دہندہ کہا جاسکتا ہے۔ آنے والے کل میں اگر کوئی مذہب یورپ میں قابل قبول ہوسکتا ہے تو وہ اسلام ہے"۔[4]

فرانسیسی ادیب و شاعر الفونسو دی لامارٹن Alphonse de Lamartine لکھتے ہیں کہ

"اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور ناقابل یقین نتائج ہی انسان کی ذہانت کے مظاہر ہیں تو انسانی تاریخ میں کون ہے جو محمد (ﷺ) سے مقابلہ کرسکے؟ دنیا کے معروف ترین انسانوں نے صرف ہتھیار، قوانین اور سلطنتیں بنائیں جو زیادہ تر مادی قوت پر مشتمل تھی اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہی تنزل کا شکار ہوگئیں۔ لیکن بس ایک ہستی (محمد ﷺ) نے ناصرف فوج، قوانین اور سلطنتیں قائم کیں بلکہ آپ نے لاکھوں ایسے نفوس پیدا کردیئے جنہوں نے اس وقت کی دنیا کی ایک تہائی اکثریت پر اپنے اثرات مرتب کیے، اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے عقائد و نظریات کو بلکہ روحوں تک کو بدل ڈالا۔ صرف ایک کتاب کی بنیاد پر جس کا لکھا ہوا ہر لفظ قانون تھا۔ ایک ایسی روحانی امت کی تشکیل کردی گئی جس میں ہر زمانے، وطن، قومیت کا حامل فرد موجود تھا...

محمد (ﷺ) کیا نہیں تھے؟ ایک فلاسفر، خطیب، رسول، قانون ساز سپہ سالار، جنگجو، نظریات کو فتح کرنے والے، ایک عقلی عقیدہ کو بحال کرنے والے، 20 سرحدوں والی سلطنتوں کے معمار... انسانی عظمت کے کسی بھی معیار کو لے لیجئے، کیا کوئی ان سے زیادہ عظیم ہے....؟[5]

یورپی عالم ٹامس کارلائل Thomas Carlyle

رسول ﷺ کی صداقت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:

"بھوت و جنتیں جو مشرقی اقوام نے محمد (ﷺ) پر بڑے جوش و خروش سے لگائی ہیں خود ہمارے لئے شرمندگی کا باعث ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک آدمی خالی ہاتھ جنگ و جدل میں مشغول قبائل اور بدوؤں کو اس طرح سے آپس میں جوڑ لے کہ وہ دو دہائیوں سے بھی کم کے مختصر عرصہ میں ایک انتہائی طاقتور اور مہذب قوم بن جائیں....؟

ایک تنہا مگر عظیم شخص ایک اولوالعزم انسان جنہیں اس دنیا کو روشن کرنا تھا کیونکہ ان کا حکم انہیں خدا نے دیا تھا"۔[6]

مورخ ایڈورڈ گبن Edward Gibbon اپنی کتاب "زوال سلطنت روما" میں تحریر کرتے ہیں:

"محمد (ﷺ) کی اچھی افتادِ طبع شاہانہ شان و شوکت کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ خدا کے رسول کو روز مرہ گھریلو کام کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ وہ آگ جلالیتے، فرش کی صفائی ستھرائی کر کے بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اور اپنے ہاتھ سے جوتوں کی مرمت کرتے اور اونی کپڑوں کو پیوند لگالیتے۔ راہبانہ طرز زندگی کو حقارت سے مسترد کرتے ہوئے بغیر کسی لگی لپٹی اور دکھاوے کے وہ ایک عرب سپاہی کی طرح سادہ غذا پر گزر بسر کرتے۔" [7]

ایڈورڈ گبن اور سائمن اوکلے Simon Oakley کتاب "تاریخ سلطنت عرب" میں لکھتے ہیں:

"ہمیں ان (محمد ﷺ) کے دین کے فروغ سے زیادہ اسکے دین کی استقامت پر حیرت ہونی چاہیے، وہی خالص اور پاکیزہ تاثر جو آپ نے مکہ اور مدینہ پر منقش کیا، آج بارہ صدیوں کے انقلابات گزرنے کے باوجود ہندوستانی، افریقی اور ترکوں میں نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے بڑی کامیابی سے ان ترغیبات کا مقابلہ کیا جو انسانوں کی کسی بھی عقیدے سے وابستگی کو کم کر کے انکے نفس کی خواہش پر چھوڑ دیتی ہیں۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اسلام کا نہایت سادہ اور غیر متبدل عقیدہ ہے۔ ان کا خدائی تصور کبھی بتوں کے ذریعے گھٹایا نہیں گیا اور نہ رسول اللہ کا درجہ کبھی بشریت کی حد سے تجاوز کیا گیا۔ ان کی زندہ تعلیمات نے ان کے ماننے والوں کو معقولیت کی حدوں میں رکھا۔ یہ ہے اسلام کی سادہ اور ابدی تعلیم۔" [8]

اسکاٹش اسکالر منٹگمری واٹ Montgomery Watt اپنی کتاب "مکہ میں محمد" میں لکھتے ہیں:

"محمد (ﷺ) کی ذات میں صفات و کمالات کا جو حسین امتزاج موجود تھا ان کی تین سمتیں تھیں۔ ایک نبوت کا فیضان دوسرے سیاست و حکمرانی میں ان کی بصیرت اور تیسرے ایک منتظم کی حیثیت سے ان کی مہارت و دانائی اور تمام عہدوں پر موزوں اور ناقابل ترین افراد کا انتخاب۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرتِ محمد (ﷺ) پر کوئی جس حد تک نظر ڈالتا ہے وہ اسی حد تک ان کی کامیابیوں پر حیران رہ جاتا ہے"۔[9]

عیسائی بشپ بوس ورتھ اسمتھ Bosworth Smith کتاب "محمد اور محمدی عقیدہ" میں لکھتے ہیں:

"اگر کسی سے پوچھا جائے کہ فوج، محافظوں، محل اور دولت کے بغیر دنیا میں کس نے فی الحقیقت الوہی انداز میں حکومت کی تو اس کا جواب محمد (ﷺ) کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا"۔[10]

مائیکل ایچ ہارٹ Michael H. Hart نے اپنی کتاب دی ہنڈرڈز میں سو عظیم لوگوں میں حضرت محمد ﷺ کا نام سرفہرست لکھا۔ مائیکل لکھتے ہیں:

"دنیا کے انتہائی متاثر کن شخصیات کی فہرست میں محمد (ﷺ) کا شمار سب سے پہلے کرنے پر ممکن ہے کہ کچھ لوگ حیران ہوں اور شاید کچھ لوگ اس پر سوالات اٹھائیں، مگر یہ تاریخ انسانی کی وہ واحد ہستی ہیں جو مذہبی اور دنیاوی دونوں سطح پر کامیاب رہے۔" [11]

برطانوی مورخ اور ماہر آثار قدیمہ اسٹینلی لین پول Stanley Lane-Poole رسول ﷺ کی صفات کو اپنے الفاظ میں اس طرح سے قلمبند کرتا ہے:

"گفتار میں انتہائی شیریں اور متحمل، جنہوں نے انہیں دیکھا ان کے دل احترام کے جذبے سے مغلوب ہوگئے۔ جو اُن کے قریب آئے اُن پر فدا ہوگئے۔ جو ان کے متعلق کہتا تو یہی کہتا کہ "ہم نے ان جیسا نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں"۔ ان کی خاموشی میں انکی عظمت تھی لیکن جب بولتے تو پرزور اور باوقار انداز میں کہ ان کے الفاظ کو فراموش کرنا ممکن نہیں تھا"۔ [12]

برطانوی تھیوصوفسٹ، کانگریس انڈیا کی صدر اور سیاستدان مسز اینی بیسنٹ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

"کسی بھی ایسے شخص کے لئے جس نے عرب کے عظیم پیغمبر کی زندگی اور آپ کے کردار کے بارے میں پڑھا ہو یہ نا ممکن ہے کہ وہ اپنے دل میں ان عظیم پیغمبر کے لیے انتہائی احترام کے علاوہ کچھ اور محسوس کرے۔ خود میں جب بھی ان عظیم پیغمبر کے بارے میں پڑھتی ہوں تو ان عظیم استاد کے لیے تعریف و توصیف کی ایک نئی لہر میرے اندر اٹھتی ہے اور احترام کا ایک نیا جذبہ اُبھرتا ہے۔" [13]

امریکی ادیب جیمز اے مچنر James A. Michener اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"محمد (ﷺ) سب سے زیادہ عملیت پسند تھے جب انکے پیارے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا، تو اسی دن سورج گرہن ہوا، اُسے خدا کی طرف سے تعزیت قرار دیا جانے لگا، جس کے رد میں محمد (ﷺ) نے کہا کہ گرہن لگنا قدرت کا ایک نظام کے تحت ہے۔ کسی کی زندگی و موت کو اس سے منسوب کرنا حماقت ہے۔ محمد (ﷺ) کی وفات پر جب لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا تو اُن کے جانشین نے اس کیفیت کو ایک تاریخی انتہائی اعلیٰ و بہترین خطاب سے دور کیا کہ "اگر تم میں سے کوئی محمد کی پرستش کرتا تھا تو محمد وفات پا چکے ہیں لیکن اگر تم خدا کی پرستش کرتے ہو تو وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔" [14]

سائنس فکشن ناول وار آف دی ورلڈ، ٹائم مشین کے خالق ایچ جی ویلز H. G. Wells اپنی کتاب "تاریخ عالم" میں تحریر کرتے ہیں:

"پیغمبر اسلام کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو آپ کو سب سے زیادہ جانتے تھے وہی سب سے پہلے ایمان لائے۔

آپ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں ظلم و سفاکی کی گنجائش نہ تھی.... اگرچہ انسانی اخوت، مساوات اور حریت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کیے گئے ہیں، لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محمد (ﷺ) ہی تھے، جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی بار ان اصولوں پر ایک معاشرہ قائم کیا۔ [15]

آکسفورڈ کے معروف پروفیسر ڈی ایس مار گولیتھ David Samuel Margoliouth لکھتے ہیں:

"محمد (ﷺ) کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے ان میں جگہ پانا شرف کی بات ہے۔ اپنی اپنی جگہ قابلِ احترام ہونے کے باوجود تمام

پیغمبروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے عبادت، اللہ کی اطاعت اور دینی ایثار میں محمد (ﷺ) جیسی مثال قائم کی ہو .... محمد (ﷺ) کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ آپ نے جانوروں پر بھی ظلم و ستم توڑنے کو بہت برا کہا ہے"۔[16]

اے سٹدی آف ہسٹری کے مصنف آرنلڈ ٹوائن بی Arnold J. Toynbee دنیائے تاریخ کا ایک معتبر نام ہے، وہ لکھتے ہیں

"محمد (ﷺ) نے اسلام کے ذریعے انسانوں میں رنگ و نسل اور طبقاتی امتیاز کا خاتمہ کر دیا۔ کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو محمد (ﷺ) کے دین کو نصیب ہوئی،

آج دنیا جس ضرورت کے لیے رو رہی ہے، اُسے صرف اور صرف مساواتِ محمدی کے نظریئے کے ذریعے ہی پورا کیا جاسکتا ہے"۔[17]

مشہور فلسفی، ریاضی دان، انشا پرداز برٹرنڈ رسل Bertrand Russel کہتے ہیں:

"تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ محمد (ﷺ) ایک عظیم انسان اور فقید المثال مذہبی رہنما تھے۔ وہ ایک ایسے دین کے بانی تھے جو بُردباری، مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر کھڑا ہے"۔[18]

فرانسیسی صحافی اور مصنف ایمل ڈرمنگھم Émile Dermenghem لکھتے ہیں کہ

"کیا محمد (ﷺ) کا بڑے سے بڑا معترض اور نقاد کوئی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے.... جب محمد (ﷺ) نے اپنے آپ پر غصہ اور طیش کو غالب کرلیا ہو، کیا کسی ایسے واقعے کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جب محمد نے غیر شائستہ زبان استعمال کی ہو، کوئی معترض اور نقاد بھی محمد (ﷺ) کی زندگی کا ایسا واقعہ بیان نہیں کرسکتا۔".... "اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ محمد کی تعلیمات نے عربوں کی زندگی بدل دی۔ ان سے پہلے طبقہ نسواں کو کبھی وہ احترام حاصل نہیں ہوسکا تھا جو محمد کی تعلیمات سے انہیں حاصل ہوا۔" [19]

برطانوی مصنف جی ایم ڈریکاٹ Gladys M. Draycott لکھتے ہیں۔

"اپنی تعلیمات ذہانت اور جوش و خلوص سے محمد (ﷺ) نے ایک لاقانون علاقے کے لیے موثر قوانین وضع کیے، سماجی اور مذہبی ادارے قائم کیے، انہیں ایسی عبادت پر لگادیا جس میں رنگ، نسل، امارت، غربت اور ہر طرح کی اونچ نیچ ختم ہوجاتی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی پیغمبر محمد کی طرح ایسے معاشرے اور سماج کی بنیاد نہ رکھ سکا جو مثالی ہو اور آنے والے ہر زمانے کے لئے تقلید کی ترغیب دیتا ہو"۔[20]

مشہور فرنچ مؤرخ موسیو سیدیو Louis Amelie Sedillot اپنی کتاب تاریخ عرب میں رسول اللہ ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

"محمد (ﷺ) یوں تو محض امی تھے، مگر عقل ورائے میں یگانہ روزگار تھے۔

لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اکثر خاموش رہتے، طبیعت کے حلیم، خلق کے نیک، اکثر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کیا کرتے، لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے، مساکین کو دوست رکھتے، کبھی فقیر کو فقر کے سبب سے حقیر نہ جانتے نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہی کے سبب سے خوف کھاتے تھے۔[21]

مغربی مؤرخ اور کتاب تاریخ عرب کے مصنف فلپ کے حتی Philip Khuri Hitti لکھتے ہیں:

"محمد (ﷺ) کی وفات کے بعد ایسا معلوم

ہوا کہ عرب کی بنجر زمین ہیروؤں کی زرسری میں تبدیل کر دی گئی ہو۔ ایسے ہیرو جن کی مثل، تعداد یا نوعیت میں، کہیں اور پانا سخت مشکل ہے۔

عہد وسطیٰ میں انسانیت کی نشو و نما اور ان کی ترقی و بہتری میں جس قدر مسلمانوں نے اہم رول ادا کیا ہے، اتنا کسی قوم نے بھی نہیں کیا۔

محمد (ﷺ) نے انسانوں کو بتایا کہ کوئی حکمران نہیں سوائے خدا کی ذات کے اور انسان دنیا میں خدا کا نائب ہے۔

محمد (ﷺ) کے دورِ حکومت میں دین کے احکام اور قرآن کے ارشادات کے ساتھ جو تطابق ملتا ہے، اس کی توقع ہر مسلمان حکمران سے کی جاتی ہے اور تعلیماتِ محمدی کا یہی جوہر ہے"۔[22]

انڈیا کے مشہور ادیب و شاعر خشونت سنگھ khushwant singh نے مالا پرم ٹاون ہال (کیرالہ انڈیا)، مسلم لیگ یوتھ کے ایک اجلاس میں یہ کہا:

"ہمیں اسلام اور پیغمبر اسلام کو ان کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنا چاہیے، آپ ہندومت کو سمجھنے کے لئے ہندو انتہا پسندوں کی طرف نہیں دیکھتے، سکھ مذہب کو سمجھنے کے لئے جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ اور اسکے ساتھیوں کی طرف نہیں دیکھتے اسی طرح آپ کو اسلام سمجھنے کے لئے اس کے نام نہاد پیروکاروں کی بجائے پیغمبر اسلام کی تعلیمات کو دیکھنا چاہیے، لوگوں کو ایک بات سمجھنا چاہیے کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا، انڈونیشیا اور ملائشیا میں کبھی اسلامی فوج داخل نہیں ہوئی تھی. لیکن اسکے باوجود وہاں پر ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

محمد (ﷺ) نے ہمیں ایک قادر مطلق خدا کی عبادت کرنا سکھائی، دوسرے مذہب کے برعکس جہاں مختلف کاموں کے لئے مختلف خدا ہیں۔[23]

مغربی مفکرین میں ایسے سلیم الفکر لوگ موجود ہیں جنھوں نے اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا منصفانہ جائزہ لیا اور حقائق کو کماحقہ' پیش کیا۔

ایسے مفکرین کی آراء کو اہل مغرب میں عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلام کا مطالعہ صرف متعصب مفکرین ہی کے فکر کے آئینے میں نہ کریں بلکہ غیر جانبدارانہ آراء تک بھی رسائی پا سکیں۔

❋

حوالہ جات

[1] Bonaparte et Islam - Christian Cherfils
[2] Young India - 1928, Volume X
[3] The Rule of Prophet Mohamed
[4] The Genuine Islam Vol. 1, 1936
[5] Histoire De La Turquie 1854
[6] Heroes and Hero Worship and the Heroic in History
[7] The Decline and Fall of the Roman Empire, vol. 2
[8] History of the Saracen Empire
[9] Muhammad at Mecca 1953
[10] Mohammed and Mohammedanism 1874
[11] The 100: A Ranking Of The Most Influential Persons In History
[12] Table Talk of the Prophet
[13] The Life And Teachings Of Muhammad
[14] Islam: The Misunderstood Religion' in Reader's Digest, May 1955
[15] Outline of History
[16] Mohammad and the Rise of Islam
[17] A Study of History
[18] Why I Am Not a Christian
[19] Life of Mohamet
[20] Mahomet: The Founder of Islam
[21] Histoire des Arabes
[22] History of the arabs
[23] Youth of Muslim League at Malappuram Town Hall

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بین الاقوامی تعلقات

ڈاکٹر حمید اللہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دفاع کی خاطر اور وہ بھی بڑے تامل کے ساتھ ہتھیار اٹھائے تھے۔ جب اسلام کے پرانے دشمنوں کی احمقانہ معاندت ختم ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک ہی کام اور ایک ہی مقصد رہ گیا کہ عرب اور دیگر ممالک میں پرامن طور پر اسلام کی تبلیغ کی جائے۔

حدیبیہ سے واپسی کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے پُرامن بقائے باہمی پر مفاہمت میں کامیاب رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرونی ممالک میں قاصد روانہ کرنا شروع کردیے۔ 7 ہجری میں انھوں نے بازنطینی فرمانروا، والیِ مصر، شاہِ حبشہ اور شاہِ ایران کے نام مراسلے ارسال کیے جن میں ان فرمانرواؤں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ان ممالک کی طرف بھیجنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے افراد کا انتخاب کیا جو پہلے ہی ان ممالک کا دورہ کرچکے تھے اور وہاں کی زبان کسی حد سمجھ سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن فرمانرواؤں کو خطوط ارسال کیے ان میں ہرقل معمولی گھرانے کا فرد تھا جو قسطنطنیہ میں ایک فوجی انقلاب کے نتیجہ میں برسر اقتدار آیا تھا۔

ہرقل نے اپنے ایک سردار کو محض اس لیے پھانسی دے دی تھی کہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ہرقل نے مسلم سفیر کو قتل کرنے والے گورنر کو پناہ دی جس نے بین الاقوامی قوانین اور اصول و قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ جب پیغمبر نے سفیر کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے فوجی مہم موتہ بھیجی تو ہرقل نے ایک زبردست فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اس کا رویہ ایک بے اصول ظالم اور جابر بادشاہ کا تھا۔

ایرانیوں اور بازنطینیوں دونوں نے عرب کے اندر اور گرد ونواح میں اپنی نوآبادیاں قائم کررکھی تھیں۔ انہوں نے عربوں کو غلام بنا کر رکھا ہوا تھا اور وہ ان سے دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ وہ عربوں کو کمتر نسل تصور کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست یونانیوں (رومیوں)

سے رابطہ پیدا کرنے سے قبل ان عرب سرداروں سے رابطہ کا فیصلہ کیا۔

سینٹ پال کے دور میں عرب نا صرف دور دور تک آباد تھے بلکہ انہوں نے دمشق کے شمالی علاقہ میں چھوٹی موٹی سرداریاں بھی قائم کر رکھی تھیں۔ اس وقت اس علاقے کا حکمران حارث (ارتیس) نامی ایک شخص تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس علاقے میں عرب قبیلہ غسان آباد تھا جس نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قبیلہ کے مختلف سرداروں کے نام بھی خط بھجوائے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

نبی ﷺ نے پہلا خط حارث ابن شمیر کو لکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حاکم بصرہ کے نام بھی اسلام کا دعوت نامہ ارسال کیا۔ یہ خط حارث ابن عمیر الازدی لے کر گئے مگر عیسائی سردار شرجیل ابن عمرو الغسانی نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ عیسائی سردار کا یہ فعل تمام بین الاقوامی اصول و قواعد کی کھلی خلاف ورزی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سفیر کے قتل کا تاوان طلب کیا اور مطالبہ کیا کہ مجرم کو سزا دی جائے۔ لیکن شہنشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی چھوٹی سی مہم کے مقابلہ میں ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل وہ فوج روانہ کر دی جو اس نے ایران کی مہم کے لئے بھرتی کی تھی اور ابھی اسے فارغ نہیں کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مہم کے لئے تین ہزار افراد پر مشتمل فوج خشکی کے راستے اور کچھ کمک سمندر کے راستے بھجوائی تھی، مسلم فوج کا ہرقل کی فوج سے موتہ کے مقام پر مقابلہ ہوا، مسلمان دشمن کی تعداد سے خائف نہیں تھے، جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے دو سینئر جرنیل، کمانڈر انچیف، زید بن حارثہؓ (رسول اللہ ﷺ کے لے پالک صاحبزادے) اور ان کے نائب جعفر الطیارؓ ابن ابو طالب (رسول اللہ ﷺ کے عم زاد) شہید ہوگئے۔

اس کے بعد فوج نے خالد ابن ولید کو سپہ سالار منتخب کیا۔ انہوں نے دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا اور اسلامی فوج کو بتدریج پیچھے ہٹالائے۔ دشمن کو مسلم فوج کا تعاقب کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ خود تیس ہزار افراد پر مشتمل فوج لیکر نکلے۔ راستے میں اسلامی فوج جس جگہ پڑاؤ ڈالتی، وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی جاتی۔ آپ ﷺ نے پورے شمالی عرب اور جنوبی فلسطین پر مسلمانوں کی بالادستی قائم کرلی۔ ان علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ مستحکم ہوگیا اور اب رومی شہنشاہ ان میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم ابھی اسلامی مملکت کی سرحدوں کی صورت حال مستحکم نہ تھی۔ چنانچہ ڈیڑھ سال بعد ایک اور فوجی مہم روانہ کی گئی۔ یہ فوج عین اس روز روانہ ہوئی جس روز رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا، اس فوج کو بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا چنانچہ خلیفہ اوّل حضرت ابو بکرؓ نے پیغمبر خدا ﷺ کا فیصلہ برقرار رکھا۔ فوج کا کمانڈر اسامہؓ ابن زید کو مقرر کیا گیا۔ اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ جنگ موتہ میں اسلامی فوج کی کمان کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ اس فوج نے اسلامی مملکت کی حدود کو مزید شمال میں وسعت دی اور جلد ہی فلسطین مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگیا۔

عمان کے عرب گورنر کو بھی رسول اللہ ﷺ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس نے اسلام

قبول کرلیا مگر ہرقل کے حکم سے اسے قتل کردیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبطیوں کے سردار کو خط لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ قبطی سردار نے رسول اللہ ﷺ کے خط کا نہایت مودّبانہ جواب دیا، تاہم مقوقس کے قبولِ اسلام کا مقصد حاصل نہ ہوسکا۔ مقوقس نے اسلامی سفیر کو متعدد تحائف دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کو جو خط لکھا تھا اس کا اصل مسودہ اب تک محفوظ ہے اور ان دونوں استنبول (ترکی) کے مشہور میوزیم توپ کاپی میں موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مختلف حکمرانوں کو خط لکھے ان میں حبشہ کا شاہ نجاشی بھی شامل تھا۔ مسلمانوں سے نجاشی کے تعلقات اس خط سے بہت پہلے سے قائم تھے۔ حضور پاک ﷺ کے اعلانِ نبوت ﷺ سے کوئی پانچ سال بعد مکہ میں چند اہل اسلام پر اتنے مظالم ڈھائے گئے کہ انہوں نے مادرِ وطن سے ہجرت کرکے سمندر پار کے ملک حبشہ میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اگلے سال اہل مکہ نے دو سفارتیں حبشہ بھیجیں تاکہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال کر اہل مکہ کے حوالے کیا جائے۔ مگر دونوں سفارتیں ناکام رہیں۔ جب مکہ والوں کا دوسرا وفد حبشہ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا ایک سفیر، حبشہ بھیجا تاکہ اہل مکہ کی سازش کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اس دور کی حبشہ کی تاریخ معلوم نہیں ہوسکی، جس کے باعث یہ قطعی اندازہ نہیں ہوسکتا کہ حبشہ کے جس شاہِ نجاشی نے مکی مسلمانوں کو پناہ دی اور دس سال بعد جس نجاشی نے اہل مکہ کے دوسرے وفد سے ملاقات کی تھی وہ ایک شخصیت تھی یا دو مختلف افراد تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ ایک ہی شخصیت تھی اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے اس کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔

محقق، مورخ اور سیرت نگار

ڈاکٹر حمید اللہ 1908ء-2002ء

محقق سیرت نگار، تاریخ دان اور ممتاز مذہبی اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتابیں، مقالات اور تحریروں نے فرانس میں اسلام کی اشاعت و فروغ میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ پر پچاس ہزار سے زائد فرانسیسیوں نے اسلام قبول کیا، جن میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد، ڈاکٹرز، ماہرینِ تعلیم، اسکالرز اور نن شامل تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے 250 کتابیں اور ایک ہزار سے زائد تحقیقی مضامین فرانسیسی، جرمن، ترکی، انگریزی، عربی اور اردو میں تحریر کیے۔ ڈاکٹر صاحب کی چند کتابوں کے علاوہ باقی تمام یورپی زبانوں میں ہیں اور ہر کتاب ریفرنس بک کا درجہ رکھتی ہے۔ اُن کی ایک کتاب Prophet of Islam کے مطالعے کے بعد ہزاروں افراد مسلمان ہوئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے خط لکھا تھا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ (نبی ﷺ کے اس خط کا اصل مسودہ اس وقت دمشق میں موجود ہے۔) کہا جاتا ہے کہ شاہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا تھا تاہم وہ اپنی رعایا کو قبول اسلام کی ترغیب نہیں دے سکا تھا۔ نجاشی کا قبول اسلام اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے مطابق نجاشی کی وفات کی خبر ملنے پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ کا اہتمام کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے شاہ نجاشی کے جانشین کو بھی خط لکھا تاہم اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مگر حبشہ کے بہت سے شہری مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں شاہ

نجاشی کا ایک بیٹا بھی شامل تھا۔ وہ بعد میں مدینہ آگیا اور رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے زیرِ کفالت فرد کی حیثیت سے یہیں سکونت اختیار کرلی۔

7 ہجری میں جب پیغمبر اسلام ﷺ نے خسرو پرویز (ایران) کو اسلام کی دعوت دی اور اسے خط لکھا...... اس خط کا اصل مسودہ ہم تک پہنچا ہے...... یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کا یہ خط خسرو پرویز نے وصول کیا تھا، یا اس کے کسی جانشین کو ملا تھا۔ کیونکہ بالکل انہی دنوں ایرانیوں کو نینوا کے مقام پر مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

بہرحال! اسلامی سفیر سے نہایت توہین آمیز سلوک کیا گیا اور اسے بے عزت کرکے ایرانی دربار سے نکال دیا گیا۔ ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق ایران کی ایک ملکہ نے مدینہ میں ایک سفارت بھیجی۔ ایرانی سفیر تحفے لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا مقصد سابق شہنشاہ کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والی اذیت کا مداوا کرنا تھا۔ ایران کی یہ ملکہ غالباً پوران دُخت تھی جو مختصر عرصہ کے لئے تختِ ایران پر جلوہ گر رہی۔

یمن میں صورت حال خاص طور پر بڑی سنگین تھی۔ یمن ثقافتی اعتبار سے نہایت ترقی یافتہ علاقہ تھا اور انتہائی شاندار ماضی کا حامل تھا۔ یمن میں روم اور ایتھنز سے بھی پہلے مہذب حکومتیں قائم تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے صرف ایک نسل قبل یمن میں عظیم الشان سلطنت قائم تھی جس کی حدود میں ناصرف پورا جزیرہ نما عرب بلکہ وہ وسیع علاقے بھی شامل تھے جو بعد میں بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کا حصہ بنے۔ اب یہی یمن ایرانیوں کی غلامی کے خلاف نبرد آزما تھا۔ یمنی ایرانیوں کی غلامیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے یمن میں آباد تمام ایرانیوں، ایرانی النسل حکام اور فوجیوں کو قتل کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہل یمن کو قبولِ اسلام کی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ پہلے خالدؓ ابن ولید اور پھر حضرت علیؓ کو اس علاقے میں بھیجا گیا۔ چنانچہ جہاں یمن کے بہت سے قبائل آسانی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، وہاں نجران کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرکے امن سے رہنے کو ترجیح دی۔ یمن کا دانشمند ایرانی گورنر باذان بھی آتش پرستی سے توبہ کرکے حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے باذان کو گورنر کے عہدے پر برقرار رکھا اور کچھ عرصہ بعد جب وہ وفات پاگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بیٹے کو گورنر مقرر کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یمن کی انتظامیہ کے لئے مدینہ سے بہت سے لوگوں کو بھیجا۔ یہ سب لوگ نہایت پرہیزگار اور صالح مسلمان شمار ہوتے تھے اور ان میں بعض مثلاً ابو موسیٰ الاشعری، یمنی النسل تھے۔ انہوں نے یمن میں بطور جج، استاد، ٹیکس کلکٹر اور عام انتظامی افسروں کی حیثیت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ معاذ ابن جبل جن کی مسجد آج بھی قصبہ جند میں موجود ہے، انسپکٹر جنرل تعلیم کے عہدے پر فائز کیے گئے۔ انہوں نے یمن کے ایک ایک علاقے کا دورہ کیا اور ہر جگہ تعلیم کے انتظامات کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے چند فوجی دستے یمن کے اس بُت خانہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجے جسے کعبہ کا ہمسر تصور کیا جاتا تھا۔ جب اس بُت خانے کو گرایا گیا اور جب بُت شکنوں پر بتوں کا کوئی غضب نازل نہ ہوا، تو یمن کے سادہ لوح عوام کے

دلوں میں موجود موہوم خدشات بھی دور ہو گئے۔ جلد ہی عملی طور پر پورا یمن اسلام لے آیا، صرف نجران کا عیسائی قبیلہ اور اکا دُکا یہودی خاندان باقی رہ گئے جو اپنے اپنے مذہب پر قائم تھے۔

یمن کے متعدد دوسرے قبائل نے بھی اپنے وفد مدینہ بھیجے اور اسلام قبول کیا۔ یمن کا وسیع وعریض علاقہ تین سال کے اندر کسی جنگ کے بغیر اسلامی سلطنت کے زیرِ نگیں آگیا۔

عمان عرب کے جنوب مشرق میں ایک ریاست تھی جہاں جلندیٰ کے دو بیٹے جعفر اور عبد مشترکہ طور پر حکومت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق دوتوں کو عمان کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ اشارہ بھی دے دیا کہ اسلام میں مشترکہ حکومت رَوا ہے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے عمان میں اپنا ایک نمائندہ مقرر کر دیا جو مسلمانوں کی تعلیم وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا۔

عمان کا علاقہ اقتصادی لحاظ سے بڑا اہم تھا اس کی بینالاقوامی بندرگاہیں اور وہاں کے تجارتی میلے اسلامی مملکت کے لئے وقار اور قوت کا باعث بنے۔

دبا کا علاقہ زبردست اقتصادی اہمیت کا حامل تھا۔ دبا اور مقشّر کے مقامات پر سالانہ تجارتی میلے منعقد ہو تے تھے۔ جن میں کئی ممالک کے تجار شریک ہوتے۔ دبا عرب کی دوبڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھی۔ اس کے تجارتی میلہ میں عرب کے کونے کونے سے ہی نہیں بلکہ چینی، ہندی، سندھی اور مشرق ومغرب سے تاجر اپنا مالِ تجارت لیکر شریک ہوتے تھے"۔

جب یہ علاقہ غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے دبا کا الگ گورنر مقرر کیا۔ یہ گورنر دبا کا رہنے والا ایک مسلمان تھا۔ اسکے فرائض میں دبا کی بندرگاہ، شہر اور منڈی کی دیکھ بھال شامل تھی۔

موجودہ بحرین جو خلیج عرب وفارس میں جزیرہ عرب کے مشرق میں واقع ہے ان دنوں اُوال کہلاتا ہے۔ ان دنوں جس علاقے کو بحرین (بحران) کہتے تھے (بحرین کا لغوی ترجمہ دوسمندر ہے) وہ سعودی عرب کا موجودہ ضلع الحساء ہے جو سعودی عرب کا ایک حصہ ہے۔ غالباً ظہورِ اسلام کے وقت اس علاقے میں موجود قطر بھی شامل تھا۔ قطر خلیج کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور یوں دو سمندروں کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ بہر حال! اس علاقے (بحران یا بحرین) کے عرب گورنر المنذر ابن سادہ نے اسلام قبول کرلیا۔ وہ اسلامی حکومت کا نہایت پرجوش منتظم ثابت ہوا۔ تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کے نام پر اس کے نصف درجن سے زائد خطوط کا ذکر آتا ہے ان میں اک خط کا اصل ہم تک پہنچا ہے۔ یہ خط پہلی بار برلن کے ایک پبلشر ZDMG نے شائع کیا تھا۔

شمال مشرقی عرب کے قبیلہ بنو تمیم نے نہایت آسانی سے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے مزید شمال میں جنوبی عراق کا علاقہ بھی عربوں کا گہوارہ تھا۔ اس علاقے میں حیرہ (موجودہ کوفہ) کی ریاست سمیت عرب قبائل آباد تھے۔ ایرانی حکومت کی جنوبی اور مشرقی عرب میں جو نو آبادیات تھیں ان پر دار لحکومت مدائن کے قُرب وجوار کی آبادیوں کی نسبت حکومت کی گرفت کمزور تھی تاہم حیرہ کے حکمران قبیلہ بنولخم کے متعدد ذیلی قبائل نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ کی

طرف سے جو اسناد فراہم کی گئیں تاریخ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

حیرہ (کوفہ) کے جنوب مشرق میں سماوہ کا علاقہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک خط کا ذکر ملتا ہے جو حضور ﷺ نے سماوہ کے فرمانروا انفاشہ الدیالی کے نام لکھا تھا تاہم اس خط کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ یہ بادشاہ بھی عربی النسل تھا۔

کیا رسولِ اکرم ﷺ کے ہندوستان سے کوئی تعلقات تھے....؟

اس ضمن میں کچھ یقین سے تو نہیں کہا سکتا لیکن اسے ناممکن بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عرب تجار ظہورِ اسلام سے قبل ہی سندھ اور مالا بار کی بندرگاہوں پر بکثرت آتے جاتے تھے۔ ہندی تاجر بھی جنوب مشرقی عرب کی بین الاقوامی بندرگاہ دبا کے تجارتی میلے میں شرکت کرتے تھے (دیکھیے ابن حبیب کی المحبرّ، صفحہ 625) اس امر کا بھی قوی امکان ہے کہ ہندی تاجر یمن بھی جاتے تھے (دیکھیے ابن ہشام صفحہ 265) کیونکہ یمن کے حکمران سیف ابن ذی یزن نے ایک بار ایرانی شہنشاہ کو اطلاع دی کہ اس کے ملک پر ". کوّوں" نے قبضہ جمالیا ہے اور اس کی امداد کی جائے۔ "کون سے کوّے؟" کسریٰ نے وضاحت طلب کی "یہ ہندی کوّے ہیں یا حبشہ سے آئے ہیں؟" شہنشاہِ ایران کے ذہن میں یہ سوال آہی نہیں سکتا تھا اگر یمن اور ہند کے درمیان مستحکم تعلقات نہ ہوتے..... جہاں تک دبا کا تعلق ہے رسول پاک ﷺ خود وہاں جا چکے تھے (دیکھیے ابن حنبلؒ جلد 4، صفحہ 206) "میں نے تمہارے ملک کا وسیع دورہ کیا ہے" مصنف رسول اللہ ﷺ کی دو احادیث کا تذکرہ کرتا ہے جن کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مشقر اور بعض دوسرے علاقوں کا نام لیا جہاں کا وہ سفر کر چکے تھے) چنانچہ یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں کہ جب یمن کے قبیلہ بل حارث کا وفد مدینہ گیا اور رسول اللہ ﷺ نے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں جو ہندی معلوم ہوتے ہیں۔" (دیکھیے ابن ہشام صفحہ 960۔ ابنِ سعد 1/2، صفحہ 72، نسائی 25/41)۔

ابن حنبلؒ (229-6) کے مطابق ابوہریرہؓ جو یمنی النسل تھے اکثر کہا کرتے تھے "رسول اللہ ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کی طرف ایک مہم بھیجی جائے گی اگر میں وہاں (ہند میں) ہلاک ہو جاؤں تو میں بہترین شہداء میں سے ہوں گا اور اگر میں صحیح و سالم واپس آجاؤں تو میں وہی آزاد شدہ غلام ابوہریرہؓ رہوں گا۔ رسول پاک ﷺ سے ایک حدیث بھی منسوب کی جاتی ہے، فرمایا "مجھے ہندوستان کی طرف سے تازہ ہوا آتی ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صرف ہندی لوگوں کا ہی نہیں ان کے مذہب کا بھی ذکر آیا تھا۔ قدیم مسلم مورخ عبدالکریم الجیلی اور دور حاضر کے پروفیسر مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

میں اس تعارف کو متبحّر عالم مولانا غلام آزاد بلگرامی (دیکھیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) کی دو تصانیف اول ان کی سوانحی لُغت "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" کا مقدمہ اور دوسری "شمامۃ العنبر فی ماورد عن الہند عن سید البشر" کے ذکر پر ختم کرتا ہوں۔

ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلی علاقہ مالابار میں یہ روایت مشہور ہے کہ اس علاقہ کے ایک بادشاہ چکرورتی فرماس نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ یہ

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا جو مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوا، بادشاہ چکر ورتی فرماس نے اس سلسلے میں جب تحقیقات کیں تو اسے علم ہوا کہ عرب میں ایک پیغمبر کے ظہور کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اور شق القمر کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا ظاہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لئے عرب روانہ ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے رُوبرو اسلام قبول کیا اور پھر ان کے حکم پر واپس ہند روانہ ہو گیا۔ راستے میں یمن کی بندرگاہ ظفار میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہاں آج بھی ''ہندی بادشاہ'' کا مزار مرجع خاص عوام ہے۔ انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں ایک پرانا مسودہ (نمبر، عربی 2807، ص۔ 173-152) ہے جس میں اس کی تفصیل درج ہے۔ زین الدین المعبری کی تصنیف ''تحفہ المجاہدین فی بعد اخبار البرتگالین'' میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے (اس کتاب کا پرتگیزی ترجمہ انگریزی سے کہیں بہتر ہے مگر اس کا اردو ترجمہ نامکمل ہے۔)

ترکی کے لوگوں کے بارے میں تو بہت ہی کم مواد موجود ہے۔

علامہ بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف 485-1 میں روایت کرتے ہیں کہ کہ اسلام کی پہلی شہید خاتون سمیہؓ عمار ابن یاسر کی والدہ تھیں۔ انہیں ابو جہل نے شہید کیا تھا۔ انکا اصل نام پامیخ تھا اور ان کا تعلق ایران کے علاقہ کسگر سے تھا۔ پامیخ کو جدید ترکی میں ''پاموک'' کہتے ہُیں جس کے لغوی معنی کپاس کے ہیں۔ اور یہ کسی ترک خاتون کا نام ہی ہو سکتا ہے۔ خدا اس خاتون کے درجات بلند کرے۔ ہندوستان کی طرح ترکی میں بھی ایک شخص مقلاب ابن ملکان الخوارزمی گزرا ہے جس نے یکے از صحابہؓ رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ (دیکھیے ابن حجر، اصابہ۔ 2126)

چین کے بارے میں حضور اکرم کی ایک معروف حدیث ''علم حاصل کرو خواہ اس کیلئے چین جانا پڑے'' یہ یقین کرنے کی کافی وجوہ موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی چینیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نہ صرف ان کی استقامت سے متاثر ہوئے کہ وہ کئی ماہ تک سمندر میں سفر کر کے آئے تھے بلکہ ان کی مصنوعات کی عمدگی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو متاثر کیا تھا۔

ایک طرف تو مسعودی لکھتے ہیں (دیکھیے علامہ مسعودی کی ''مروج الذہب'' 308-1) کہ چینی ظہورِ اسلام سے قبل بڑی بڑی کشتیوں میں بحران (بحرین) اور عمان آتے تھے اور دوسری طرف ابن حبیب دبا کے تجارتی میلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہ (دبا) عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھی اور اس کے سالانہ تجارتی میلے میں ہند، سندھ، چین اور مشرق و مغرب سے تجار آتے تھے''۔

چینی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شاہِ چین کے دربار میں سفیر بھیجا تھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس سفیر کا نام ابو عبیدہؓ تھا۔ وہ بعد میں دوبارہ چین گئے اور اسی جگہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا مقبرہ سنگان فو میں ہے۔ (ان کے مقبرے میں تحریروں کے سلسلے میں ملاحظہ کیجیے وین لینگ وُوکی ''مذہبی کتبات'' پیکنگ 1957، اور بروم مارشل کی ''چین میں اسلام'' ص۔ 90-83-66)

❁

حضور قلندر بابا اولیاءؒ

فرماتے ہیں:

اللہ سے محبت کے دعوے کی تکمیل اُسی وقت ہوتی ہے اور یہ دعویٰ اللہ کی نظر میں اُسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب ہم اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کی پیروی کریں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الاعمال بالنیات
وانما لکل امرئ ما نوی

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ (صحیح مسلم؛ صحیح بخاری)

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ رہتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

(صحیح مسلم، صحیح بخاری)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذا) سے
دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (صحیح بخاری: صحیح مسلم)

دلچسپ، عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعات و آثار
سائنس جن کی حقیقت سے آج تک پردہ نہ اُٹھا سکی.....

انسان سائنسی ترقی کی بدولت کہکشانی نظام سے روشناس ہو چکا ہے، سمندر کی تہہ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہا ہے۔ زمین کے بطن میں اور ستاروں سے آگے نئے جہانوں کی تلاش کے منصوبے بنا رہا ہے۔ یوں تو سائنس نے انسان کے سامنے کائنات کے حقائق کھول کر رکھ دیے ہیں لیکن ہمارے ارد گرد اب بھی بہت سے ایسے راز پوشیدہ ہیں جن سے آج تک پردہ نہیں اُٹھایا جا سکا ہے۔
آج بھی اس کرۂ ارض پر بہت سے واقعات رونما ہوتے ہیں اور کئی آثار ایسے موجود ہیں جو صدیوں سے انسانی عقل کے لیے حیرت کا باعث بنے ہوئے ہیں اور جن کے متعلق سائنس سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔

تجربے پیش بینی کے

انسانی زندگی میں آئے دن کتنے ہی عجیب، اَنہونے اور پراسرار واقعات رُونما ہوتے ہیں جن کے بارے میں بظاہر کوئی عقلی یا علمی توجیہہ پیش نہیں کی جا سکتی، لیکن اس کے باوجود ان کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔
ذیل میں ہم مغربی مفکر مارٹن ایبن martin ebon کی کتاب true experiences in prophecy سے عام انسانوں کے چند ایسے ہی غیر معمولی، پراسرار، سچے اور ڈرامائی واقعات و تجربات پیش کر رہے ہیں۔
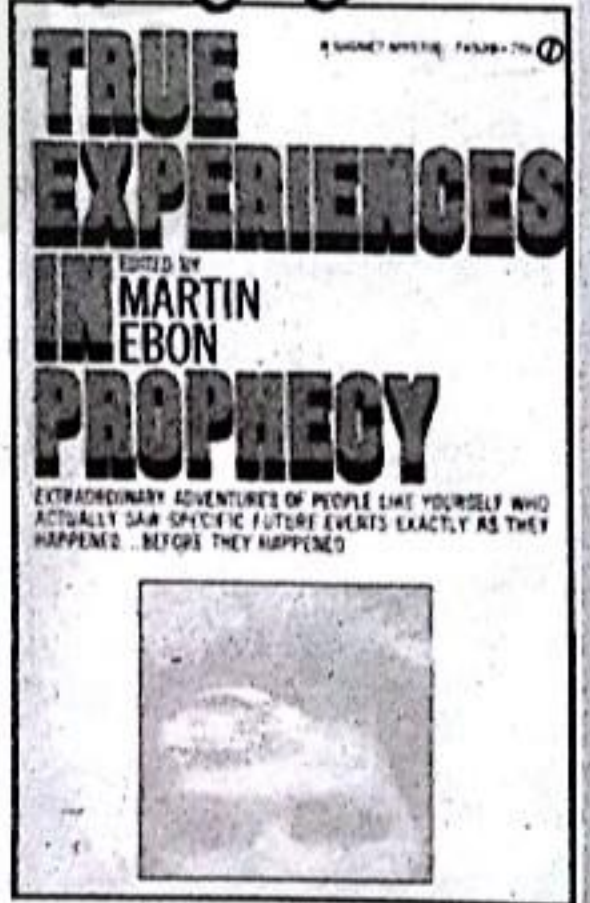
قتل کی پیش گوئی

"والٹر....! مجھے تمہاری پیالی میں مستقبل کا عکس نظر آرہا ہے۔ آئندہ اتوار کی رات شہر میں دو قتل ہوں گے.... ایک عام شہری کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو گا اور ایک کاروباری شخص ہلاک ہو گا۔ ان کے علاوہ پولیس کے ایک باوردی سپاہی کو بھی گولی لگے گی.... یہ واقعہ کس جگہ ہو گا....؟ میں یہ نہیں بتا سکتی.....!"

مادام مرٹل نے سپرنٹنڈنٹ سے بڑے عجیب اور پُر اسرار انداز میں کہا۔

یہ مادام، والٹر کی بیوی کی سہیلی تھی۔ اس وقت دونوں میاں بیوی، مادام کے ہاں چائے پی رہے تھے۔

والٹر، سولہ سال سے پولیس میں ملازم تھا۔ چہرے کے تاثرات سے دل کے جذبات کا اندازہ لگانے میں اسے خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ مادام کی پراسرار گفتگو کے دوران میں والٹر کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز رہیں۔ مادام کی آنکھوں سے خون جھلک رہا تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی، مادام کے چہرے کا رنگ زرد تھا اور دایاں ہاتھ میز کے کونے پر سختی سے جما ہوا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ والٹر اس قسم کی باتوں کا قائل نہ تھا۔ لیکن کوئی غیر مرئی طاقت کہہ رہی تھی "مرٹل کی بات بالکل سچ ہے۔"

والٹر گھر پہنچا، تو خاصا پریشان تھا۔ مرٹل کی پیشن گوئی اس کے ذہن سے چپک گئی تھی۔ رات دیر تک وہ لاشیں اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتی رہیں، کہیں پچھلے پہر جا کر اسے نیند آئی۔ صبح اٹھا، تو پیشن گوئی اس کے ذہن پر سوار تھی۔ دفتر میں بھی اس نے کچھ کرنے نہ دیا اور سارا دن پریشان رہا۔ اگلی صبح والٹر محکمہ پولیس کے سربراہ جوڈرون کے دفتر پہنچا، وہ کافی دیر تک دفتر کے سامنے گومگو کی حالت میں کھڑا رہا.... آخر کار کمشنر کے کمرے کی طرف بڑھا، دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کمشنر نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے خوشآمدید کہا۔

"والٹر....! خیریت تو ہے....؟"

والٹر نے بولنا چاہا، مگر الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے، بڑی مشکل سے وہ کچھ کہنے کے قابل ہوا۔

"جناب، مجھے علم ہے کہ آپ نجومیوں اور پیشن گوئی کرنے والوں کو نہیں مانتے، لیکن میں آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اتوار کی رات شہر میں مسلح ڈکیتی کی واردات ہونے والی ہے جس میں دو قتل ہوں گے اور ایک سپاہی کو گولی لگے گی، لیکن یہ بات کسی اور کو نہ بتائیں۔"

کمشنر دیر تک اس کی طرف تکتا رہا، شاید اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کہنے والا والٹر ہی ہے۔ کمشنر نے جی ہی جی میں سوچا شاید اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔

پیشن گوئی تین دن تک والٹر کے ذہن پر چھائی رہی۔ سوموار کی صبح وہ حسب معمول اٹھا اور تیاری کر کے ساڑھے سات بجے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ کمشنر جیسے پہلے ہی سے اس کا منتظر کھڑا تھا، دیکھتے ہی اس کی طرف لپکا اور پھر اسے ساتھ لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"پیشن گوئی کرنے والی عورت کا نام کیا ہے....؟" کمشنر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مادام مرٹل۔" والٹر نے مختصر جواب دیا۔

"مادام کی پیشن گوئی حرف بحرف صحیح ثابت

ہوئی۔" کمشنر نے کہا۔ "رات ساڑھے گیارہ بجے کیلیفورنیا تھیئٹر پر ڈاکہ پڑا، تھیئٹر کا مینجر گولی لگنے سے ہلاک ہوگیا اور قاتل فرار ہوگئے کچھ لوگوں نے قاتلوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا، انہوں نے کار کا نمبر اور قاتلوں کا حلیہ پولیس کو بتایا جس سے فوراً تمام تھانوں کو آگاہ کردیا گیا۔ پولیس کے دو سپاہی شہر کے مشرقی حصے میں گشت کررہے تھے انہوں نے کار کو شناخت کرلیا اور موٹر سائیکلوں پر اس کا تعاقب کیا۔ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہوگئی اور ایک سپاہی شدید زخمی ہوگیا۔

دوسرے نے ہیڈ کوارٹر سے وائرلیس پر امداد طلب کی۔ اتنے میں ڈاکو ایک عمارت میں چھپ گئے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کے سپاہیوں نے عمارت کا محاصرہ کرلیا۔ کافی تلاش کے بعد ایک بغلی کمرے میں ڈاکوؤں کا پتہ چلا۔ پولیس کے پہنچتے ہی ایک ڈاکو روشندان سے باہر کود گیا۔ دوسرا باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پولیس نے گولیوں کی بوچھاڑ کردی اور وہ مارا گیا۔"

اگلے دن کمشنر نے واردات کی جو تفصیلات پریس کو دیں۔ اسے پڑھتے ہی سینکڑوں لوگ مادام مرٹل کے گھر پر اُمڈ آئے، وہ سب اپنے مستقبل کے متعلق جاننا چاہتے تھے۔ لیکن مادام کا جواب مایوس کن تھا۔

"میں پیشہ ور نجومی نہیں، یہ پیشن گوئی تو محض ایک اتفاق تھا۔ آپ کی طرح مجھے بھی کچھ معلوم نہیں کہ یہ کیسے ہوگیا۔"

مادام کو یہ بات سینکڑوں مرتبہ دہرانا پڑی۔

❖❖❖

خواب میں بگھی

اس سلسلے میں سائی بل ڈیون کے مشاہدات انتہائی دلچسپ ہیں۔ ڈیون کو خواب کے ذریعے مستقبل کے بعض واقعات کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ چار گھوڑوں والی سیاہ بگھی اس کے خوابوں کی سنگینی کا نشان تھی۔ ڈیون نے سیاہ بگھی والا خواب پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ کانونٹ اسکول میں پڑھتی تھی۔ اس نے دیکھا وہ چار گھوڑوں والی سیاہ بگھی میں سوار کہیں جا رہی ہے۔ بگھی ایک عمارت کے سامنے رک جاتی ہے اور وہ اتر کر عمارت کے پچھواڑے سے ہوتی ہوئی ایک کمرے میں پہنچتی ہے۔ کمرے میں کافی اندھیرا ہے لیکن بستر پر دراز ایک عمر رسیدہ آدمی کا چہرہ صاف نظر آرہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ باہر نکلتی ہے اور دیکھتی ہے کہ عمارت کے باہر ایک عورت ماتمی لباس پہنے بیٹھی ہے اور بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہیں، وہ سب آپس میں سرگوشیاں کررہے ہیں۔

اگلی صبح ڈیون کی ہم جماعت سہیلی یولینڈا کو گھر سے تار موصول ہوا، اس کا باپ سخت بیمار ہے، وہ گھر پہنچی، تو تھوڑی دیر بعد اس کا باپ مر گیا۔

ڈیون اپنی سہیلی کو پُرسا دینے کے لیے اس کے ہاں گئی۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کہ یولینڈا کا گھر ہوبہو وہی عمارت تھی جسے وہ دو روز قبل خواب میں دیکھ چکی تھی۔ یولینڈا کے باپ کی میت جس کمرے میں رکھی گئی تھی، وہ بالکل اس کمرے سے ملتا جلتا تھا جو ڈیون نے خواب میں دیکھا تھا۔ ڈیون نے یولینڈا کی والدہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی عورت ہے جس نے خواب میں ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔

ڈیون نے اس خواب کا ذکر اپنی ماں سے کیا، تو اس نے بتایا کہ چار گھوڑوں والی سیاہ بگھی ان کا خاندانی آسیب ہے۔ اس کی ابتداء 1652ء میں اس وقت ہوئی جب خاندان کا ایک بزرگ بشپ رکٹ اوکونل، کرامویل کے ظلم سے تنگ آکر چار گھوڑوں والی سیاہ بگھی میں فرار ہوتا ہوا پکڑا گیا۔ کاموبل حکومت نے اسے پھانسی دے دی اور اس کے بھائی مارس اور کونل کی تمام جائیداد ضبط کر کے اسے جلاوطن کر دیا۔ مارس بھی سفر کے دوران ہی میں مر گیا۔ مرتے وقت وہ بھی اسی بگھی میں سوار تھا۔

1740ء میں کونل خاندان کے ایک فرد نے پہلی مرتبہ خواب میں اس بگھی کو دیکھا۔ اس کے بعد وہ بگھی خوابوں میں خاندان کے سب ہی افراد کو نظر آنے لگی۔ خواب میں بگھی کی موجودگی ہمیشہ کسی نہ کسی نقصان یا کسی کی موت کا پیش خیمہ ہوتی۔

ایک مرتبہ ڈیون کے دادا ڈینیل اوکونل نے خواب میں دیکھا کہ وہ بگھی میں سوار ہے۔ بگھی بوسٹن میں اس کے خالہ زاد بھائی کے گھر میں داخل ہو جاتی ہے جہاں اس کی ماں ایک کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ کمزوری کے باعث وہ ڈینیل کو نہ پہچان سکی۔ اتنے میں ڈینیل کی دادی نے اسے جگایا اور کہا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ ڈینیل نے ریسیور اٹھایا.... بوسٹن سے اس کا خالہ زاد بھائی بول رہا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا، ڈینیل نے کہا:

”کیا تم مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ والدہ مر چکی ہے۔“

اس کا خالہ زاد بھائی دم بخود ہو گیا، کیونکہ بڑھیا کو فوت ہوئے مشکل سے پندرہ منٹ گزرے تھے اور اس نے سب سے پہلے ڈینیل کو فون کیا تھا۔

❖❖❖

ابراہم لنکن کا قتل

الیکشن کے نتائج کا اعلان ہو چکا تھا۔ ابراہم لنکن کو دوبارہ ملک کا صدر چن لیا گیا تھا۔ پارٹی کے مرکزی دفتر میں ہنگامہ خیز دن گزارنے کے بعد ابراہم لنکن فاتحانہ مسکراتے ہوئے وائٹ ہاؤس میں داخل ہوا، جونہی آرام کرنے کے لیے صوفے پر لیٹا، اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں سامنے دیوار پر لگے ہوئے قدم آدم آئینے پر مرکوز ہو گئیں۔ اسے آئینے میں اپنے دو چہرے دکھائی دیے۔ ایک انتہائی ہشاش بشاش اور تندرست اور دوسرا زرد اور بے جان۔ وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، عکس غائب ہو چکے تھے۔ وہ اپنے چہرے کے یہ خوابیدہ عکس پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ محسوس کیا، کوئی کہہ رہا ہے:

”صدارت کا دوسرا دور تمہاری ہلاکت کا دور ہو گا۔“

مارشل ہل مین نے بتایا کہ جب لنکن کو صدارت کے لیے دوبارہ نامزد کیا گیا اسے اپنی موت کا پورا یقین ہو گیا۔ اس نے اپنی نامزدگی کی خبر انتہائی خاموشی سے سنی۔ اس سے بھی زیادہ واضح اشارہ وہ خواب تھا جو لنکن نے اپنے قتل سے صرف ایک مہینہ پہلے دیکھا۔ اس نے اپنے دوستوں کو بتایا تھا کہ:

چند دن کی بات ہے، میں بہت دیر سے سویا، تھکاوٹ کے باعث مجھے جلد ہی نیند آگئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے دفتر میں تنہا بیٹھا ہوں، اچانک رونے اور سسکیاں بھرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں دفتر سے نکلا اور سیڑھیاں اتر کر

وائٹ ہاؤس کے ایک ایک کمرے میں گیا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ عجیب وغریب آوازیں اب بھی آرہی تھیں، کمروں کی بتیاں روشن تھیں، میرے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ یہ کون لوگ ہیں....؟ اور کیوں آہ وبکا کر رہے ہیں....؟ آخر میں گھومتا پھرتا مشرقی ہال کی طرف گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی میری نگاہ کمرے کے وسط میں رکھی ہوئی میت پر پڑی۔ میت کے چاروں طرف مسلح محافظ کھڑے تھے، میت کا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تھا.... چاروں طرف لوگوں کی بھیڑ تھی، کچھ لوگ رو رہے تے اور کچھ میت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک سپاہی سے پوچھا:

”مرنے والا کون ہے....؟“

سپاہی نے جواب دیا ”یہ صدر محترم کی لاش ہے، انہیں کسی نے قتل کردیا ہے“ اس کے بعد مجمع سے ایک شور اٹھا اور میری آنکھ کھل گئی۔

14 اپریل 1865ء کو شام کے سات بجے لنکن کے خصوصی محافظ کروک نے رخصت ہوتے وقت کہا ”صدر محترم، گڈنائٹ“

لنکن نے جواب میں کہا ”خدا حافظ۔“

گھر جاتے ہوئے کروک کو دفعتاً خیال آیا۔ آج صدر نے خلاف معمول، خدا حافظ، کیوں کہا، حالانکہ وہ ہمیشہ گڈنائٹ، کہتے تھے، ٹھیک تین گھنٹے بعد کروک کی گتھی سلجھ گئی۔ لنکن کو گولی ماردی گئی تھی۔

❖❖❖

سمندری طوفان میں مدد

ہیرلڈ اور اس کے دوست جیک نے چھٹیاں اکٹھے گزارنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے پکنک اور مچھلی کے شکار کا پروگرام بنایا۔ تیاریاں مکمل ہوگئیں، مگر عین روانگی کے وقت موسم خراب ہوگیا۔ ہیرلڈ کی بیوی نے اپنے شوہر کو شکار پر جانے سے روکا اور پروگرام ملتوی کرنے کی التجا کی۔ ادھر جیک کی بیوی نے بھی اپنے شوہر کو روکا۔ محکمہ موسمیات نے طوفان آنے کی خبر دی تھی، اس کا ذکر کیا، اپنی محبت کا واسطہ دیا، مگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ مانا اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ موسم اور زیادہ خراب ہوگیا، تاہم وہ آہستہ آہستہ پورٹ واشنگٹن کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

”گزشتہ رات مجھے ذرا بھی نیند نہیں آئی“ ہیرلڈ نے اونگھتے ہوئے کہا۔

”جانے کیوں، میرا بھی یہی حال رہا۔“ جیک کار کا اسٹیرنگ گھماتے ہوئے بولا:

ساحل پر پہنچ کر وہ ملاحوں کے پاس گئے۔ ملاحوں نے بتایا کہ سمندر میں سخت طوفان آنے والا ہے، اس لیے مچھلی کا شکار خطرے سے خالی نہیں، لیکن ہیرلڈ اور جیک نے اس انتباہ پر بھی کان نہ دھرے۔ موٹربوٹ کرائے پر لی اور سمندر کی لہروں سے نبرد آزما ہوگئے۔ جس جگہ وہ سفر کر رہے تھے وہاں ساحل بل کھاتا ہوا انگریزی لفظ یو (U) کی شکل بناتا تھا۔ انہوں نے موٹر بوٹ کا رخ سامنے کے ساحل کی طرف موڑ دیا.... ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ طوفان نے آلیا۔ موٹربوٹ ہچکولے کھانے لگی۔ لہروں کے خوفناک تھپیڑے موٹربوٹ کو گیند کی طرح ادھر ادھر اچھال رہے تھے۔ انہوں نے واپس جانے کی کوشش کی، لیکن موٹربوٹ گرداب سے نہ نکل سکی۔ دفعتاً ہیرلڈ اونگھنے لگا جیک نے جھنجھوڑ کر

اسے جگایا اور چوکس ہو کر کشتی چلانے کی تلقین کی۔
در حقیقت ہیرلڈ اونگھ نہیں رہا تھا بلکہ جاگتے میں خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر دو شخص سمندر میں ڈوب رہے ہیں، ان کی موٹر بوٹ الٹ چکی ہے اور وہ غوطے کھا رہے ہیں۔ ہیرلڈ کے دل میں اس خواب کی سچائی اس قدر جاگزیں ہوگئی کہ اس نے موٹر بوٹ کا رخ کھلے سمندر کی طرف موڑ دیا۔ اچانک ہیرلڈ نے دیکھا کچھ فاصلے پر کوئی سیاہ سی چیز تیر رہی ہے۔ واقعتاً ایک شخص غوطے کھا رہا تھا۔ جیک نے کود کر اسے پانی سے باہر نکالا اور موٹر بوٹ میں لٹا دیا۔ دو تین منٹ کے بعد اس شخص کو ہوش آگیا۔ اس نے بتایا وہ اپنے ایک دوست کے ہمراہ مچھلی کا شکار کر رہا تھا کہ ان کی کشتی الٹ گئی اور وہ دونوں سمندر میں گر گئے۔ ہیرلڈ نے یہ سنتے ہی دوسرے شخص کی تلاش شروع کردی۔ تقریباً ایک میل کے فاصلے پر کشتی مل گئی۔ کانٹے سے بندھی ہوئی ڈوری کشتی کے انجن میں پھنس گئی تھی۔ اسی ڈوری نے دوسرے شکاری کو بچالیا، اس کی مدد سے وہ کشتی کا سہارا لینے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسرا شکاری کشتی پر سوار ہوا، تو ہیرلڈ نے کہا: "جیک، اب ہمیں واپس چلنا چاہیے، شاید قدرت ہمیں ان لوگوں کی جان بچانے کے لیے کھینچ لائی تھی۔"

❖❖❖
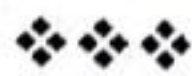
گھوڑوں پر دو انسانی ڈھانچے

امریکہ کے سابق صدر جان ٹیلر کی بیوی جولیا کے خواب بھی اس سلسلے میں خاصے دلچسپ ہیں:
28 فروری 1844ء کو بحریہ کی طرف سے نئے جنگی جہاز "پرنسٹن" کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی جس میں صدر سمیت بہت سے اعلیٰ افسروں اور غیر ملکی نمائندوں نے شرکت کی۔ تقریب کا اہتمام جہاز کے عرشے پر کیا گیا تھا۔ جولیا اور بحری وزیر کی بیوی این بھی مدعو تھیں۔ تقریب سے چند گھنٹے قبل جولیا نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک جنگی جہاز کے عرشے پر کھڑی ہے۔ اچانک دو سفید گھوڑے اس کی طرف لپکتے ہیں۔ گھوڑوں پر دو انسانی ڈھانچے سوار ہیں، کھوپڑی کی بناوٹ سے ایک اس کے باپ کا ڈھانچا لگتا ہے۔ جولیا گھبرا کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی اپنے باپ کے پاس گئی، لیکن وہ خواب سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا:
"خواب ہمیشہ اعصابی کمزوری کی علامت ہوتے ہیں، ان پر یقین کیا جائے، تو دنیا کے سب کام رُک جائیں۔"
تقریب مقررہ وقت پر منعقد ہوئی۔ سب لوگ جہاز کی پیچیدہ اور جدید ترین مشینری کو دیکھ کر سائنس دانوں کی تعریف کر رہے تے۔ دعوت کے بعد جہاز میں نصب شدہ توپوں کا عملی مظاہرہ شروع ہوا۔ جونہی امن پسند، نامی توپ نے دوہزار پونڈ وزنی گولہ داغا، اس کی نال پھٹ گئی اور وزیر جنگ تھامس اور جولیا کے باپ کے پرخچے اڑ گئے۔ جولیا کی شادی کے تھوڑے عرصے بعد اس کا خاوند امریکہ کا صدر بن گیا۔ 1862ء میں وہ رچمانڈ کے پارٹی کنوینشن میں شریک تھا۔ جولیا نے خواب میں دیکھا، اس کا خاوند سخت تکلیف میں ہے۔ ان دنوں ڈاک اور تار کا انتظام انتہائی سست تھا۔ لاچار جولیا نے اپنے نوزائیدہ بچے اور نرس کو ساتھ لیا اور کشتی کے ذریعے رچمانڈ کی طرف روانہ ہوگئی۔ سفر کے دوران میں وہ کئی مرتبہ بے ہوش ہوئی اور سخت پریشانی کے عالم میں

رچمانڈ پہنچی۔ اس کا خاوند بالکل ٹھیک ٹھاک اور خوش و خرم تھا۔ جولیا نے اپنا خواب بیان کیا، تو ٹیلر نے خوب مذاق اڑایا، لیکن جولیا کے دل کی کھٹک دور نہ ہوئی۔ انجانا خوف اس کے اعصاب پر سوار تھا۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ ہوٹل ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اگلی صبح ٹیلر ناشتے سے فارغ ہو کر ہوٹل کے نچلے حصے میں گیا اور جولیا کونیشن میں شرکت کے لیے تیار ہونے لگی۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ٹیلر لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا اس کا ہاتھ اپنے دل پر تھا اور رنگ پیلا زرد۔ دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا اور ٹیلر اسی شام مر گیا۔

❖❖❖

میک اپ روم میں قتل

رملا کو کثرت سے خواب نظر آتے تھے۔ اس کے خواب تفصیلات کی حد تک سچے ثابت ہوتے تھے۔ خوابوں کی کثرت نے اس کے والدین کو تشویش میں مبتلا کر دیا، چنانچہ وہ اسے ایک ماہر نفسیات داکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے اعصابی کمزوری کا نفسیاتی اور طبی علاج تجویز کیا، لیکن خواب پھر بھی کم نہ ہوئے۔

ایک رات رملا نے خواب میں دیکھا، اس کی ماں جو ہنگری کی سب سے بڑی فلمی اداکارہ تھی اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی ہے۔ اچانک ایک چھوٹے سے قد کی عورت اندر داخل ہوئی اور آتے ہی پستول سے گولی چلادی۔ گولی رملا کی ماں کو لگی اور وہ گر پڑی۔

اس بھیانک خواب کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بھاگتی ہوئی اپنی ماں کے کمرے میں پہنچی۔ اس نے اپنی ماں اور سوتیلے باپ کو خواب سنایا، اس دوران وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ ماں نے مسکراتے ہوئے رملا کو اپنے ساتھ لٹالیا۔

صبح آٹھ بجے رملا کی ماں تھیٹر جانے کے لیے تیار ہوئی۔ ابھی وہ میک اپ میں مصروف تھی کہ گھر والوں کو گولی چلنے کی آواز اور ایک چیخ سنائی دی۔ تمام لوگ میک اپ کے کمرے کی طرف بھاگے۔ رملا کی ماں خون میں لت پت فرش پر تڑپ رہی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ میں کنگھی پکڑ رکھی تھی۔ قاتلہ گھر کی ایک پستہ قد خادمہ تھی جسے چند روز پہلے رملا کی ماں نے نوکری سے جواب دے دیا تھا۔

❖❖❖

جاسوسی کے الزام میں موت کی سزا

کنگھم اپنے دوست نیوٹن کے ہمراہ اپنے چچا سیوارڈ کے ہاں مقیم تھا۔ سیوارڈ کی دو بیٹیاں تھیں اینا اور ہانورا.... آندرے نامی ایک نوجوان فوجی افسر ہانورا سے شادی کا خواہش مند تھا۔ آندرے، کنگھم کی موجودگی میں ہانورا کو رضا مند کرنے کے لیے سیوارڈ کے ہاں ٹھہرا۔ جس روز ہانورا نے شادی سے انکار کیا۔ اسی رات کنگھم نے خواب دیکھا کہ آندرے ایک نامعلوم مقام پر تین فوجیوں کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ جامہ تلاشی کے بعد اس کی جرابوں میں سے خفیہ کاغذات بر آمد ہوئے، چنانچہ اسے جاسوسی کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا....

صبح اٹھتے ہی کنگھم نے یہ خواب سب لوگوں کو سنایا۔

1774ء میں آندرے امریکہ کے کلاف لڑنے کے لیے نیویارک گیا۔ اسی دوران میں امریکی جرنیل

آرنلڈ نے برطانوی کمانڈر کو امریکی فوج کے خفیہ راز اور مغربی محاذ کی تفصیلات مہیا کرنے کی پیش کش کی۔ آرنلڈ جارج واشگٹن کا خاص معتمد اور امریکی فوج کا دوسرا بڑا جرنیل تھا۔ سارا ٹوگا کی فتح کا سہرا اسی کے سر تھا۔ آرنلڈ کا پیغام لانے والا شخص چونکہ انتہائی ذمہ دار تھا۔ اس لیے برطانوی کمانڈ ہنری کلنٹن نے ہ آرنلڈ سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ آرنلڈ سے ملنے کا فرض آندرے کو سونپا گیا۔

جنرل آرنلڈ جوئے اور شراب کا رسیا تھا۔ امریکہ کے چند بڑے بڑے لوگوں سے اس نے قرض لے رکھا تھا۔ لاکھوں ڈالر کا قرض ادا کرنا اس کے لیے ناممکن تھا، چنانچہ اس نے امریکہ کے جنگی راز برطانیہ کے ہاتھ فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میجر آندرے بحری جہاز کے ذریعے چوری چھپے رات کے وقت مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ جنرل آرنلڈ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس نے مطلوبہ رقم کے عوض خفیہ اطلاعات اور دستاویزات آندرے کے حوالے کردیں۔ اسی اثنا میں امریکی سپاہیوں نے آندرے کا جہاز دیکھ لیا اور اس پر فائرنگ شروع کردی۔ جہاز کا کپتان آندرے کا انتظار کیے بغیر جہاز کو بھگا لے گیا۔ آندرے نے یہ صورتحال دیکھی، تو فوجی لباس اتار دیا اور عام لباس پہن کر خفیہ کاغذات جرابوں اور بوٹوں میں چھپالیے۔ وہ چھپتا چھپاتا نیویارک کی طرف چل دیا۔ اک جگہ ڈیوٹی پر موجود امریکی سپاہیوں نے اسے روکا۔ انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ وہ درحقیقت برطانوی سپاہی ہیں اور امریکی سپاہیوں کے بھیس میں جاسوسی کر رہے ہیں۔ آندرے اپنے اعصاب کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اس نے اپنی اصلیت ظاہر کردی۔ امریکی سپاہیوں نے اسے فوراً گرفتار کرلیا۔ تلاشی لینے پر اس کے بوٹوں سے خفیہ دستاویزات برآمد ہوئیں۔ وہ اس کو امریکی کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر نے جنرل آرنلڈ کے ہاتھ لکھے ہوئے کاغذات دیکھے تو ششدر رہ گیا۔ اس نے فوراً جارج واشگٹن سے رابطہ قائم کیا، لیکن آرنلڈ اس سے پہلے ہی فرار ہو کر نیویارک میں برطانوی فوج کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا تھا۔ آندرے پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور اس کو موت کی سزا دی گئی۔

❄

غیر صحت بخش غذا کھانے پر بجلی کا جھٹکا لگے گا

بجلی کے جھٹکے سے موٹاپا روکنے کی ٹیکنالوجی تیار کرلی گئی ہے۔ منیش سیٹھی نامی سائنسدان نے کلائی پر پہننے والی ایک ایسی پٹی تیار کی ہے جو غیر صحت بخش غذاؤں یا ضرورت سے زائد کھانے کی صورت میں بازہ پر بجلی کا جھٹکا لگائے گی اور یوں رفتہ رفتہ دماغ میں یہ بات محفوظ ہو جائے گی کہ مضر صحت یا ضرورت سے زائد کھانے سے بچنا ضروری ہے۔ سائنسدان کا کہنا ہے کہ اس پٹی کی تیاری مشہور ماہر نفسیات پاولود کے کلاسیکل کنڈیشننگ کے اصول کے مطابق کی گئی ہے جس میں منفی سرگرمیوں کو ناپسندیدہ محرک کے استعمال سے ختم کیا جاتا ہے۔ اس برقی پٹی کو "پیولوک" کا نام دیا گیا ہے۔

1. نمک کا صحرا
2. پر اسرار چٹانیں
3. سفید اور سیاہ صحرا
4. چاکلیٹی پہاڑ
5. بحیرۂ مردار
6. مونو منٹ ویلی
7. خونی درخت
8. ابلتے گرم چشمے
9. صحرائی جھیل
10. جزیرہ ہوائی
11. نیلے پہاڑ
12. خون رنگ آبشار

دنیا کے دلچسپ اور دلکش، عجیب اور پُراسرار مقامات

ہماری دنیا قدرت کے عجوبوں سے بھری پڑی ہے یہ عجوبے انتہائی دلکش اور مسحور کن بھی ہیں اور عجیب وغریب بھی۔ قدرت کی حیرت انگیز صناعی اور محیر العقول مناظر نوع انسانی کو حیران کیے ہوئے ہے۔ دنیا میں ایسے مناظر اور ایسے مقامات کی کمی نہیں جن کا مشاہدہ کرنے والے افراد حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ بعض مقامات بھی ہیں جن کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم کوئی پینٹنگ دیکھ رہے ہوں یا پھر کسی سائنس فکشن مووی کا منظر ہو۔ اسی طرح دنیا میں ایسے پراسرار مقامات کی کمی نہیں جن کے وجود میں آنے کی توجیح آج تک تلاش کی جارہی ہے۔

انہیں عجوبوں میں سے چند پراسرار ترین کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ یہ عجیب مقامات نا صرف خوبصورت اور حسین ہیں، بلکہ انتہائی پراسرار اور ناقابل یقین بھی ہیں اور ان کے بارے میں لوگ زیادہ جانتے بھی نہیں۔

نمک کا صحرا

فہرست میں جنوبی امریکی ملک بولیویا **Bolivia** کے جنوب مغرب میں واقع دنیا کا سب سے بڑا نمک کا صحرا یا سب سے بڑی نمکیاتی دلدل **Salt Flat** کا تذکرہ سب سے پہلے آتا ہے، جس کا نام سالار دی یویونی

سالار دی یویونی، بولیویا

Salar de Uyuni ہے۔

بولیویا میں واقع نمک کا یہ صحرا سطح سمندر سے 3600 میٹر بلندی پر واقع ہے۔اس کی بیرونی سطح دس ہزار سال پہلے ایک جھیل کے سوکھنے کی وجہ سے قائم ہوئی تھی۔ اس جھیل کو دنیا کی سب سے بڑی نمکین پانی کی جھیل قرار دیا گیا- دس ہزار 582 مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلی یہ نمکیاتی دلدل جنوبی امریکہ میں واقع اس ملک کے جنوب مغرب میں خلیج اینڈس کے قریب واقع ہے۔ سطح سمندر سے گیارہ ہزار 995 فٹ بلندی پر واقع یہ دلدلی قلعہ کئی قدیم جھیلوں کی یادگار ہے۔

حیران کن اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں نمک کی موٹی تہیں جم چکی ہیں جن پر آپ چل بھی سکتے ہیں، اور دیکھنے میں ایسا لگتا ہے جیسے آپ پانی پر ہی چل رہے ہوں- پانی سوکھنے کے بعد دیکھنے میں نمک کا ایک طویل صحرا نظر آتی ہے، اس کی سطح سخت ترین نمکیاتی تہہ پر مشتمل ہے۔ اس کی سطح نہ صرف بالکل ہموار ہے بلکہ ہر ایک میٹر کے بعد اس میں دراڑ نظر آتی ہے۔ دیکھنے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سطح زمین پر کسی نے نہایت مہارت اور ہنر مندی سے ٹائلز نصب کر رکھے ہیں۔

پراسرار چٹانیں

ترکی کے علاقے کپاڈوکیہ Cappadocia کے شہر جوریم Göreme میں واقع پُراسرار چٹانیں بھی دیکھنے والے کو حیران کر دیتی ہیں۔ پریوں کے آتش کدے اور فیئری چمنی Fairy's Chimneys کے

فیئری چمنی، ترکی

سفید صحرا، مصر

سیاہ صحرا، مصر

نام سے موسوم یہ چٹانیں قامت میں طویل اور گول مخروطی شکل میں قائم ہیں۔ سطح زمین کے قریب ان کا قطر زیادہ ہے اور بلندی پر مخروطی انداز میں ان کا قطر کم ہو جاتا ہے۔ تمام چٹانوں میں حیرت انگیز طور پر مشابہت ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے انہیں ہاتھ سے تراشا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آتش فشانی مادہ پر مشتمل کونز نما ان چمنیوں کے زیادہ تر سوراخ بارش اور ہوا سے وجود میں آئے اور بعض انسانوں نے خود تراشے.... رومی دور 300 تا 1200 عیسوی کے درمیان ان چمنیوں کو کلیسا کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ لوگ ان سوراخوں میں موم بتیاں اور چراغ جلاتے تھے۔ آج بھی پریوں کی چمنیوں، چٹانوں کے اندر بنے ہوئے کلیسوں اور زیرزمین شہروں کی وجہ سے مشہور اس تاریخی اور سیاحتی علاقے کپاڈوکیہ کو دیکھنے دنیا بھر سے ہر سال لاکھوں سیاح ترکی سے آتے ہیں۔

سفید صحرا

دنیا کی پراسرار جگہوں میں مغربی مصر میں فرافرہ Farafra کے مقام پر موجود سفید صحرا (الصحراء البیضاء) White Desert کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ افریقہ میں واقع صحارا ریگستان دنیا کا وسیع و عریض واقع صحرا قرار دیا جاتا ہے۔ مگر مصر میں واقع صحرائی قطعہ سفید اور ہلکی پیلاہٹ کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ اس رنگ کی توجیح سامنے نہیں آسکی ہے۔ یہاں آتش فشانی سرگرمیوں کی وجہ سے چونے کی چٹانیں بھی وجود میں آتی رہی ہیں۔ اپنی انوکھی رنگت کی وجہ سے مصری باشندے یہاں خیموں میں رات گزارنے کے لیے پکنک کی غرض سے بکثرت آتے ہیں۔

سیاہ صحرا

دنیا کے اسرار بھرے مقامات میں مصر کا ہی ایک اور صحرا بھی شامل ہے۔ سیاہ صحرا (الصحراء السوداء) مصر کے مغرب میں 150 کلومیٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے اور سفید صحرا سے سو کلومیٹر دور ہے، اپنے نام کی مناسبت سے، صحرا مکمل سیاہ تو نہیں بلکہ اسی کی رنگت سیاہی مائل اور گہری ہے، زمین پر یہ ایسی سیاہ رنگت ہے جو دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔ یہاں پہنچ کر لوگوں کو ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم کسی دوسرے

سیارے کی سطح پر کھڑے ہیں۔

بحیرۂ مردار

مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع بحیرہ مردار (البحر المیت) Dead Sea بھی اسی فہرست کا حصہ ہے، بحیرہ مردار ہزاروں سالوں سے بحیرہ روم کے گرد بسنے والے سیاحوں کے لیے انتہائی پرکشش مقام ہے۔ جس میں نمکیات کا تناسب اتنا زیادہ ہے کہ بہت زیادہ شوریدگی کے باعث اس میں کوئی آبی حیوانات اور پودے نہیں پائے جاتے جبکہ اس میں کوئی انسان ڈوب بھی نہیں سکتا۔ بحیرۂ مردار کا پانی اتنا کثیف ہے کہ کوئی اس میں ڈوبتا ہی نہیں بلکہ سطح آب پر ایسے تیرتا ہے جیسے کوئی کشتی کھلی چھوڑ دی گئی ہو۔

بحیرہ مردار دنیا کی سب سے نمکین جھیل جس کے مغرب میں مغربی کنارہ اور اسرائیل اور مشرق میں اردن واقع ہے۔ یہ زمین پر سطح سمندر سے سب سے نچلا مقام ہے جو 420 میٹر (1378 فٹ) نیچے واقع ہے۔ علاوہ ازیں یہ دنیا کی سب سے گہری نمکین پانی کی جھیل بھی ہے، جس کی گہرائی 330 میٹر (1083 فٹ) ہے۔ بحیرہ مردار 67 کلومیٹر (42 میل) طویل اور زیادہ سے زیادہ 18 کلومیٹر (11 میل) عریض ہے۔ اسے بحیرہ نمک بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا پانی نمکین ہے۔ 30 فیصد شوریدگی کے ساتھ یہ سمندر سے 8 اعشاریہ 6 گنا زیادہ نمکین ہے۔ اپنے حجم کی مناسبت سے اسے بحیرہ کے بجائے جھیل قرار دیا جاسکتا ہے۔

بحیرۂ مردار، مشرق وسطیٰ
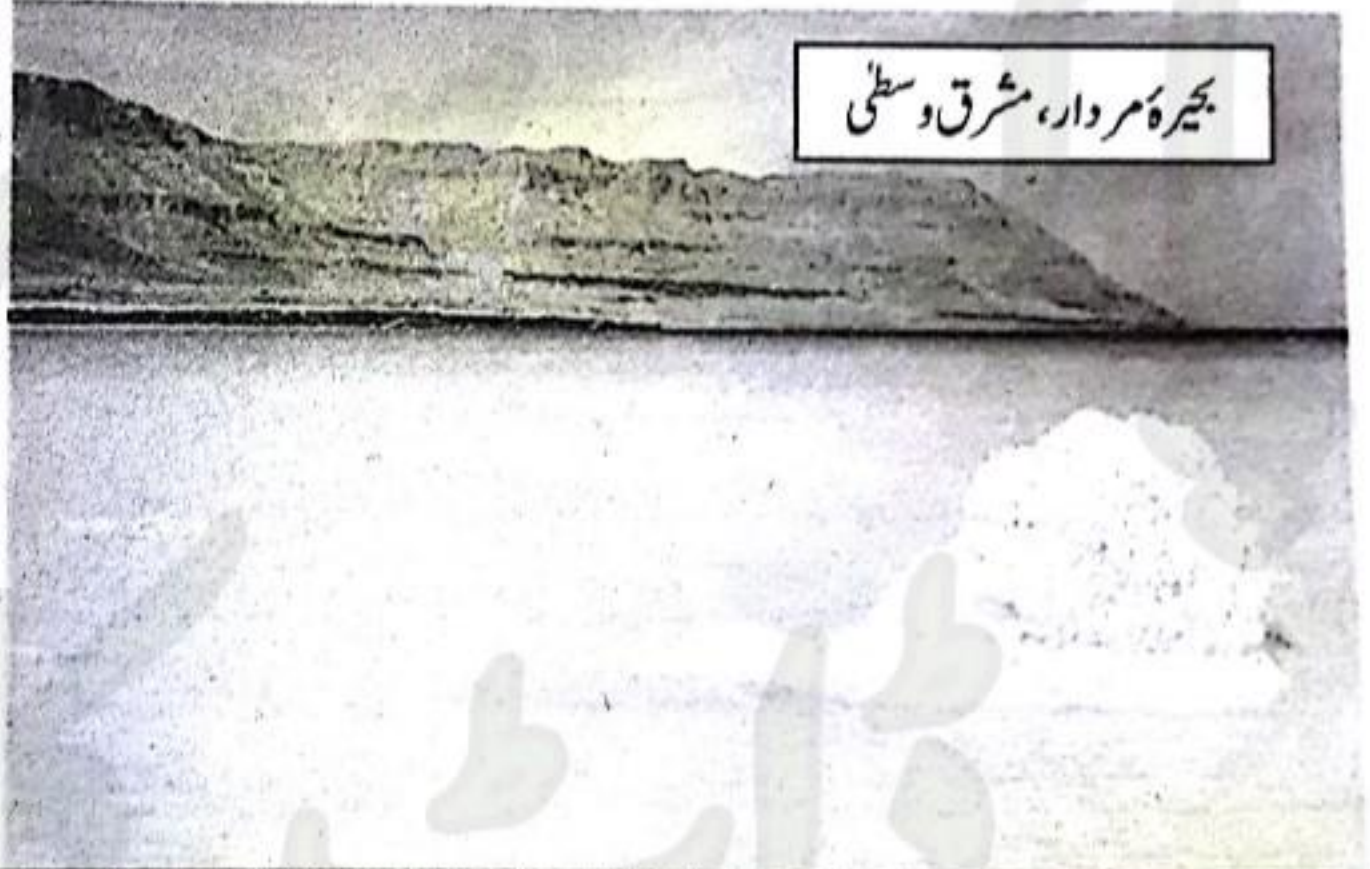
چاکلیٹی پہاڑ
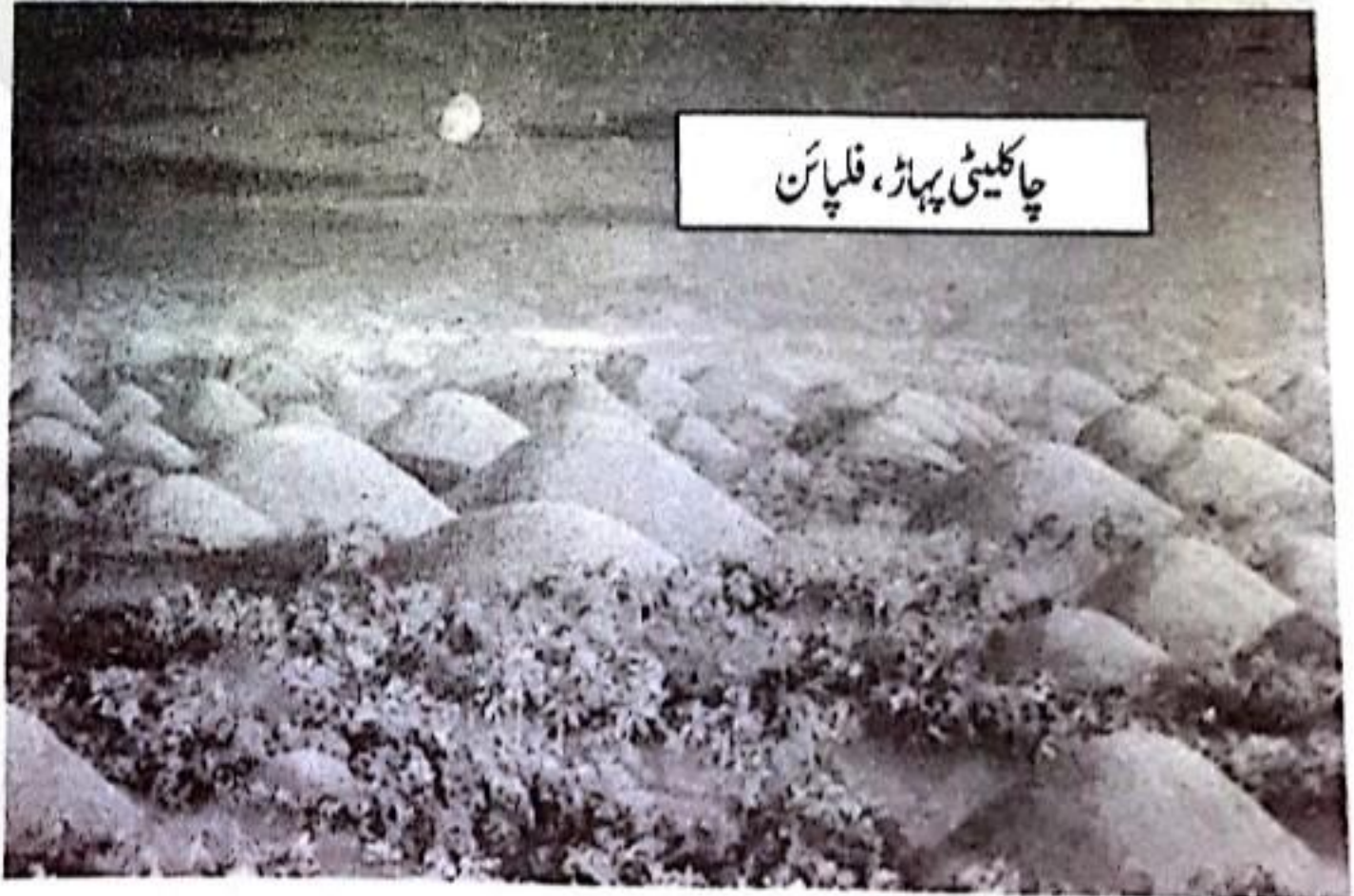
فلپائن Philippine کے صوبہ بوہول Bohol Province کی چاکلیٹی پہاڑیوں کو بھی ارضیاتی ماہر پُراسرار جگہ قرار دیتے ہیں۔ یہ پچاس مربع کلومیٹر کے علاقے میں پھیلا 1776 پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ پہاڑیاں سبزے سے ڈھکی رہتی ہیں مگر خشک موسم میں ان پر اگنے والی گھاس پھونس بھورے رنگ میں بدل جاتی ہے۔ اس مخیر

چاکلیٹی پہاڑ، فلپائن

مونومینٹ ویلی، امریکہ

العقول قدرتی مظہر کا مشاہدہ کرنے کے لیے دنیا بھر سے بڑی تعداد میں سیاح فلپائن کا رخ کرتے ہیں۔

مونومنٹ ویلی

امریکہ کی ریاست یوٹا، ایری زونا، کولوریڈو اور نیو میکسیکو کی سرحد پر سطح مرتفع میں واقع وسیع و عریض وادی "مونومینٹ ویلی" Monument Valley قدرتی طور پر اس طرح تراشیدہ چٹانوں سے گھری ہے جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس کو گھیرے میں لینے والی بعض چٹانوں کی اونچائی ایک ہزار فٹ تک بلند ہے۔ مونومنٹ ویلی کا ٹرائبل پارک 37 ہزار دو سو ہیکٹر زمین پر واقع ہے جس میں یوٹا۔ ایری زونا سرحد پر برسات کے پانی کے یکجا ہو جانے سے بننے والی بڑی بڑی جھیلیں، برجیاں اور سنگی محرابیں پھیلی ہوئی ہیں۔

یہ وادی نواہو Navajo ریڈ انڈینز قبیلے کی ملکیت ہے، انیسویں صدی کے دوران اس وادی میں آکر بس جانے والے سفید فام لوگوں نے مونومنٹ ویلی کے خطے کو عمومی لحاظ سے ریگستانی علاقہ سمجھا۔ جہاں تک نگاہ جاتی ہے ہر طرف ریتیلے پتھر کی پہاڑیاں ہی نظر آتی ہیں۔ کہیں کہیں دیودار کے پودے نظر آجاتے ہیں ورنہ اس کے سوا کہیں کوئی سایہ یا سبزہ نہیں ہے۔ انہوں نے اس علاقے کو بدصورت اور متروک قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ وادی امریکہ میں سب سے زیادہ جانا پہچانا منظر بن گئی ہے، اس خاموش اور پرسکون وادی کے مستطیل نما سُرخ سنگی پہاڑیوں کا منظر ہالی ووڈ کی ماضی کی یادگار فلموں میں خوب نظر آتا ہے مگر بڑی تعداد میں سیاحوں کی نگاہوں سے اب بھی اوجھل ہے۔

اُبلتے ہوئے گرم پانی کے چشمے

امریکہ کی ریاست نیواڈا Nevada میں گرم پانی کے قدرتی طور پر ابلتے چشمے Hot Spring بھی اپنی جگہ آپ ایک مثال ہیں، جس کے بارے میں جب تک

گرم چشمہ، نیوادا (امریکہ)

آنکھ سے دیکھ لیا جائے یقین ہی نہیں آتا یہ علاقہ ایک نجی کمپنی کی ملکیت میں ہے جس کے بارے میں دنیا کو بہت بعد میں آگاہی ہوئی، لوگوں کی علاقے تک رسائی روکنے کے لیے مالک نے علاقے کے گرد خاردار تاروں کی باڑ لگا رکھی ہے اور صرف دور سے ان ابلتے چشموں کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

صحرائی جھیل

افریقی ملک کینیا کے شمال مشرقی صوبے کی ترکانا جھیل بھی پُراسراریت سے لبریز ہے، جھیل ٹرکانا Lake Turkana کینیا میں واقع ایک عظیم وادی شق کا حصہ ہے۔ اس کا شمالی حصہ حبشہ سے جاملتا ہے۔ یہ 6405 مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہے جو اسے دنیا کی سب سے بڑی دائمی صحرائی جھیل بناتی ہے۔ جھیل کی اوسط گہرائی 30.2 میٹر اور زیادہ سے زیادہ گہرائی 109 میٹر ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ بحیرۂ قزوین، اسیک کول اور سکڑتے ہوئے بحیرۂ ارال کے بعد دنیا کی چوتھی سب سے بڑی نمکین جھیل ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی قلوی (الکلائن) جھیل بھی ہے۔ تین دریا اس جھیل میں گرتے ہیں لیکن اس سے کوئی دریا نہیں نکلتا۔ اس لیے جھیل سے پانی کے اخراج کا واحد راستہ عمل تبخیر ہے۔ جھیل کے اندر موجود جزائر اسے اور خوبصورت بناتے ہیں۔ جھیل اور ملحقہ علاقہ دور دراز ہونے کے باعث اب تک انسانی دست برد سے محفوظ ہے۔ یہ جھیل ہے جو ہر طرف سے چٹانوں میں گھری ہوئی ہے یہ چٹانیں آتش فشانی سرگرمیوں سے معروض وجود میں آئی ہیں۔ اس علاقے کا موسم نہایت گرم اور خشک ہے اور عام طور پر درجۂ حرارت 45 ڈگری سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔
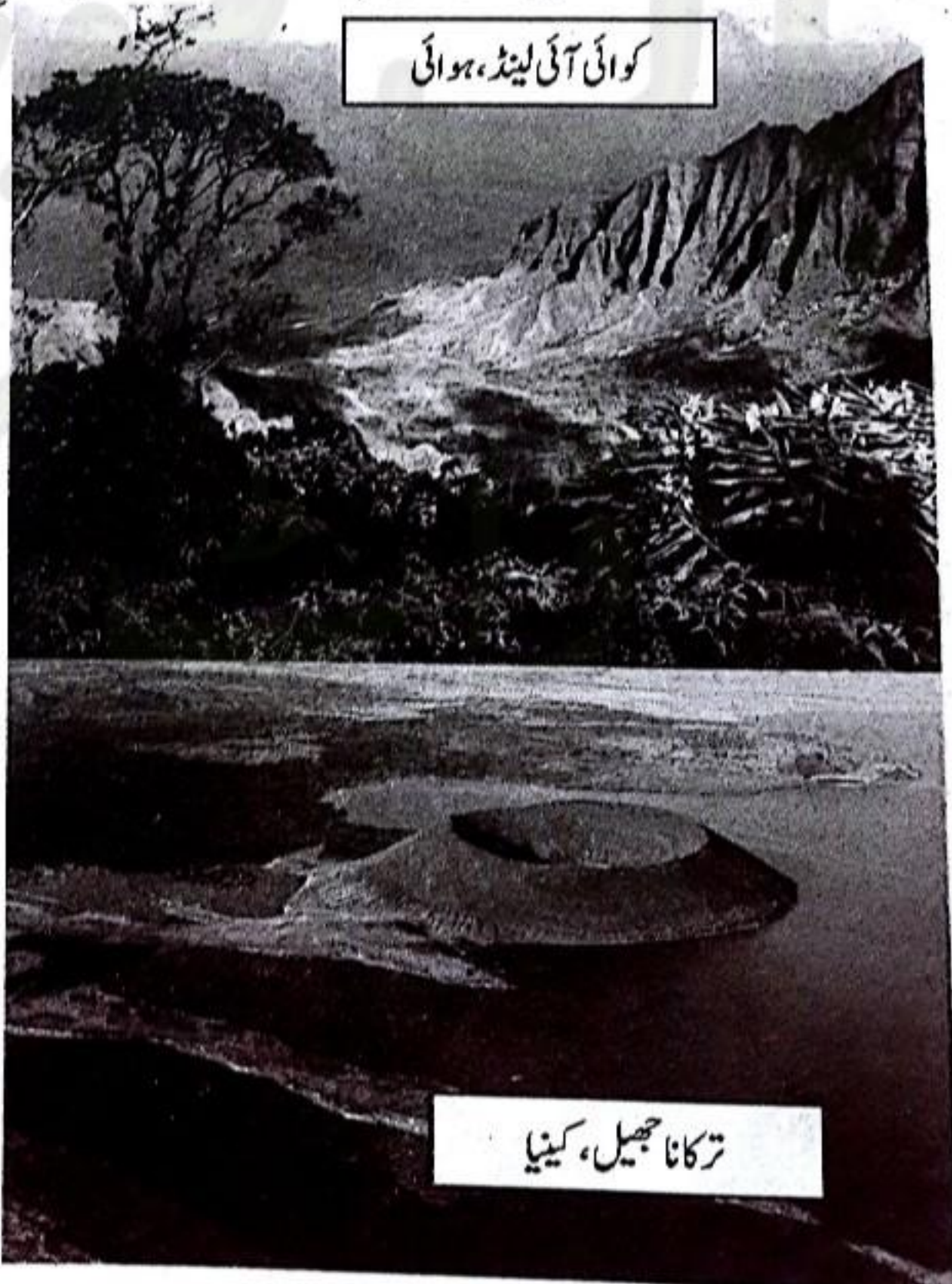
کوائی آئی لینڈ، ہوائی

ترکانا جھیل، کینیا

جزیرہ ہوائی

امریکہ کے بحر الکاہل میں واقع دور افتادہ جزیرے ہوائی کا بھی تذکرہ کرتے چلیں۔ ہوائی ریاستہائے متحدہ امریکہ کی 50 ویں ریاست ہے جو امریکہ کی دیگر ریاستوں سے دور بحر الکاہل کے وسط میں واقع ہے۔ جزائر کی یہ کڑی آتش فشانوں کے نتیجے میں وجود میں آئی جن میں سب سے حسین سرسبز وشاداب جزیرہ کوائی ہے۔

کوائی جزیرہ قدرتی حسن میں اپنی

ڈریگن بلڈ، یمن

مثال آپ ہے جہاں قدرتی طور پر جھیلوں، آبشاروں اور قدرتی حسن کے ایسے نظارے موجود ہیں جن کی حالت دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ اسے انتہائی خطیر سرمایہ لگا کر انسانی وسائل کے استعمال سے تعمیر کیا گیا ہے، اس کے ساحل انتہائی پُرکشش ہیں اور مقامی افراد اسے کو جنت کا ٹکڑا قرار دیتے ہیں۔ جزیرے کے حقیقی باشندے پولینیشیائی ہیں لیکن غیر ملکیوں کی مسلسل آمد کے باعث اب یہ کل آبادی کا صرف 2 فیصد رہ گئے ہیں۔

خونی درخت

بحر ہند میں یمن سے 250 کلومیٹر دور سقطرا جزیرے میں ڈریگن درختوں کی سرزمین بھی اسرار سے عاری نہیں ہے۔ یمن کے بعض جزائر میں دنیا کے لیے منفرد درخت اگتے ہیں، جسے وہاں دم العنقاء Dracaena cinnabari کہا جاتا ہے جسے دیکھ کر لگتا ہے کہ ایک دیو ہیکل چھتری زمین پر ایستادہ ہے۔

اس درخت کی خاص بات یہ ہے کہ اگر ان کی شاخ یا پتہ توڑا جائے یا اسکے تنے میں چھید کریں تو خون کی طرح سرخ رنگ کا پانی نکلتا ہے جس کے باعث اسے ڈریگن بلڈ والا درخت dragon blood tree کہا جاتا ہے۔ مقامی طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ زمانہ قدیم میں ان درختوں کو ڈریگن کے خون سے سینچا جاتا تھا۔

آج کل ان درختوں کے اجزاء ادویات سازی کے علاوہ جادو ٹونے میں استعمال ہوتے ہیں۔ مقامی لوگ اس پانی کو پینٹ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ جزیرے پر دو تین مختلف اقسام کے درخت موجود ہیں جن کے تنے بہت چوڑے ہیں اور چھوٹی چھوٹی شاخوں پر پھول لگے ہوتے ہیں۔

خونی آبشار، انٹار کٹیکا

جھیل میں سطح سے 400 میٹر (1300 فٹ) کی گہرائی پر بیکٹیریا بھی پائے جاتے ہیں جو اس قسم کے شدید ماحول میں بھی زندہ رہتے ہیں، جو کہ پانی میں پائے جانے والے لوہے اور گندھک کے ذریعے اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔
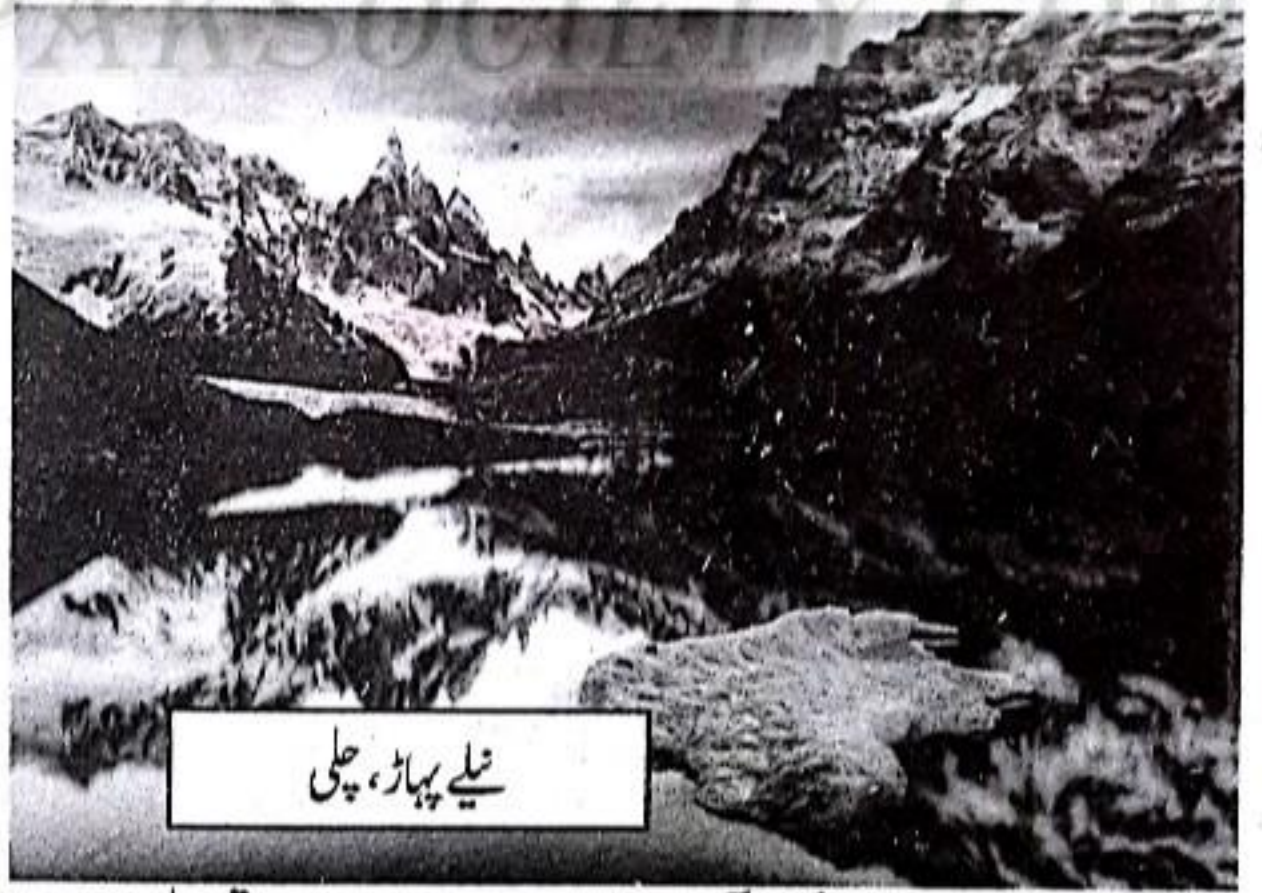
نیلے پہاڑ، چلی

نیلے رنگ کے پہاڑ

براعظم جنوبی امریکہ میں واقع چلی ایک ایسا ملک ہے جہاں زمین کا ایسا قطعہ واقع ہے جہاں ایک جھیل نیلے رنگ کے پہاڑوں سے گھری ہے، اس جھیل کے گرد پہاڑوں کے انوکھے رنگ ایسا سماں باندھتے ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ سیاح پریوں کے دس میں چلا آیا ہے۔

ٹورس ڈیل پین نیشنل پارک Torres del Paine National Park نامی پارک جنوبی امریکہ کے ملک چلی میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 242 ہیکٹر ہے۔ یہ پہاڑوں، گلیشیروں اور جھیلوں پر مشتمل ہے۔ یہ چلی کے بڑے پارکوں میں سے ایک ہے اور سب سے زیادہ لوگ اس کی سیر پر آتے ہیں۔ ہر سال تقریباً 150,000 لوگ اس کی سیر کرتے ہیں جن میں سے 60 فی صد غیر ملکی سیاح ہوتے ہیں۔

(جاری ہے)
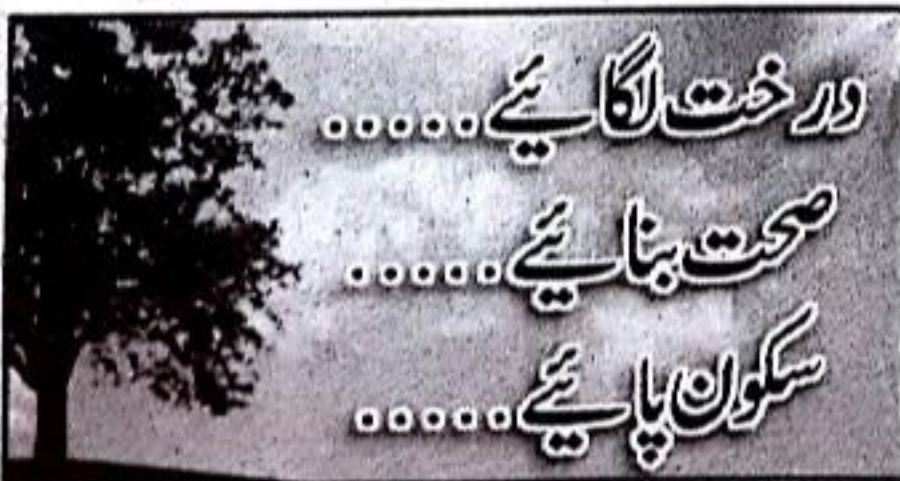
خون رنگ آبشار

بیشتر افراد خون بہتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے چاہے وہ کسی تصویر میں ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ٹیلر گلیشیر سے بہنے والا یہ خون کے رنگ کا آبشار ضرور ہر ایک متوجہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ قطب جنوبی کے ارد گرد برف کے صحرا انٹارکٹیکا میں کسی آبشار کا پایا جانا یقیناً حیرت کی بات ہے لیکن یہاں نہ صرف ایک سینکڑوں فٹ لمبا آبشار ہے بلکہ یہ دنیا کا واحد آبشار ہے جس کا رنگ خون جیسا سرخ ہے۔ انٹارکٹیکا کی میک مرڈو وادی میں پائے جانے والے اس آبشار کا نام Blood Fall (خون کا آبشار) ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ تقریباً 50 لاکھ سال پہلے اس علاقے میں نمک کی جھیل بن گئی جو آہستہ آہستہ برف کے تلے دبتی چلی گئی۔ اس کا پانی عام سمندری پانی سے تین گنا نمکین ہونے کی وجہ سے جم نہیں سکتا اور آبشار کی صورت میں برف سے باہر آتا رہتا ہے۔ چونکہ جھیل کی سطح پر آئرن موجود تھا لہٰذا جب پانی باہر آتا ہے تو اس میں آئرن بھی موجود ہوتا ہے جو آکسیجن کے ساتھ مل کر زنگ جیسا مادہ اور رنگ پیدا کر دیتا ہے جس سے یہ آبشار سرخ نظر آتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس

بیسویں صدی میں امت اسلامیہ کے علمی افق کو جن ستاروں نے تابناک کیا ان میں جرمن نومسلم صحافی محمد اسد (لیوپولڈ ویز Leopold Weiss) کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ محمد اسد کا تعلق یہودی خاندان سے تھا اور وہ جرمنی اور یورپ کے مؤقر ترین روزنامے میں صحافی کی خدمات انجام دے رہے تھے۔

1922ء میں انہوں نے ایک صحافی کی حیثیت سے عرب دنیا سفر کیا، سفر کے دوران ایک عرب ہم سفر کی دعوت پر عرب دنیا میں تین سال گذارے، یہ خود پسند اور اپنی ذات کے خول میں گم مغربی دنیا کے اس نوجوان کے لئے بڑا عجیب تجربہ تھا۔ اس نے عرب معاشرے میں باہمی تعلقات، بھائی چارے، محبت اور دکھ درد میں شرکت کو دیکھا تو حیران رہ گیا اور وہیں سے دل اسلام کی جانب راغب ہو گیا۔ واپسی پر قرآن مجید کا مطالعہ کیا اور سورۂ تکاثر ان کے قبول اسلام کا باعث بنی۔ انہوں نے برلن میں اسلام قبول کر لیا اور اپنا نام تبدیل کر کے محمد اسد رکھا۔

اسلامی فکر کی تفہیم اور دعوت میں آپ نے 66 سال صرف کیے۔ یوں تو محمد اسد کے کئی کتب تحریر کیں مگر نیویارک میں قیام کے دوران انہوں نے اپنی وہ کتاب تصنیف کی جس نے انہیں شہرت کے آسمان پر پہنچایا۔ ان کی مشہور کتاب دی روڈ ٹو مکہ Road to Mecca علمی، ادبی، تہذیبی ہر اعتبار سے ایک منفرد کارنامہ اور صدیوں زندہ رہنے والی سوغات ہے۔ روڈ ٹو مکہ بنیادی طور پر محمد اسد کی روحانی سرگذشت ہے جو گذشتہ نصف صدی سے ذوق و شوق سے پڑھی جا رہی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنا جسمانی اور روحانی سفر تفصیل سے بیان کیا۔ یہ کتاب دنیا کے تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے، بار بار شائع ہوئی اور اب بھی ہو رہی ہے کتنے ہی لوگ اسے پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ قارئین کرام کے ذوق کے لیے اس اثر آفرین کتاب کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

پیاس

محمد اسد

ہم دو آدمی سانڈنیوں پر اونگھتے اور ہچکولے کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ سورج ہمارے سر پر آگ برسا رہا ہے۔ حد نظر تک پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلے اس آگ میں دہک رہے ہیں، پورا صحرا سنسان اور خاموش ہے۔ میرے ساتھی کا نام زید ہے، وہ شمر قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ قبیلہ عظیم صحرا نفود کے مشرقی اور جنوبی کناروں پر رہتا ہے۔ نفود گویا زید کا گھر ہے۔ اس کے خون میں صحرا کی کیفیات رچی بسی ہیں اور اس کا دل ان کے ساتھ دھڑکتا ہے۔

ہم دونوں قصر شمین سے آ رہے ہیں، جہاں شاہ ابن سعود نے مجھے مدعو کیا تھا۔ اب ہماری منزل مقصود تیما ہے۔ تیما جس کا ذکر عہد نامہ عتیق میں یسعیاہ نے کیا ہے جس کے

پانی اور بڑے بڑے کنوؤں کا پورے عرب میں جواب نہ تھا۔ میں اس قدیم اور دور افتادہ نخلستان کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کاروانی راستہ بڑے چکر کھا کر جاتا ہے اور ہم عظیم صحرا نفود کا سینہ چیر کر سیدھے چلے جارہے ہیں۔

ہر طرف ریت ہی ریت ہے، سرخ باریک ریت۔ کہیں کوئی پگڈنڈی اور راستے کا نشان نہیں۔ صحرا میں چلنے والی ہوا خصوصی اہتمام کرتی ہے کہ کسی انسان یا جانور کے نقش پا باقی نہ رہیں جن سے راہگیر رہنمائی حاصل کرسکیں۔ کبھی سنگلاخ ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، کہیں وادیاں آجاتی ہیں اور پھر پہاڑیاں شروع ہوجاتی ہیں جن میں جہاں جہاں خشک بے روح کڑوی گھاس ہوا میں سرسراتی اور جھومتی نظر آتی ہے۔ راتیں ہم ستاروں کے نیچے گزارتے ہیں۔ دور دراز کی مسافت طے کرنے کے بعد کہیں کوئی کنواں بھی آجاتا ہے۔

چلتے چلتے ایک خرگوش نظر آتا ہے۔ زید سانڈنی سے اُترتا ہے اور لاٹھی لے کر خرگوش کے پیچھے دوڑتا ہے، مگر ایک جھاڑی کی جڑ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ ٹخنے میں شدید چوٹ آتی ہے، لنگڑاتے ہوئے اٹھتا ہے، شکار غائب ہوجاتا ہے اور ہم پھر چل پڑتے ہیں۔ گھنٹہ بھر کے اندر اندر زید کا ٹخنہ بڑی طرح سوج چکا ہے۔ ہم رک کر پڑاؤ ڈال دیتے ہیں۔ زید کی ساری رات بے چینی میں کٹتی ہے۔

علی الصبح آنکھ کھلتی ہے، تو زید کی سانڈنی دور دور تک کہیں نظر نہیں آتی۔ زید چلنے سے قاصر ہے۔ میں سانڈنی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہوں۔ مفرور سانڈنی کے نقوش پا بے کراں صحرا کے سینے پر دور تک چلے گئے ہیں۔ میں ان کی رہنمائی میں متواتر کئی گھنٹے چلتا رہتا ہوں، مگر بے سود.... اچانک طوفان آلیتا ہے، میں اپنی سانڈنی کو بٹھا دیتا ہوں۔ اور عبا سے اپنے آپ کو خوب اچھی طرح ڈھانپ کر اس کی بغل میں سر دیے کے بیٹھ جاتا ہوں۔ گاہے گاہے ہل جل کر اپنے اوپر جمع ہونے والی ریت کو گراتا رہتا ہوں تاکہ اس کے نیچے دب کر نہ رہ جاؤں۔

آخر طوفان تھم جاتا ہے، میں اپنا جسم جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔ ریت میں آدھی دبی ہوئی اونٹنی کو بھی اٹھاتا ہوں، لیکن اب میں صاف سپاٹ اچھوتی زمین پر کھڑا ہوں، نہ مفرور سانڈنی کے نقش پا باقی ہیں نہ میری اپنی سانڈنی کے۔ میرے گرد و پیش جو ٹیلے تھے، وہ سب اپنی جگہ بدل چکے ہیں۔

میں سورج کے اندازے سے پڑاؤ کا رخ کرتا ہوں۔ طوفان کی وجہ سے پیاس بھڑک اٹھتی ہے۔ "پڑاؤ کچھ دور نہیں، دو ایک گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔" میں یہ سوچتا ہوں اور مشکیزے کا پانی پیٹ بھر کر پی لیتا ہوں۔

چلتے چلتے تین گھنٹے گزر گئے ہیں، لیکن پڑاؤ کا کہیں نشان نہیں، تاہم چلتا رہتا ہوں، دو گھنٹے اور گزر جاتے ہیں، پھر یہ گھنٹے دنوں میں تبدیل ہونے لگتے ہیں۔ ایک دن، دو دن، تین دن۔ میں صحرا کی وسعتوں میں کھو چکا ہوں۔ پیاس کے مارے جان لبوں پر آگئی ہے۔ رات بھر چلنے کے بعد بے سکت ہو کر کاٹھی سے گر پڑتا ہوں، اونٹنی میرے قریب بیٹھ جاتی ہے۔ چوتھے دن کا سورج آگ برساتے ہوئے نکلتا ہے، بے پناہ گرمی اور پیاس سے میرے جسم کا رواں رواں جل رہا ہے، حلق تقریباً بند ہوچکا ہے، زبان کی گدی میں سوئیاں چبھ رہی ہیں، آسمان رفتہ رفتہ تاریک ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اچانک میرا ہاتھ کاٹھی کے ساتھ لٹکتی ہوئی بندوق سے ٹکراتا ہے۔ ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندتا ہے۔

صرف ایک گولی کافی رہے گی، ایک گولی۔

محمد اسد نے کتاب "روڈ ٹو مکہ" میں لکھا ہے کہ سعودی عرب کے بانی ابن سعود ایک خواب دیکھا.... اس خواب کا مطلب ابن سعود نے یہ لیا کہ وہ اپنے مخالف قبیلے کے حکمراں ابن رشید سے حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

معاً میری زبان پر قرآن کی وہ آیت جاری ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہم تمہیں خوف، بھوک، مال و جان اور پھلوں میں خسارے سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دی گئی ہے۔

میرا ہاتھ رک جاتا ہے، اچانک اونٹنی گردن اٹھا کر نتھنے پھلاتی اور فضا میں کچھ سونگھتی ہے۔ شاید اسے پانی کی خوشبو آ رہی ہے، پھر ٹیلے کے پیچھے سے حدی خواں کی آواز آتی ہے۔ یقیناً کوئی قافلہ گزر رہا ہے۔ میں چیخ کر پکارتا ہوں، مگر آواز حلق سے نہیں نکلتی۔ میرا ہاتھ پھر بندوق سے ٹکراتا ہے۔ اسے بمشکل کاٹھی سے اتارتا ہوں، نالی کا رخ آسمان کی طرف کرتا ہوں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر گھوڑا دبا دیتا ہوں۔ فائر کی آواز سنسان صحرا میں کئی سیکنڈ تک گونجتی رہتی ہے۔ گیت کی آواز بند ہو جاتی ہے، پھر ایک انسان ٹیلے کے عقب سے نمودار ہوتا ہے اور مڑ کر شاید اپنے ساتھیوں کو بلاتا ہے۔ پھر وہ دوڑتا ہوا میری طرف بڑھتا ہے۔

چند لمحے بعد دو تین آدمی مجھے اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اچانک مجھے اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں پر برف کی سی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ ایک باریش بدّو بھیگا ہوا کپڑا میرے ہونٹوں پر مل رہا ہے۔ اب وہ کپڑا بھگو کر پانی کا ایک ایک قطرہ میرے منہ میں ٹپکاتا ہے، اُف یہ پانی نہیں پگھلا ہوا سیسہ ہے۔ میرا سارا جسم جل رہا ہے۔ ایک اور بدّو گیلا کپڑا میرے سر پر رکھ دیتا ہے، پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔

❋❋❋

ہوش آتا ہے، تو میں اپنے آپ کو ایک پڑاؤ میں پاتا ہوں۔ زید بھی موجود ہے، دو دنوں میں میری حالت سنبھل جاتی ہے۔ زید پوری داستان سناتا ہے:

"جب طوفان شروع ہوا، تو ان بدوؤں نے اتفاقاً میرے قریب ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ مفرور سانڈنی تو اسی رات واپس آ گئی تھی۔ طوفان رکنے کے بعد ہم لوگ تمہاری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، تین دن تک تمہیں ڈھونڈتے رہے، مایوس ہو کر لوٹنے والے تھے کہ ایک ٹیلے کے پیچھے سے فائر کی آواز گونجی اور ہم تمہیں موت کے منہ سے نکال لائے۔"

بدّوؤں کا قافلہ رخصت ہو چکا ہے۔

"زید، مجھے بتاؤ کل ہم کہاں جا رہے ہیں....؟" میں پوچھتا ہوں۔

"کیوں....؟ یا عمّ، شاید تیما...."

"نہیں بھائی، میں تیما جانا چاہتا تھا، لیکن اب خواہش نہیں رہی، ہم مکہ چلیے...."

آغاز سفر

چند روز بعد شام کے وقت ہم ایک دور افتادہ چھوٹے سے نخلستان میں پہنچتے ہیں اور رات گزارنے کے لیے ڈیرہ ڈال دیتے ہیں۔ کچھ لڑکے ہمارے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک چھوٹا سا لڑکا زید کو ایندھن ملنے کی جگہ لے جاتا ہے اور میں سانڈنیوں کو لے کر کنویں کا رخ کرتا ہوں۔ جونہی چمڑے کا ڈول کنویں میں ڈالتا ہوں، گاؤں کی چند عورتیں پتیلی اور مٹی کے گھڑے سر پر اٹھائے پانی بھرنے آ جاتی ہیں۔ ان کے کپڑے سیاہ ہیں اور عام بدو عورتوں کی طرح چہرے بے نقاب۔

"اے راہ رو، السلام علیکم۔" وہ کہتی ہیں۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔" میں جواب دیتا ہوں۔

اگرچہ یہ عورتیں نخلستان میں کئی نسلوں سے آباد ہیں، لیکن خانہ بدوش طوراطوار اب بھی ان میں پائے جاتے ہیں۔ایک خاتون میرے ہاتھ سے ڈول کا رسالے لیتی ہے اور پانی نکال کر میرے اونٹوں کو پلاتی ہے۔ مجھے انجیل کی وہ کہانی یاد آجاتی ہے جب حضرت ابراہیمؑ کا غلام اپنے آقا کے بیٹے اسحٰقؑ کا رشتہ تلاش کرنے کے لیے کنعان سے پن ارم جاتا ہے شام کے وقت ایک نخلستان پر پہنچتاہے اور عورتیں اسے پانی نکال کر دیتی ہیں۔

میں ان خواتین کا شکریہ ادا کرتاہوں:

"بہنو، خدا تمہارے ہاتھ سلامت رکھے اور تمہارا حافظ و نگراں ہو۔"

"راہرو، خدا تمہیں بھی اپنی حفاظت میں رکھے۔" وہ جواب میں کہتی ہیں اور اپنے گھڑے بھرنے لگتی ہیں۔

میں ڈیرے پر آجاتاہوں۔زید قہوہ تیار کر رہاہے۔

❊❊❊

وسطی یورپ سے عرب تک میرا طویل سفر اپنے دامن میں بڑی خوشگوار یادیں رکھتاہے۔میرے بچپن کا ابتدائی زمانہ پولینڈ کے شہر لوو (Lwow) میں گزرا پھر میں دیاتا میں پروان چڑھا۔ میرے نانا ایک دولت مند بینکر تھے۔ میرے والد نہایت مطمئن اور فارغ البال تھے۔ میرے دادا زروو وٹز ربیؒ (یہودی عالم) تھے۔میں لوو میں 1900ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم پرائیوٹ اساتذہ سے حاصل کی۔ عبرانی زبان سیکھی۔ کتب مقدسہ پڑھیں، یہودی عقائد و افکار کا مطالعہ کیا، لیکن اس درس و مطالعے نے مجھے اپنے آباؤاجداد کے دین سے قریب کرنے کے بجائے اور دور کر دیا۔ پھر عام روحانی بے اطمینانی اور مذہبی پیشواؤں کے قول و عمل کے تضاد نے اور زیادہ مایوس کیا۔ اخلاقی روایات اور تصورات کا پابند ہونے کے باوجود میں اس طوفان سے نہ بچ سکا جو اخلاقی قدروں کے زوال سے اُمڈ پڑا تھا۔

میری بے اطمینانی میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر یونیورسٹی کی تعلیم چھوٹی اور صحافتی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا... ایک سال تک وسطی یورپ کے شہروں کی خاک چھاننے اور عارضی نوکریاں کرنے کے بعد دنیائے صحافت میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا۔ 1931ء میں یونائیٹڈ ٹیلی گراف نیوز ایجنسی سے وابستہ ہوگیا۔

❊❊❊

1921ء کے موسم بہار میں ایک دن مجھے بیت المقدس سے اپنے ماموں ڈوریاں کا خط ملا۔وہ فرائیڈ کے شاگرد اور نفسیاتی معالج تھے اور اس زمانے میں بیت المقدس میں امراض دماغی کے ہسپتال میں ایک اعلیٰ افسر تھے۔ ان کے ساتھ میرے تعلقات دوستانہ تھے۔ انہوں نے لکھا، چندماہ کے لیے یہاں آجاؤ، آمدورفت کے مصارف میں دوں گا۔ میں فوراً تیار ہوگیا۔ اگر اس وقت کوئی کہتا کہ عالم اسلام کے ساتھ میری یہ پہلی شناسائی میری زندگی کا انقلابی موڑ ثابت ہوگی، تو میں اسے لغو قرار دے کر ہنسی میں اڑادیتا۔

ہوائیں

چند روز بعد میں مشرق وسطیٰ جانے کے لیے بحری جہاز پر سوار تھا۔ اسکندریہ پہنچنے کے فوراًبعد میں فلسطین روانہ ہوگیا۔ ہماری ٹرین صحرائے سینا سے گزر رہی تھی۔ میرے سامنے والی سیٹ پر ایک بدّو بیٹھا تھا۔ اس کا رنگ سانولا، ناک ستواں اور چہرہ عقابی تھا، وہ عقابی چہرہ جو آہنی عزم اور قوت ارادی سے مستقبل پر نظر رکھتاہے۔ دائیں طرف صحرا تھااور بائیں طرف سمندر۔

سمندر کے کنارے ایک سوار تنہا چلا جارہا تھا، شاید ساری رات سفر کرتا رہا تھا اور اب کچھ تھکا تھکا خوابیدہ سا معلوم ہوتا تھا۔ اب سورج بلند ہوچکا تھا۔ خیمے اور نخلستان گزرتے جا رہے تھے، عورتیں گھڑے سر پر رکھے پانی بھرنے کنویں کی طرف جارہی تھیں۔ ٹرین چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر رکتی چلی جارہی تھی۔

ایک اسٹیشن پر وہ بدو اٹھا، کھڑکی کھولی اور ایک روٹی خریدی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھتے وقت میری طرف دیکھا، کچھ کہے بغیر روٹی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک مجھے پیش کردیا۔ مجھے حیران اور متردد دیکھ کر مسکرایا اور کہا ''تنفس۔'' اس وقت تو میں اس لفظ کے معنی نہ سمجھ سکا، مگر آج سمجھتا ہوں۔ اس نے کہا تھا ''تناول فرمایئے۔'' میں نے ٹکڑا لے لیا اور سر کے اشارے سے شکریہ ادا کیا۔ بدو نے پھر کچھ کہا۔ یورپین لباس اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے ایک مسافر نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ترجمانی کی اور مجھے بتایا کہ یہ کہتے ہیں۔

''آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی مسافر ہوں اور ہم دونوں کا راستہ ایک ہے۔''

یہ واقعہ معمولی سا تھا، لیکن اس نے میرے دل میں عربی اخلاق سے محبت کی بنیاد رکھ دی۔ اس بدو نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنی آدھی روٹی اپنے ہم سفر کو دے دی تھی۔ اس کے رویے میں انسانیت سے بے لوث محبت کی جھلک تھی۔

***

صحرا میں تیز ہوا چلنے لگی ہے۔ زید کا خیال ہے ایک بار پھر ریت کا طوفان آرہا ہے، اگرچہ وہ طوفان تو نہیں تھا، تاہم تند و تیز ہوا بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ہم

لیوپولڈ ویز leopold wesis جو بعد ازاں ایک معروف اسلامی سکالر محمد اسد کے نام سے جانے جاتے ہیں، سن 1900ء میں ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ محمد اسد کے والد یوکرائین سے ہجرت کر کے ویانا آباد ہوئے۔ محمد اسد نے اپنی ابتدائی زندگی ویانا جاکر بسر کی۔ تاہم نوجوانی میں ویانا کو خیر باد کہہ گئے۔ جب اسد 22 سال کے تھے تو ان کے ماموں نے انہیں یروشلم آنے کی دعوت دی۔

یروشلم میں قیام کے دوران ہی اسد نے فرینکفرٹر زائی تنگ میں بطور رپورٹر کام شروع کیا جس کے نتیجے میں انہیں مشرق وسطی میں کئی نئی جگہوں پر جانے کا موقع ملا۔ ان کی ملاقات اسلام کی معروف اسکالروں سے ہوئی بعد ازاں شام، عراق، کردستان، ایران اور سنٹرل اشیا کے کئی ممالک گئے اور دین اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوتے چلے گئے۔

اسد نے اسلام قبول کیا اور مکہ و مدینہ میں 6 سال گذارے اور عربی، قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ عرب دنیا کے حکمرانوں اور مفکروں سے ملاقاتیں رہیں، ہندوستان آکر شاعر مشرق علامہ محمد اقبال سے بھی ملے۔ علامہ اقبال کے مشورے پر محمد اسد نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے قیام پاکستان میں بھی فعال کردار ادا کیا۔ محمد اسد اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے سفیر مقرر ہوئے۔ لیکن اپنی ادبی اور مذہبی زندگی کی مصروفیات کی وجہ سے انہوں نے سفیر کا عہدہ چھوڑ دیا۔

اپنی زندگی کے آخری دن انہوں نے یورپ میں گزارے۔ ان کا انتقال 1992ء میں اندلس میں ہوا۔

ایک ریتیلی وادی میں اترتے ہیں، تو ہوا کی تیزی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ وادی کے وسط میں ایک گاؤں، جس کے چاروں طرف مٹی کی فصیل ہے، ریت کے گرد و غبار میں چھپا ہوا ہے۔ اس علاقے کو ہوا کا سوراخ کہنا چاہیے۔ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہوا پوری قوت سے چلتی رہتی ہے۔ صرف رات کے وقت آرام کرتی ہے اور صبح جاگ اٹھتی ہے۔ گاؤں کب کا ریت میں دفن ہو چکا ہوتا اگر گاؤں والوں نے ہر پھلواڑی کے گرد تمرس کے لمبے درختوں کی قطاریں نہ لگائی ہوتیں۔ تمرس، کھجور کے درخت سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کے تنے ضخیم، پتے گھنے اور سدا بہار ہیں۔ اس طرح انہوں نے آبادی کی طرف بڑھتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کو روک رکھا ہے۔

ہم دوپہر گزارنے کے لیے امیر کے کچے گھر کے سامنے اترتے ہیں۔ ہمارا میزبان ایک دبلا پتلا بوڑھا غریب آدمی ہے، وہ ہمیں خوش آمدید کہتا ہے اور قہوہ اور کھجوریں پیش کرتا ہے۔

''اللہ تمہیں سلامت رکھے، یہ گھر تمہارا اپنا گھر ہے، اللہ کا نام لے کر کھایئے، ہمارے پاس جو کچھ ہے حاضر ہے....؟ وہ معذرت بھرے انداز میں کہتا ہے۔

''اس ہوا نے ہماری زندگی کو کٹھن بنا دیا ہے، لیکن یہ خدا کی مرضی ہے، ہوا ہمارے درختوں کو تباہ کر رہی ہے۔ یہ گاؤں کسی زمانے میں بڑا اور خوشحال تھا۔ اس وقت اتنی ہوا نہ تھی۔ ہمارے بہت سے نوجوان گاؤں چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ ہر شخص تو اس زندگی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ریت روز بروز بڑھتی چلی آ رہی ہے.... لیکن ہم شاکی نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے ''خدا کہتا ہے، قسمت کو برا مت کہو، قسمت میں ہوں....''

اس کی آواز میں سکون اور جذبہ فخر ہے۔ اتنا سکون اور اطمینان میں نے خوشحال اور نصیبہ ور لوگوں میں بھی کبھی نہیں دیکھا۔

میں ماضی میں کھو گیا ہوں، مجھے دس برس پہلے یروشلم میں ایک اور غریب بوڑھے آدمی کے الفاظ یاد آگئے ہیں جس سے تسلیم و رضائے الٰہی کا وہ جذبہ مترشح تھا جس سے انسان اپنی قسمت پر شاکر و قانع رہ سکتا ہے۔

❊❊❊

خزاں کا موسم تھا۔ میں اپنے ماموں ڈوریان کے گھر میں مقیم تھا وہ گھر بیت المقدس کے قدیم شہر میں واقع تھا۔ ان دنوں وہاں تقریباً روزانہ ہی بارش ہو رہی تھی، چنانچہ میں باہر بہت کم نکل پاتا تھا۔ میں اکثر کھڑکی کے پاس بیٹھ جاتا جو مکان کی پشت پر ایک وسیع احاطے میں کھلتی تھی۔ یہ احاطہ ایک بوڑھے عرب حاجی کا تھا۔ حاجی صاحب باربرداری اور سواری کے لیے گدھے کرایے پر دیتے تھے۔ اس طرح یہ احاطہ کارواں سرائے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

روزانہ طلوع فجر سے کچھ پہلے نواحی دیہات سے پھل اور ترکاریاں اونٹوں پر لاد کر لائی جاتیں، پھر انہیں گدھوں پر لدوا کر شہر کے تنگ گلی کوچوں میں سپلائی کیا جاتا... دن بھر بھاری بھر کم اونٹ وہاں بیٹھے نظر آتے۔ بہت سے لوگ ان کی اور گدھوں کی خبر گیری کرتے موسلا دھار بارش ہوتی تو یہ لوگ اصطبل میں پناہ لیتے۔ یہ ساربان اور گدھوں والے دیکھنے میں غریب تھے۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس لیکن ان کی زندگی کا رنگ ڈھنگ عظیم آقاؤں کا سا تھا۔ جب وہ ایک ساتھ کھانے کے لیے زمین پر بیٹھتے اور تھوڑے سے پنیر یا سبزی ملے ہوئے گوشت کی چند بوٹیوں کے ساتھ روٹی کھاتے، تو میں ان کی شرافت، باہمی برتاؤ اور قلبی

سکون و طمانیت کو سراہے بغیر نہ رہ سکتا۔ حاجی اپنی چھڑی کے سہارے ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر آتے، وہ ان کے سردار معلوم ہوتے۔ لوگ ان کا کہا بے چوں و چرا مانتے۔ وہ سب دن میں کئی مرتبہ نماز کے لیے جمع ہوتے۔ اگر زور کی بارش نہ ہو رہی ہوتی، تو باہر نماز پڑھتے۔ تمام لوگ ایک لمبی قطار میں کھڑے ہو جاتے، حاجی امامت کراتے.... وہ لوگ اپنی حرکات و سکنات اور ڈسپلن میں بالکل فوجی نظر آتے۔ سب مل کر مکہ کے رخ، امام کی آواز پر رکوع و سجود اور قیام و قعود کرتے۔ وہ اپنی روح و جسم کے ساتھ کسی تصور میں مستغرق دکھائی دیتے۔

میں کچھ سمجھ نہ سکا، چنانچہ ایک مرتبہ میں نے حاجی سے جو تھوڑی بہت انگریزی سمجھ لیتے تھے، پوچھا۔

''کیا خدا آپ کی نماز اور بار بار رکوع و سجود کرنے کا منتظر رہتا ہے، کیا یہ بہتر نہیں کہ آدمی تنہائی میں بیٹھ کر سکون قلب کے ساتھ دعا و التجا کرے۔ آخر ان جسمانی حرکات کا مقصد کیا ہے....؟''

پوچھنے کو تو پوچھ بیٹھا، مگر پھر اس خیال سے پشیمانی ہوئی کہ بوڑھے حاجی کو میرے سوال سے اذیت پہنچی ہو گی، لیکن حاجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر آپ بتایئے، ہم خدا کی عبادت کس طریقے پر کریں، کیا اس نے جسم اور روح کو ایک ساتھ پیدا نہیں کیا....؟ پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ آدمی جس طرح اپنی روح کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس طرح اپنے جسم کے ساتھ بھی پڑھے۔''

انہوں نے بالتفصیل بتایا کہ مسلمان نماز پڑھتے وقت کعبے کی طرف کیوں رخ کرتے ہیں، نماز میں کیا پڑھتے ہیں اور رکوع و سجود سے کس بات کا اظہار ہوتا ہے۔ آخر میں انہوں نے کہا۔

ایک معمولی سے واقعے نے میرے دل میں عربی اخلاق سے محبت کی بنیاد رکھ دی۔ اس بدّو نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنی آدھی روٹی اپنے ہم سفر کو دے دی تھی۔ اس کے رویے میں انسانیت سے بے لوث محبت کی جھلک تھی۔

''ہمارے نبی کریم ﷺ اس طرح نماز پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو ہر زمانے کے لیے یہی طریقہ بتایا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ مکمل اطاعت و سپردگی کا نمونہ بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں طمانیت و سکون سے بہرہ مند ہو سکیں۔''

چند سال گزرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ حاجی کی اسی سادہ سی گفتگو نے میرے لیے قبول اسلام کا پہلا دروازہ کھولا تھا۔

اسی زمانے میں فرانکفرٹر زٹینگ اخبار کا نمائندہ بن گیا۔ اس نمائندگی نے مجھے مشرق کے مختلف ملکوں کی سیاحت اور عربوں، ان کے مذہب ان کی روح اور ان کی سوسائٹی کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔

آوازیں

ہم سانڈنیوں پر سوار چلے جا رہے ہیں اور زید گیت گا رہا ہے۔ ساربانوں کا گیت جو اس کے باپ دادا اور دوسرے لوگ صدیوں سے گاتے چلے آئے ہیں۔ مدتیں گزریں اس قسم کے گیت صحرا کی فضا، ہوا کی روانی، خانہ بدوشی کی زندگی، وسیع علاقوں کے احساس اور ابدی حال کے تصور سے پیدا ہوئے....

اب ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ٹیلے چھوٹے بھی ہیں اور خاصے دور دور بھی۔ کہیں ریت کی جگہ کنکر اور سبز پتھر لے لیتے ہیں۔ ہمارے بالکل سامنے دور جنوب میں جبل شمر کا سلسلہ دھندلا سا نظر آ رہا ہے۔

میں سوچتا ہوں زید اور اس کے اہل وطن اپنی روحوں کو ان خطرات کے مقابلے میں کب تک متحد رکھ سکیں گے.... جو قضائے مبرم بن کر ان پر امڈے چلے آرہے ہیں۔ ہزاروں سیاسی معاشرتی اور اقتصادی دنیائے اسلام قوتیں کے دروازے کو بری طرح کوٹ رہی ہیں۔

کیا یہ دنیا مغرب کے دباؤ کے آگے سپر انداز ہوجائے گی اور اس عمل میں اپنی روایتی رسم ورواج اور روحانی بنیادوں کو ضائع کردے گی....؟

***

23ء میں فلسطین کے مختلف مقامات کا دورہ کرنے کے بعد میں مصر چلا گیا اور قاہرہ کے ایک محلے کی تنگ گلی میں مکان لے لیا۔ یہاں کچھ عرب کاریگر اور چھوٹے یونانی دکاندار رہتے تھے۔ میرے گھر کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد تھی، جہاں دن میں پانچ وقت نماز کے لیے اذان ہوتی تھی، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ اللہ.... موذن کی آواز نہایت پرسوز اور جوش ایمانی سے مملو تھی۔ انداز وہی تھا جس سے میرے کان اب مانوس ہوچکے تھے۔ مقامی زبانوں کے لہجے کے معمولی سے اختلاف کے باوجود اسلامی ممالک میں اذان کا ہر جگہ ایک ہی انداز اور آہنگ ہوتا ہے۔ اس صوتی اتحاد اور یگانگت سے مجھے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کا داخلی اتحاد کس قدر گہرا ہے اور انہیں تقسیم اور متفرق کرنے والے امور کتنے مصنوعی اور ہیچ ہیں۔ وہ اپنے طرز فکر حق وباطل میں تمیز اور اچھی زندگی کے عوامل کو سمجھنے میں ایک انسان کی مانند تھے۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ پہلی بار ایک ایسے معاشرے سے میرا سامنا ہوا ہے جس میں انسان کے درمیان رشتہ اور تعلق کی بنیاد محض اتفاقی نسلی اشتراک اور اقتصادی مفادات پر نہیں تھی، بلکہ ان سے کہیں زیادہ گہری، مضبوط اور پائدار چیز پر تھی اور وہ تھی نقطۂ نظر کی ہم آہنگی۔ اس ہم آہنگی نے دو انسانوں کو الگ تھلگ کرنے والی تمام دیواروں کو گرادیا ہے۔

***

1923ء کی گرمیوں میں، میں مشرق وسطیٰ کی زندگی اور سیاست کو خاصا سمجھ لینے کے بعد یروشلم واپس آگیا۔ اسی زمانے میں یعقوب ڈی ہان، جو مشہور اخبار نویس تھے، ان کی وساطت سے مشرق اردن کے امیر عبداللہ سے شناسائی ہوئی۔ انہوں نے مجھے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ وہاں میں نے پہلی مرتبہ صحیح معنوں میں بدوؤں کی سرزمین دیکھی۔ یعقوب ڈی ہان ہی کی وساطت سے میں نے ہالینڈ اور سوئٹزرلینڈ کے دو چھوٹے اخبارات سے معاملہ کرلیا، چنانچہ میں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق دمشق کا قصد کیا۔

چند ماہ پہلے یروشلم میں دمشق کے ایک مدرس سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے دعوت دی تھی کہ اگر کبھی میں دمشق آؤں، تو ان کے ہاں مہمان ٹھہروں، چنانچہ ایک چھوٹے بچے کی رہنمائی میں میں ان کے مکان پر پہنچا۔ میرے دوست بڑے تپاک سے ملے اور مجھے سینے سے چمٹا لیا۔ دور سے بہت سی مدھم اور گنگناتی ہوئی آوازیں آرہی تھیں، ایک بہت بڑے عرب شہر کی آوازیں، جو اب سونے کی تیاری کررہا تھا۔

اگلے روز دمشق کی زندگی کو سمجھنے کے لیے خاص خاص سڑکوں اور مقامات کو گھوم پھر کر دیکھا۔ یہاں میں نے دکانداروں کو خرید وفروخت کرتے دیکھا عرب عوام کے معاشرتی تعلقات سے واقفیت حاصل کی۔

ایک جمعہ کو میں اپنے میزبان دوست کے ساتھ

عظیم الشان جامع اموی میں گیا۔ ہزاروں نمازی طویل سیدھی صفیں باندھے امام کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ امام کی پیروی میں رکوع کرتے، پھر سجدہ کرتے اور اپنی پیشانی سرخ قالینوں پر رکھ دیتے۔ پھر پورے نظم کے ساتھ کھڑے ہوتے، بالکل فوجیوں کی طرح، وہ اس طرح رکوع و سجود کر رہے تھے جیسے خدا ان کی آنکھوں کے سامنے ہو۔

اس وقت مجھے پتہ چلا کہ ان لوگوں کا خدا اور دین ان کے کس قدر قریب ہے، ان کی نماز روزمرہ زندگی ہی کا ایک حصہ تھی جو انہیں اس زندگی میں خدا کو یاد رکھنے میں مدد دیتی تھی۔ مسجد سے نکلتے ہوئے میں نے اپنے دوست سے کہا۔

"یہ بات بڑی حیرت ناک ہے کہ آپ خدا کو اس قدر قریب سمجھتے ہیں، میری خواہش ہے کہ میں بھی خدا کو ایسا ہی سمجھ سکوں۔"

"میرے بھائی، کیا خدا جیسا کہ ہمارا قرآن کریم کہتا ہے، ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب نہیں ہے۔"

***

اس نئی آگاہی اور دریافت سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے دمشق میں اپنا زیادہ تر وقت اسلامی کتابوں کے مطالعے میں گزار دیا۔ عربی اتنی تو آتی تھی کہ اپنا مافی الضمیر ادا کر سکتا، لیکن اتنی نہیں کہ قرآن کریم کا مطالعہ کر لیتا، اس لیے ترجموں سے مدد لی۔ دوسرے مطالعے کے لیے یورپی مستشرقین کی کتابوں اور اپنے دوست کی باتوں پر اعتماد کیا۔ اس مطالعے کے نتیجے میں میری نگاہوں سے پردہ ہٹ گیا۔ مجھے پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ اسلام رواجی مذہب نہیں ہے، بلکہ پورا نظام زندگی ہے۔ زندگی کا ایک پروگرام اور لائحہ عمل رکھتا ہے جس کی بنیاد خدا کی یاد پر ہے۔

مقامی زبانوں کے لہجے کے معمولی سے اختلاف کے باوجود اسلامی ممالک میں اذان کا ہر جگہ ایک ہی انداز اور آہنگ ہوتا ہے۔ اس صوتی اتحاد اور یگانگت سے مجھے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کا داخلی اتحاد کس قدر گہرا ہے اور انہیں تقسیم اور متفرق کرنے والے امور کتنے مصنوعی اور ہیچ ہیں۔ وہ اپنے طرز فکر حق و باطل میں تمیز اور اچھی زندگی کے عوامل کو سمجھنے میں ایک انسان کی مانند تھے۔

ان تعلیمات کے گہرے مطالعے کے بعد میں نے اپنے دل سے سوال کیا۔

عربوں میں جو طمانیت قلب پائی جاتی ہے کیا اس کا سبب یہی تعلیمات نہیں ہیں....؟

روح وبدن

دن گزرتے جاتے ہیں۔ راتیں چھوٹی ہیں اور ہم تیز رفتاری سے جنوب کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ ہماری سانڈنیاں خوب چاق و چوبند ہیں۔ دو دن تک پانی پیتی اور چراگاہ میں چرتی رہی ہیں۔ مکہ پہنچنے میں ابھی تک چودہ دن کی مسافت باقی ہے۔ ہم کچھ وقت حائل اور مدینہ میں گزارتے ہیں جو ہماری راہ پر ہیں۔ میں مکہ جلد سے جلد پہنچنا چاہتا ہوں۔ ایک عجیب سی بے چینی اور بے صبری دل میں مچل رہی ہے۔ میں پہلے بھی کئی مرتبہ مکہ معظمہ جا چکا ہوں، مگر ایسی بے قراری پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

***

اس وقت جو بے چینی میں محسوس کر رہا ہوں، اس اضطراب سے ملتی جلتی ہے جو میں نے یورپ واپس جا کر محسوس کیا۔ میں ترکیہ، اٹلی اور ویانا سے ہوتا ہوا فرانکفرٹ پہنچا۔ اس سارے سفر میں میں نے یورپ کی زندگی اور اس کی تہذیب کا مطالعہ ایک نئے نقطہ نظر

سے کیا۔ یہاں ایک ایسی سوسائٹی تھی جو خدا سے رشتہ توڑ چکی تھی۔ جو لوگ مذہب سے وابستہ تھے ان پر بھی دنیاوی زندگی اور مادیت سے محبت غلبہ پا چکی تھی۔ ہر جگہ اک اضطراب اور ابال تھا۔ اجتماعی روایات میں تصادم اور رسّہ کشی جاری تھی۔ اقتصادی اور معاشی پریشانیاں الگ تھیں۔ مغرب فنی، صنعتی اور مادی ترقیوں کے باوجود اپنے انتشار اور بے نظمی کو ذرا کم نہ کرسکا تھا۔

نوجوانی کے دنوں میں بھی میرا فطری رجحان یہی تھا کہ انسان صرف روٹی سے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب یہ رجحان ایک عقلی نظریہ بن چکا تھا۔ دراصل مادی ترقی وہ جھوٹا ایمان تھا جو قدیم ایمان کی جگہ لینے کے لیے اختراع کیا گیا تھا۔ اسے اختراع کرنے والے دنیا کو اس فریب میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے کہ انسان صرف ترقی کے جذبے سے ہی موجودہ مصائب و آلام پر قابو پاسکتا ہے۔ یورپ کی اس حالت نے میرے دل کو مضطرب کردیا تھا۔ ایک طرف وہ طمانیت قلب تھی جو میں نے بیت المقدس، قاہرہ، عمان اور دمشق میں دیکھی تھی اور دوسری طرف یورپ میں اضطراب کی سلگتی ہوئی یہ آگ۔

***

حائل کے کھجوروں کے جھنڈ ہمارے سامنے ہیں۔ ہم شہر میں داخل ہوتے ہیں اور امیر کی گڑھی کے سامنے پہنچتے ہیں۔ حائل کے امیر ابن مسعد، شاہی خاندان کی شاخ کلیوری سے تعلق رکھتے ہیں اور شاہ کے بردار نسبتی ہیں۔ ابن مسعد ہمیں اھلاً و سھلاً کہتے ہیں۔ اپنے دوسرے مہمانوں سے تعارف کراتے ہیں۔ پھر قہوے کا دور چلتا ہے۔

رات کو کھانا ابن مسعد کے ساتھ کھاتے ہیں۔

خواب

حائل کے دوران قیام میں امیر ابن مسعد نے میری جس طرح خاطر مدارات کی، مجھے ریاض کا عرصہ قیام یاد آگیا۔

یہ 1927ء کا ذکر ہے۔ ان دنوں نماز عشاء کے بعد ہم شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن السعود کے کمرے میں جمع ہوجاتے اور دیر تک قرآن و حدیث کا درس سنتے رہتے، پھر بادشاہ ہم میں سے ایک دو کو اپنے ساتھ اندرونی کمرے میں لے جاتے۔ ایک رات جب ہم بادشاہ ابن سعود کے کمرے میں پہنچے، تو ولی عہد سعود اپنے والد کا انتظار کر رہے تھے۔ بادشاہ دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے گدوں پر بیٹھ گیا، اُن کے اشارے پر ہم بھی بیٹھ گئے۔ پھر قہوے کا دور چلا۔ امیر سعود نے سلسلہ کلام چھیڑا، وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا۔

”آج ایک شخص آپ کے بارے میں شبہ ظاہر کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آپ مسلمان کے بھیس میں انگریزوں کے جاسوس ہیں، مگر میں نے اسے یقین دلایا کہ آپ واقعی مسلمان ہیں۔“

”مگر خدا کے سوا کون جانتا ہے کہ کوئی شخص اپنے باطن میں کیا ہے....؟“ میں نے کہا۔

”آپ کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔“ امیر نے جواب دیا۔

”مجھے پچھلے ہفتے ایک خواب میں یہ اشارہ ملا ہے۔“ امیر سعود نے کہا۔

”میں نے دیکھا میں ایک مسجد کے سامنے کھڑا ہوں اور اس کے مینار کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اچانک ایک شخص مینار کی گیلری میں نمودار ہوتا ہے اور اذان دینے لگتا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر.... پوری اذان دے چکتا ہے تو میں غور سے اس کی طرف دیکھتا ہوں.... وہ

مجھے یوں محسوس ہوا کہ پہلی بار ایک ایسے معاشرے سے میرا سامنا ہوا ہے جس میں انسان کے درمیان رشتہ اور تعلق بنیاد محض اتفاقی نسلی اشتراک اور اقتصادی مفادات پر نہیں تھی، بلکہ ان سے کہیں زیادہ گہری، مضبوط اور پائدار چیز پر تھی اور وہ تھی نقطۂ نظر کی ہم آہنگی جس نے دو انسانوں کو الگ تھلگ کرنے والی تمام دیواروں کو گرا دیا ہے۔

آپ نکلتے ہیں۔

میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

ابن سعود بھی اپنے صاحبزادے کی تائید کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ”بعض اوقات اللہ تعالیٰ خوابوں کے ذریعے ہمارے دلوں کو روشنی بخشتا ہے اور مستقبل کے احوال ہم پر کھول دیتا ہے اس کے بعد ابن سعود نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، کیا کبھی آپ کو اس کا تجربہ نہیں ہوا....؟“

”یقیناً اے امام۔“ میں نے کہا۔ ”مدت گزری، میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

میں اس وقت یہی کوئی انیس بیس برس کا ہوں گا، ویانا میں اپنے والد کے ساتھ رہتا تھا۔

مجھے انسان کی باطنی زندگی کے علم سے بڑی دلچسپی تھی۔ میں اپنے سرہانے پنسل اور کاغذ رکھ کر سویا کرتا تاکہ جو خواب بھی دیکھوں، آنکھ کھلنے کے بعد فوراً نوٹ کر لوں۔ اس طرح خواب مجھے یاد رہتے۔

اس روز میں نے خواب میں دیکھا، میں برلن میں ہوں اور وہاں کی زمین دوز ریل گاڑی میں سفر کر رہا ہوں۔

(برلن میں یہ گاڑی کبھی سرنگ میں سفر کرتی ہے اور کبھی سڑکوں کے اوپر بلند و بالا پُلوں پر) کمپارٹمنٹ لوگوں سے اس طرح کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ کچھ دیر بعد گاڑی سرنگ سے باہر نکل آئی، وہ حسب معمول بلند پلوں پر جانے کے بجائے ایک وسیع سنسان میدان میں پٹڑی کے بغیر دوڑنے لگی، چنانچہ پہیے مٹی میں دھنس گئے۔ گاڑی کھڑی ہو گئی۔ اب نہ وہ آگے جا سکتی تھی نہ پیچھے۔

تمام مسافر گاڑی سے اتر آئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ میں بھی انہی میں شامل تھا۔ جس میدان میں ہم کھڑے تھے وہ حد نظر تک پھیلا ہوا تھا، بالکل سپاٹ، نہ کوئی جھاڑی تھی، نہ مکان، حتیٰ کہ کوئی پتھر تک نہ تھا، سب لوگ نہایت پریشان تھے، ہم لوگ اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں گے....؟ کس طرح وہ راستہ پائیں گے جو انسانی آبادی کو جاتا ہے....؟ وسیع و عریض میدان میں صبح صادق کا سا دھندلکا چھایا ہوا تھا۔

”لیکن میں دوسرے لوگوں کی طرح پریشان نہ تھا، میں ہجوم میں سے راہ بناتا ہوا نکلا۔ تقریباً دس قدم کے فاصلے پر ایک سانڈنی زمین پر بیٹھی تھی اور اس پر کاٹھی وغیرہ کسی ہوئی تھی، جیسا کہ میں نے بعد ازاں یہاں عرب میں آ کر دیکھا، کاٹھی پر ایک شخص سوار تھا جس نے چھوٹی آستینوں والی سفید اور سیاہ دھاری کی عبا پہن رکھی تھی۔ کفیہ اپنے چہرے پر اس طرح ڈال رکھا تھا کہ میں اس میں اس کی شکل صورت نہ دیکھ سکا۔ میرے دل میں جیسے کسی نے یہ بات ڈال دی کہ یہ سانڈنی میرا ہی انتظار کر رہی ہے اور اس پر بیٹھا ہوا سوار میرا رہبر ہے، چنانچہ بغیر کچھ کہے اس سوار کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے سانڈنی اٹھ کھڑی ہوئی اور لمبے لمبے قدم اور آرام دہ چال کے ساتھ آگے کی طرف روانہ ہو گئی۔

مجھے اپنے دل میں ایک بے نام سی خوشی مچلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ہم سبک رفتاری سے گھنٹوں چلتے رہے۔ مجھے وقت کا اندازہ ہی نہ رہا۔ سانڈنی کے ہر قدم کے ساتھ میری مسرت فزوں تر ہوتی جاتی تھی، حتیٰ کہ محسوس کرنے لگا میں ہوا میں تیر رہا ہوں.... آخر کار میرے دائیں جانب کا افق سورج کی شعاعوں سے شرخ ہونے لگا۔ سورج طلوع ہو رہا تھا، لیکن بالکل سامنے دور افق پر مجھے ایک اور روشنی نظر آئی۔ وہ ایک بہت بڑے کھلے پھاٹک کے پیچھے سے آرہی تھی، پھاٹک دو بلند ستونوں پر قائم تھا۔ جوں جوں ہم قریب پہنچتے جاتے تھے روشنی تیز تر ہوتی جاتی تھی اور میرے دل میں مچلتی ہوئی روشنی میں ناقابل بیان اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ہم جیسے جیسے اس پھاٹک اور اس روشنی کے قریب تر ہوتے چلے گئے، میں نے ایک آواز سنی، کہیں کوئی کہہ رہا تھا "یہ بعید ترین مغربی شہر ہے۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔"

میں نے خواب ختم کیا، تو ابن سعود پکار اٹھے:

"اللہ اکبر، کیا اس خواب سے تم نے سمجھ لیا کہ تم مشرف باسلام ہو جاؤ گے....؟"

"نہیں، یہ عرصہ دراز کی بات ہے، میں نے کبھی اسلام کا تصور بھی نہ کیا تھا اور نہ ہی یہ خبر تھی کہ مسلمان کون ہوتے ہیں، اس خواب کے سات سال بعد میں نے اسلام قبول کیا۔ حال ہی میں، میں نے اپنے کاغذات دیکھے، تو یہ خواب لکھا نظر آیا اور اس کی حقیقت آشکارا ہوگئی۔"

"اے میرے بیٹے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے آئینے میں تمہیں اپنا مستقبل دکھایا تھا"۔ ابن سعود نے کہا۔

"مگر اس آواز کا کیا مطلب تھا۔ یہ بعید ترین مغربی شہر ہے۔" میں نے پوچھا۔

ابن سعود کچھ دیر تک خاموش سوچتے رہے، پھر انہوں نے سر اٹھایا مسکراتے ہوئے کہا "بیٹے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اسلام تک تمہارا پہنچنا تمہاری زندگی کا آخری مغربی مقام ہے، اس کے بعد تمہاری مغربی زندگی ختم ہو جائے گی...."

کچھ دیر بعد ابن سعود نے پھر کہا "خدا کے سوا مستقبل کوئی نہیں جانتا، لیکن بعض اوقات ہمارے ساتھ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہوتا ہے، اس کی ایک جھلک وہ ہمیں خواب کے ذریعے دکھا دیتا ہے۔ میں نے خود ایسے دو تین خواب دیکھے ہیں اور وہ بالکل سچے نکلے ہیں۔ ان میں سے ایک خواب نے مجھے وہ کچھ بنا دیا جو اس وقت میں ہوں...."

ابن سعود نے بتایا کہ اس وقت میں سترہ برس کا تھا۔ ہم کویت میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ خیال کہ ہمارے وطن پر آل رشید حکمران ہے، میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔ میں اکثر اپنے والد سے، اللہ ان کی مغفرت کرے، التجا کرتا "ابا جان، آل رشید کو نکال باہر کیجیے۔ ریاض کے تخت کا آپ سے بڑھ کر کوئی حقدار نہیں۔" لیکن میرے والد میرے پُرجوش مطالبات کو خیالی منصوبے قرار دے کر نظر انداز کر دیتے اور کہتے، محمد ابن رشید عرب کا سب سے طاقتور حکمران ہے، ایک بہت بڑا علاقہ اس کے قبضے میں ہے اور اس کے آہنی ہاتھ کے سامنے تمام بدو قبائل کانپتے ہیں۔

تاہم ایک رات میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا اتنا بتانے کے بعد موجودہ سعودی عرب کے بانی ابن سعود نے کہا..............

(جاری ہے)

❖❖❖

اگیا بیتال

گزشتہ قسطوں کا خلاصہ: کچھ عرصہ پہلے ہماری ملاقات شہاب صاحب سے ہوئی، جو ایک پڑھے لکھے معزز تجارت پیشہ شخص ہیں، ماورائی علوم و ٹیلی پیتھی اور جنات کے موضوع پر ہم دونوں کے خیالات اور ذوق مشترک تھے، جو ہماری دوستی کا باعث بنے۔ شہاب صاحب نے ہمیں بتایا کہ ان کی جنات سے دوستی ہے اور کئی مرتبہ کاروباری مشکلات سے نکلنے اور کاروبار کی ترقی میں ان کے دوست جنات کی مدد شامل رہی اور کئی مرتبہ انہوں نے بھی جنات کی مدد کی۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ جنات کے ایک معزز خاندان کا نوجوان زائم، کراچی میں رہنے والی ایک دوشیزہ عیشال پر بُری طرح مر مٹا، عیشال بھی زائم کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی، زائم کی مدد سے سلیم احمد کے کاروبار میں خوب ترقی ہوتی ہے۔ کراچی میں شیطانی عمل کرنے والے ایک جادوگر سامری نے جن قابو کرنے کی خواہش میں زائم پر حملے شروع کیے اور آخرکار اسے قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ سامری زائم پر مکمل قابو پانے کے لیے اپنے چیلے چاند میاں کو زائم کا روپ دے کر عیشال کے گھر بھیجتا ہے۔ چاند میاں سامری کے کہنے پر بخوشی گندے کاموں پر راضی ہو جاتا ہے۔ کراچی کے ایک روحانی بزرگ محترم شاہ صاحب مراقبہ کے ذریعے معلوم کرتے ہیں کہ سلیم احمد اور ان کی فیملی پر جادوئی عملیات کیے گئے ہیں۔ وہ سلیم احمد کو رہائش تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ زائم کی گمشدگی سے جنات کے قبائل میں تشویش پائی جاتی ہے، سامری زائم کو کچھ شرائط پر اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے لیے جنات کی بستی میں لے جاتا ہے۔ زائم جنات کے ایک قبیلے کے سردار کے ذریعے اپنے گھر والوں کو اپنی خیریت سے آگاہ کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اسے ڈھونڈا نہ جائے۔ دوسری طرف سلیم احمد سخت بیمار ہو جاتے ہیں، کئی دنوں سے ہسپتال میں ماہر ڈاکٹروں کی کوششوں کے باوجود سلیم احمد کی بیماری تشخیص نہیں ہو پاتی، شاہ صاحب ان پر دم کرتے ہیں تو شاہ صاحب کی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ زائم کے گھر والے اس کی تلاش کے لیے ایک جماعت شاہ صاحب کے پاس بھیجتے ہیں جو شاہ صاحب کے منتظم درس شیخ عبدالعزیز سے ملتی ہے۔ شیخ عبدالعزیز نے اپنے ایک بھائی کی معرفت جنات کی ملاقات جمیلہ بیگم سے بھی کروائی۔ وہ جنات سلیم احمد کے پرانے مکان تک پہنچے تو زائم کے چند نشانات ملتے ہیں اور یہ بھی تصدیق ہوئی کہ سلیم احمد کو جادو کا نشانہ کہاں بنایا گیا تھا۔ شاہ صاحب کی طبیعت میں بہتری آتی ہے تو جنات کے بزرگ فرزون زائم کی تلاش کے لیے شاہ صاحب سے مدد کی درخواست کرتے ہیں، شاہ صاحب نے شیخ عبدالعزیز کی زیرِ قیادت چند افراد پر مشتمل ایک ٹیم فرزون اور جنات کے ساتھ روانہ کرتے ہیں، جو آخرکار سامری کے ٹھکانہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جنات سامری پر حملہ کرتے ہیں، سامری کی مدد کو کچھ اور جادوگر بھی پہنچ جاتے ہیں مگر وہ جنات کے ہاتھوں زخمی ہو کر بھاگ جاتے ہیں، زائم کو بازیاب کرالیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب اور جنات کے وفد کے درمیان کافی مباحثہ کے بعد بالآخر جنات سامری کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں کہ ان جادوگروں سے حساب قدرت لے گی۔ عیشال زائم کی جدائی میں بیمار سی لگنے لگی تھی۔ سلیم احمد اور جمیلہ بیگم نے اسے شاہ صاحب کی خانقاہ لے جاتے ہیں۔ ادھر زائم بھی عیشال سے ملنے خانقاہ میں پہنچ جاتا ہے اور شیخ عبدالعزیز سے ملتا ہے۔ شاہ صاحب عیشال کو وہاں علاج و معالجے اور مشوروں کی خدمات سرانجام دینے والی آپا نسرین سے ملنے کو کہتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز آپا نسرین سے کہتے ہیں کہ وہ زائم کے "جن" ہونے سے عیشال کو آگاہ کردیں۔ دوسری جانب آپا نسرین عیشال کو خوش خبری سناتی ہیں کہ اس کی جلد زائم سے ملاقات ہونے والی ہے۔ خانقاہ میں زائم کو عیشال نظر آجاتی ہے مگر ملاقات نہیں ہو پاتی.... اب آگے پڑھیں....

قسط نمبر 36

زائم نے شیخ عبدالعزیز کو بتایا کہ
کراچی کے رہائشوں کے لحاظ سے ایک بہت اچھے مقام پر بڑے رقبے پر بنے ایک مکان کے احاطے میں جنات کا ایک خاندان صدیوں سے آباد تھا۔
انسان اس مکان سے خوف کھاتے تھے۔ بہت اچھی جگہ پر ہونے کے باوجود یہ مکان بے آباد پڑا ہوا تھا۔

میں نے سوچا کہ اس مکان کی خرید و فروخت کے ذریعے عیشال کے والد کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ میں وہاں رہنے والے جنات سے ملا اور ان سے یہ جگہ چھوڑنے کی درخواست کی۔ عیشال کو میں نے کہا کہ یہ مکان آپ لوگ خرید لیں۔ عیشال کے والد کو یہ مکان بہت سستی قیمت پر مل گیا۔
عیشال نے یہاں آکر اس کی صفائی کروائی تو اس دوران انہیں جنات کی طرف سے کسی مداخلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ عیشال کے وہاں جاتے رہنے سے اس مکان کے بارے میں لوگوں کا خوف دور ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد وہ جائیداد عیشال کے والد نے کئی گنا منافع میں بیچ دی۔
اس طرح عیشال کے والد کا نقصان چند ماہ میں آسانی سے پورا ہو گیا۔
واہ بھئی.... تم نے تو بہت اچھی طرح عیشال کی مدد کی۔
یہ مدد ضروری تھی شیخ صاحب.... جنات جب کسی آدمی سے دوستی کرتے ہیں یا ادب و احترام کا کوئی تعلق بناتے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، جنات ایسے انسان دوستوں کے کام آکر بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔

عیشال کے والد کی مدد کر کے تم نے جنات کی اعلیٰ روایات نبھائی ہیں۔ انسانوں سے تعلق قائم کرنے والے اکثر جنات انسانوں کا بہت خیال کرتے ہیں، شریف جنات کا انسانوں سے تعلق احترام اور خیر کے جذبات لیے ہوتا ہے.... زائم کی بات سن کر شیخ عبدالعزیز گویا ہوئے۔
شیخ کے حجرے میں ایک طرف لکڑی کا تخت بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف الماری تھی۔ اس الماری کے دو خانوں میں شیخ کے کپڑے اور باقی خانوں میں کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں صرف ایک چھوٹی سی میز تھی۔ اس میز پر بھی کچھ کتابیں تھیں۔ میز کے ایک حصے میں دواؤں کی شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ چھت پر کمرے کے وسط میں ایک پنکھا لگا ہوا تھا۔ سردیوں کا موسم تھا اس لیے پنکھا بند تھا۔
پنکھے میں اچانک حرکت ہوئی ....اور پھر پنکھا تیز تیز چلنے لگا۔ ساتھ ہی کوئی چیز پنکھے سے نیچے گرتی ہوئی پہلے الماری سے اور پھر میز پر رکھی ہوئی دواؤں کی شیشیوں سے ٹکرائی۔ کمرے میں اس وقت صرف شیخ عبدالعزیز موجود تھے یا پھر وہاں ایک جن زادہ زائم تھا۔

اس چیز کی الماری سے ٹکرانے سے زور دار آواز آئی تو حجرے کے باہر بیٹھے ہوئے خدام کو تشویش ہوئی۔ وہ تیزی سے حجرے کے اندر آئے۔
بھائی.... خیر تو ہے....؟ یہ آواز کیسی تھی....؟
پنکھا خود ہی چلنے لگا اوپر سے کوئی چیز آکر الماری سے ٹکرائی ہے۔ شیخ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا
حضرت یہ کیسے ہوا.... حجرے میں آنے والے خانقاہ کے خدام اس واقعے پر حیران ہو رہے تھے۔
یہ بات مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آرہی۔ میں

یہاں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ایک زور کی آواز آئی۔ یہ بتاتے ہوئے شیخ نے اس جانب دیکھا جہاں زائم ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا مگر.... اب زائم وہاں موجود نہیں تھا۔

ارے.... یہ زائم کہاں چلا گیا اور کس وقت گیا.... شیخ نے حیرت سے جیسے خود سے ہی سوال کیا۔

کون زائم.... خانقاہ کے ایک خادم نے جو ان معاملات سے واقف نہیں تھا بے ساختہ سوال کر ڈالا۔

چند خدام زائم اور اس کے قصے سے واقف تھے لیکن شیخ کے ادب میں وہ خاموش رہے۔ اس سکوت کو شیخ عبدالعزیز نے توڑا اور کہا

زائم ایک جن زادہ ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک وہ یہاں میرے ساتھ تھا۔ اب پتہ نہیں کہاں چلا گیا....

شیخ کے کہنے پر زائم کو ڈھونڈا جانے لگا لیکن وہ خانقاہ میں کہیں نہ ملا۔ اس دوران ریاض بھائی اور چند اور احباب بھی شیخ عبدالعزیز کے پاس آ گئے۔

ریاض بھائی نے بتایا کہ وہ اپنے گھر سے ابھی ابھی خانقاہ پہنچے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ خانقاہ آتے ہوئے راستے میں انہوں نے جنات کی چند ٹولیوں کو دیکھا۔ وہ لوگ خانقاہ کی مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ ان جنات کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ ان میں کچھ افراتفری ہے۔ جیسے ان کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو رہا ہو۔

ریاض بھائی کی بات سن کر شیخ عبدالعزیز نے کہا کہ انسانوں کی بستیوں میں جنات کی ٹولیاں اُدھر سے اُدھر آتی جاتی رہتی ہیں یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

جی.... آپ نے ٹھیک کہا.... جنات کی آمد و رفت میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اس دوران آپ کے حجرے میں ہونے والا واقعہ اور پھر زائم کا آپ کو بتائے بغیر غائب ہو جانا مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔

ہاں یہ بات قابل غور ہے۔ واقعی حیرت کی بات ہے کہ زائم اچانک کیوں غائب ہو گیا اور کہاں چلا گیا.... شیخ عبدالعزیز کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

حضرت.... آپ کے کمرے میں توڑ پھوڑ کہیں جنات کے اس لڑکے کی کارستانی تو نہیں....؟

میں اسے ایک اچھا جن سمجھتا ہوں.... میرا نہیں خیال کہ وہ ایسی فضول سی حرکت کرے گا۔

یہ تو ہے مگر.... بھائی ریاض کے اندازے سے جنات کے لیے کچھ بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا۔

دیکھئے بھائی ریاض.... خانقاہ میں آنے والے جنات شاہ صاحب کا بہت ادب کرتے ہیں۔ نہ صرف عام جنات بلکہ جنات کی کئی بزرگ ہستیاں بھی شاہ صاحب کا ادب کرتی ہیں....

لیکن کوئی جن جذبات سے مغلوب ہو کر بھی تو کوئی غلط بات کر سکتا ہے۔ بھائی ریاض نے شیخ عبدالعزیز کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

درست کہا آپ نے.... جذبات سے مغلوب ہو کر یا سہواً کسی سے بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے.... لیکن.... ایسی صورت میں اکثر جنات اپنی غلطی کا احساس ہونے پر فوراً معذرت بھی کر لیتے ہیں۔

شیخ نے سمجھانے کے انداز میں بھائی ریاض سے کہا

حضرت مجھے لگتا ہے کہ زائم خانقاہ سے جانا چاہتا تھا۔ وہ انسانوں کی تابعداری کے لیے آمادہ نہیں۔

بھائی ریاض.... زائم ایک ایسے تعلق کا خواہش مند ہے جو فطرت کے مطابق نہیں ہے۔ انسان

اور جن کے درمیان ازدواجی تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔
ہم، آپ چاہتے ہیں کہ زائم اس حقیقت کو مان کر سمجھداری سے کام لے.... لیکن شاید ایسا نہیں ہو رہا.... بھائی ریاض نے کہا
بھائی ریاض کی بات سن کر شیخ نے کہا کہ....زائم کو عیشال سے ملنے سے روک دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔دراصل شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ زائم خود عیشال کو بتائے کہ وہ انسان نہیں بلکہ ایک جن ہے اور معروف طریقے سے ان دونوں کا ملن ممکن نہیں ہے۔
آپ کا کیا خیال ہے۔زائم آپ کی بات مان لے گا۔ ابھی تک تو وہ یہی کہہ رہا ہے کہ اس سے عیشال کو چھوڑنے کا نہ کہا جائے۔
بھائی صاحب.... آپ ہمارے بڑے ہیں۔شاہ صاحب نے آپ کی خصوصی تربیت بھی فرمائی ہے۔آپ گر اجازت دیں تو میں کچھ کہوں....
جی جی....پورے اطمینان سے کہیۓ۔آپ کی رائے میں پوری توجہ سے سنوں گا....
محترم بھائی....! میرا خیال ہے کہ زائم آپ کی بات خوشی سے نہ مانے گا۔عیشال اور زائم کے معاملے میں محبت ونرمی کے علاوہ آپ کو سختی کا آپشن بھی رکھنا چاہیے۔میرا خیال ہے کہ آپ کو یہی کرنا ہو گا یعنی زائم پر سختی کرنا ہو گی۔
آپ کی بات درست مگر.... ایسی صورت میں عیشال کو سنبھالنا مشکل ہو گا۔محبت بھرے تعلقات میں ذرا سی اونچ نیچ بھی فریقین کے لیے بہت ذہنی اذیتوں کا سبب بنتی ہے۔بعض تعلقات بظاہر کوئی نام نہیں رکھتے لیکن دلوں پر اُن کا مقام بہت زیادہ ہوتا ہے۔دوستی محبت، عشق تعلقات کی یہ اقسام اپنے الگ الگ معانی اور الگ الگ مفہوم رکھتی ہیں۔ ان کی اہمیت اور گہرائی ہر شخص کے لیے الگ ہوتی ہے۔یہ تعلق، یہ ناطے بہت حساس بھی ہوتے ہیں۔
ایک بات یہ بھی سمجھنی چاہیے کہ تعلق بنانا آسان ہے لیکن تعلق سنبھالنا آسان نہیں ہے۔اس میں کئی امتحان اور کئی آزمائشیں بھی آسکتی ہیں۔
آپ اپنے پاس آنے والے مسائل پر اتنے زیادہ پہلوؤں سے غور کرتے ہیں۔بھائی ریاض بہت متاثر کن نظروں سے شیخ عبدالعزیز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے
جی ریاض بھائی.... شاہ صاحب نے ہمیں یہی سکھایا ہے....ہمارے لیے ہر مسئلہ اہم ہوتا ہے خواہ کسی اور کو بظاہر وہ کتنا عام سا مسئلہ ہی کیوں نہ لگتا ہو اور پھر عیشال اور زائم کا مسئلہ تو واقعی بہت پیچیدہ ہے۔
ماشاء اللہ ،شاہ صاحب کا وجود لوگوں کے لیے بہت بڑی رحمت کی طرح ہے۔شاہ صاحب نے اپنے کئی شاگردوں کی تربیت بھی بہت اچھی طرح کی ہے۔اپنے شاگردوں کو ہمدردی اور اخلاص سے کام لینا سکھایا ہے۔
اللہ شاہ صاحب کا سایہ ہم سب پر سلامت رکھے۔ آمین....
زائم تو یہاں سے چلا گیا....زائم اور عیشال کے معاملے میں اب آپ کیا کریں گے....؟
پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا دل نہیں مانتا کہ زائم بغیر بتائے غائب ہو سکتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی واپس آئے گا اور اس کے بعد ہی پتہ چل جائے گا کہ اصل بات کیا تھی۔دوسری بات یہ ہے کہ زائم اور عیشال کے معاملے میں اب ہم باجی نسرین پر کچھ زیادہ ذمہ داریاں ڈالیں گے۔

(جاری ہے)

کچھ نہیں بلکہ بہت سارے لوگ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ مرد ہونا طاقت اور اکرام کا سبب ہے۔ عورت کا وجود کمزوری اور شرمندگی کی علامت ہے۔

ایسا سوچنے والے صرف مرد ہی نہیں ہیں کئی عورتیں بھی اس بات پر یقین رکھتی ہیں۔

بیٹے کی ماں بن کر بعض عورتیں خود کو محفوظ اور معزز خیال کرتی ہیں، بیٹی کی ماں بن کر خود کو کمزور محسوس کرتی ہیں۔ مردانہ تسلط والے معاشرے میں کئی مصیبتوں، دکھوں اور ظلمتوں کے درمیان ابھرنے والی ایک کہانی.... مرد کی انا اور عونت، عورت کی محرومیاں اور دکھ، پست سوچ کی وجہ سے پھیلنے والے اندھیرے، کمزوروں کا عزم، علم کی روشنی، روحانیت کی کرنیں، معرفت کے اجالے، اس کہانی کے چند اجزائے ترکیبی ہیں۔

نئی قلم کار آفرین ارجمند نے اپنے معاشرے کا مشاہدہ کرتے ہوئے کئی اہم نکات کو نوٹ کیا ہے۔ آفرین ارجمند کے قلم سے ان کے مشاہدات کس انداز سے بیان ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین خود کریں گے۔

نویں قسط:

مہینہ بھر گزر جانے کے بعد بھی گاؤں والوں کی سرد مہری اپنی جگہ تھی۔ اس بائیکاٹ سے شفیق اور سکینہ کے گھر میں ایک خاموشی سی طاری ہوگئی تھی۔ نہ کہیں آنا نہ کہیں جانا۔ فصل کی کٹائی ہوئی، ساگ چنا گیا مگر کسی نے بھی سکینہ کو یاد رکھنا ضروری نہ سمجھا۔ سکینہ کو اب خود بھی باہر جاتے شدید کوفت ہوتی جس سے بچنے کے لیے وہ خود کو گھر

کے کاموں میں اُلجھا کر رکھ دیتی تھی ۔ کبھی جو شدید ضرورت پڑنے پر گھر سے باہر جانا پڑتا تو کوشش ہوتی کام نمٹا کر جلد سے جلد واپس گھر آجائے۔

سب کچھ جانتے بوجھتے ان دیکھی ان سنی کئے، شفیق پابندی سے ماسٹر ماجد کو ٹیوشن پڑھانے گھر لے کر آتا اور پھر خود ہی چھوڑ کر بھی آتا۔

ایسا اس لیے کرتا تاکہ ماسٹر صاحب راستے میں لوگوں کی شرارتوں سے محفوظ رہ سکیں۔ ماسٹر صاحب بھی گاؤں والوں کے سخت رویئے کی وجہ سے اکیلے کہیں آنے سے گھبرانے لگے تھے۔

شفیق اور سکینہ کی زندگی جیسے تیسے گزر رہی تھی۔ گاؤں والوں سے کشیدہ تعلقات ان کے دلوں کو تڑپاتے مایوسی کا اندھیرا پھیلنے لگتا تو دونوں پارس کا ہاتھ تھامے درگاہ پہنچ جاتے۔ کبھی انہیں ہاشم بابا مل جاتے تو ان دونوں کو بہت تسلی ہوتی، ہاشم بابا کے امیدوں بھرے الفاظ انہیں نئی ہمت نیا حوصلہ دیتے۔

بابا مسکرا کر پارس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے اور پیار سے کہتے کہ مستقل کچھ بھی نہیں زندگی کا یہ تلخ دور بھی گزر جائے گا۔

یہ سن کر دونوں کا اللہ پر بھروسہ اور یقین مزید بڑھ جاتا۔

وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ یقین ہی اب ان کی کل زادِ راہ ہے جس کے بھروسے وہ منہ زور ہوا کے مخالف سمت چل پڑے تھے۔

مگر پھر بھی انہیں پارس کی فکر ہوتی جو اب گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ سدرہ کے ساتھ پارس کی دوستی بہت گہری تھی۔ مگر ان حالات میں وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھے۔

بظاہر پارس کے رویئے سے کبھی بھی اداسی یا تنہائی کا گماں تک نہ ہوتا۔

وہ اکثر کتاب پڑھتی نظر آتی یا پھر کیاری کے پاس چڑیوں سے باتیں کرتی ان کو دانہ ڈالتی، پودوں کا خیال رکھتی۔ چھوٹے چھوٹے کئی کام اب اس نے اپنے ذمے لے لئے تھے۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہتی۔

اس بار ہاشم بابا سے ملاقات کے بعد پارس کے رویئے میں ایک اور بہت نمایاں تبدیلی نظر آرہی تھی۔ اس کے روحانی تشخص پر سے کئی پردے اٹھنے لگے تھے۔ یہ تو سکینہ کو پتہ تھا کہ اللہ کے دوستوں کی نظر کرم پارس کو کبھی عبادت سے غافل نہیں ہونے دیتی تھی۔ تہجد سے پہلے اٹھنا، تلاوت درود وسلام تو اس کا معمول تھا ہی مگر اب کئی دنوں سے وہ نوٹ کر رہی تھی کہ پارس اب زیادہ وقت خاموش رہتی یا پھر دیر تک آنکھیں بند کئے بیٹھی رہتی۔ سکینہ کو پارس کا یوں آنکھیں بند کر کے دیر تک خاموش بیٹھے رہنا سمجھ نہیں آتا تھا۔ اس کا بڑا دل چاہتا تھا کہ پوچھے ،وہ اتنی دیر خاموش بیٹھ کر کیا سوچتی رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟

مگر پتہ نہیں کیوں وہ کچھ کہہ نہیں پاتی۔

آج بھی حسبِ معمول لالٹین کی مدھم لو اور کمرے کا کھلا پٹ پارس کے پہلے سے جاگنے کا پتہ دے رہے تھے۔

فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ سکینہ لیٹے لیٹے پارس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ فجر کی اذان سے تھوڑی دیر پہلے آتی اور اسے

اٹھاتی، اماں اُٹھیں نماز کا وقت ہو گیا۔ اور وہ آنکھیں ملتی اُٹھ جاتی جیسے اس کے اٹھانے پر ہی جاگی ہو۔

مگر آج تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ پارس کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔

سکینہ کو کچھ عجیب سا لگا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

لالٹین کی انتہائی مدھم پیلی پیلی ناکافی روشنی کے باوجود باہر برآمدہ میں ایسا لگ رہا تھا کہ کہیں سے روشنی چاندنی کی صورت چھن چھن کر آ رہی ہو۔

سکینہ سے رہا نہ گیا۔ وہ دبے پاؤں چپکے چپکے باہر کی جانب بڑھی اس کی نظریں اس روشنی کے ہالے پر تھیں۔

اس نے کمرے کے دروازے سے ہی آہستہ سے باہر جھانکا۔

دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ پھر یکایک اس کی نگاہ نیچے زمین پر پڑی .... اس کی نظریں روشنی کا تعاقب کرتیں پارس کے کمرے پر جا کر تھم گئیں۔

سکینہ نے دیکھا روشنی اندر سے آ رہی تھی۔ جس کا عکس باہر برآمدے میں پڑ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پارس کے کمرے کے باہر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اور دروازے کی اوٹ سے اندر جھانکنے لگی۔

پارس فرش پر چٹائی بچھائے آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے بہت مودب بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ چاند کی مانند روشن تھا۔

سکینہ پلک جھپکائے بغیر اسے تکتی رہی۔ اس نے غور سے دیکھا وہ دھیرے دھیرے کچھ بڑبڑا رہی تھی جیسے کسی سے باتیں کر رہی ہو۔

مگر یہ کیا.... اس نے آنکھیں پھیلا کر دیکھا دھیرے دھیرے پارس کے دمکتے گالوں پر پانی کی لکیریں بننے لگیں تھیں۔

یہ تو رو رہی ہے۔ ہائے اللہ سکینہ کا دل بے چین ہو گیا۔

یہ رو کیوں رہی ہے۔ اس سے رہا نہ گیا۔ وہ بے اختیار دوڑ کر کمرے میں گھس گئی اور پارس کو خود سے چمٹا لیا۔

پارس پتر.... اٹھ.... دیکھ ماں ہے تیرے پاس۔ سکینہ ماں کی ممتا میں چُور کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اسے دلاسہ دینے لگی۔

پارس ماں کے اس اچانک عمل پر گھبرا گئی تھی۔

اس کے حواس بحال ہونے میں تھوڑا وقت لگا۔ ذرا سنبھلی تو ماں کو حوصلہ دیا۔

اماں کچھ نہیں ہوا مجھے دیکھیے تو سہی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

اچھا کچھ نہیں ہوا تو رو کیوں رہی تھی۔ تیری آنکھ میں آنسو کیوں آئے۔ اور تُو آنکھیں بند کر کے کس سے باتیں کر رہی تھی۔

پارس کو لگا اگر اس نے فوری طور پر ماں کو نہیں سمجھایا تو وہ خود بے قابو ہو کر رو پڑے گی۔

وہ جلدی سے مسکراتے ہوئے بولی... نہیں ماں.... پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

تو کس خوشی میں رو رہی تھی

نہیں اماں

میں تو بابا سے باتیں کر رہی تھیں۔

بابا سے....؟

ہاں ہاشم بابا سے

ہاشم بابا.... کہاں ہیں سکینہ نے بے ساختگی سے اِدھر اُدھر نظر دوڑائیں ۔مجھے تو کہیں نہیں دِکھ رہے۔

اماں....پارس نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

جب ہم آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں تو پھر ان سے باتیں کرتے ہیں۔

تو تُو کیا باتیں کر رہی تھی اور رو کیوں رہی تھی....؟وہ اس کے رونے پر بے چین تھی

اماں میں بابا کو بتا رہی تھی کہ سدرہ کو بہت تیز بخار ہے مگر میں اس سے ملنے نہیں جا سکتی ۔سدرہ کا نام لیتے اس کی آواز رندھ گئی۔

میں بابا سے اس کی شکایت کر رہی تھی ۔پارس بچوں کی طرح منہ بسورتی بولی۔

انہیں بتا رہی تھی کہ سدرہ کو میرا کوئی خیال نہیں وہ میری دوست ہو کر بھی مجھے نہیں سمجھتی۔

نہ میرے ساتھ کھیلتی ہے ۔نہ مجھ سے ملتی ہے اور کہیں ملے تو انجان بن کر گزر جاتی ہے ۔اس وقت مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

اور اب اسے بخار ہے پھر بھی اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔پارس بے اختیار رو پڑی۔

سکینہ کے لئے یہ سوال اب بے معنی تھا کہ پارس کو سدرہ کے بخار کا کیسے پتہ چلا۔

کاش سدرہ کو تجھ سے ملانا میرے ہاتھ میں ہوتا۔ میری بچی۔وہ بیٹی کو روتا دیکھ کر تڑپ گئی تھی۔

آخر وہ تھی تو معصوم سی بچی جسے بہر حال ایک دوست کی بھی ضرورت تھی ۔اور سدرہ تو بچپن سے اس کے ساتھ تھی۔

سکینہ اسے دلاسہ دینے لگی۔

تُو صبر کر جا۔کچھ دن ٹھہر جا۔میں خود جا کر اسے لے کر آؤں گی۔

ماں کی گرم آغوش میں اس کی سسکی رک چکی تھی۔ وہ چپ ہو گئی۔

پارس کو سنبھلتے دیکھ کر سکینہ نے تجسس سے پوچھا،اچھا تو پھر بابا نے کیا جواب دیا؟

انھوں نے بھی یہی کہا۔وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی

اور کیا کہا۔سکینہ کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

اور پھر اچانک سے آپ آ گئیں ۔پارس کے لہجے میں شکایت تھی۔

لے مجھے کیا پتہ تھا کہ تُو کیا کر رہی ہے۔سکینہ نے بھی سرزنش کی اور دیکھ...! ایسے نہ رویا کر....! ماں کا کلیجہ پھٹتا ہے سکینہ نے اسے پھر بھینچ لیا۔

مجھے سدرہ کو دیکھنا ہے۔وہ بے چینی سے بولی۔

ہاں ٹھیک ہے۔ سویرا تو ہونے دے۔ سورج نکل آئے تو اس کی طبیعت معلوم کرواتی ہوں۔

اماں اچھی اماں۔ میرا ایک کام کر دیں ۔وہ دلار سے بولی

کیا....؟

سدرہ کے لئے یخنی بنا دیں میں اس کے لئے لے کر جاؤں گی۔

وہ سکینہ سے لپٹ گئی۔

ہاں ہاں بنا دوں گی لیکن تجھے اگر کسی نے کچھ کہا تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔

نہیں کچھ نہیں ہو گا.... آپ بس بنا دیں۔اس نے اصرار کیا۔

اس وقت تو سکینہ نے اسے بہلانے کے لئے

چپ ہوگئی مگر وہ جانتی تھی کہ پارس سویرے تک انتظار بھی شاید مشکل سے کرے۔

اچھا ٹھیک تو نماز پڑھ لے۔ پھر میں بناتی ہوں۔

وہ وضو کے لئے اٹھ گئی

ہوا میں خنکی بڑھ چکی تھی۔ ٹھنڈا موسم ٹھنڈی ہوا، نماز پڑھ کر وہ وہیں جائے نماز پر تھوڑی دیر کے لئے ٹک گئی۔ ایسے میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

مگر تھوڑی ہی دیر میں اسے باورچی خانے میں کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی۔

یہ پارس سوئی نہیں، کیا کر رہی ہے اس وقت۔ وہ اندازے لگاتی باہر نکلی۔

پارس چولہے پر کچھ رکھ رہی تھی۔

ارے یہ کیا کر رہی ہے؟

اماں وہ.... یخنی.... اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ پیے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ سکینہ کے گھورنے پر وہ معصومیت سے بولی۔

ذرا دیر صبر تو کیا کر۔ میں نے کہا تھا نہ کہ میں بنا دوں گی۔ تجھے کتنی بار منع کیا ہے۔ ابھی چھوٹی ہے تُو۔ مت آیا کر چولہے کے پاس۔ اس نے پارس کو ڈانٹا اور پتیلی اس کے ہاتھ سے لے لی۔

ماں کو غصے میں دیکھ وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی۔

جتنی دیر میں اس نے یخنی تیار کی پارس جانے کے لیے بالکل تیار ہو چکی تھی۔ اسے پارس کی تڑپ پر پیار آنے لگا۔

اس نے گرم گرم یخنی پیالے میں انڈیل دی۔ یہ لے یخنی تیار ہو گئی۔

مگر تو اسے پلائے گی کیسے...؟

بس جاؤں گی اس کے پاس اور اسے زبردستی پلاؤں گی۔ اگر اندر نہیں آنے دے گی تو باہر سے دے کر آ جاؤں گی۔ سکینہ اسے غور سے تکنے لگی

وہ پیار کرنے والی سادہ دل لڑکی اپنی سہیلی کی صورت دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔ اس سے دور ہو کر بھی اس کے پاس تھی۔

سکینہ نے بھی جلدی سے چادر اوڑھ لی۔ یہ لے گرم چادر اوڑھ۔ ہوا ہے آج بہت۔ اس نے پارس کو چادر میں لپیٹ دیا اور خود پیالہ ہاتھ میں لے کر ساتھ چل پڑی۔

صاعقہ کے گھر کی جانب قدم اٹھاتے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

بہر حال بیٹی کی ضد کے ہاتھوں مجبور تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازہ رجب علی نے کھولا۔ سلام خالہ۔ وہ سکینہ اور پارس کو سامنے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

جیتے رہو۔ وہ جلدی سے دوڑ کر اندر چلا گیا

اماں اماں.... خالہ سکینہ اور پارس آئی ہیں۔

صاعقہ تقریباً گھبرائی ہوئی دروازے تک آئی۔

سکینہ کو دیکھ کر اس کے دل کی خوشی گھبراہٹ میں کہیں دب گئی تھی

کیسی ہو....؟ اس نے باہر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اندر نہیں آنے دو گی۔ سکینہ نے بہت اپنائیت سے کہا۔

ہاں.... وہ اصل میں.... صاعقہ سے کوئی بہانہ نہ بن پڑا۔

صاعقہ کے اس رویئے پر سکینہ کے چہرہ پر ایک سایہ سالہرا گیا۔

خالہ آپ منع کر دیں گی تو میں نہیں آؤں گی۔ مجھے پتہ ہے سدرہ کو بخار ہے آپ بس اس کو یہ یخنی دے دیجئیے گا۔ پارس نے ہمت کی۔

پارس کے منہ سے سدرہ کے بخار کی بات سن کر وہ چونک گئی یہ سچ تھا کہ اسے رات سے تیز بخار تھا اور پھر پارس کا معصوم لب و لہجہ صاعقہ کو پگھلا گیا وہ شرمندہ سی پیچھے ہٹ گئی۔

پارس سیدھی اپنی سہیلی کے پاس پہنچی۔

سدرہ پارس کو یوں اچانک دیکھ کر کھل اٹھی۔ اس نے پہلے ماں کی طرف دیکھا مگر پھر بے تابی سے پارس کی طرف ہاتھ تھام لیا۔

دونوں بچھڑی سہلیاں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں اور پھر بچوں کی طرح باتیں شروع ہو گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سدرہ کا بخار کہیں رفو چکر ہو گیا ہو۔

سکینہ نے صاعقہ کی طرف دیکھا۔ مگر صاعقہ کی نظروں میں شرمندگی کے ساتھ گھبراہٹ بھی تھی۔

وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ شاید اس نے بھی دوستی پر گاؤں کی فرسودہ سوچ اور اپنی مجبوریوں کو ترجیح دے دی تھی۔

سکینہ نے دکھ سے نظریں جھکا لیں۔

مولوی صاحب نظر نہیں آ رہے۔ سکینہ نے بات کرنا چاہی۔

وہ تو مسجد میں ہی ہوتے ہیں ناں اس وقت۔ صاعقہ نے یاد دلایا

ہاں وہ تو ہے۔ سکینہ خجل سی بولی

بھائی شفیق کیسے ہیں۔ بمشکل صاعقہ نے پوچھا؟

ٹھیک ہیں۔ دو دن کے لئے شہر گئے ہیں۔

اچھا.... آج کل اکیلی ہو گھر میں؟ اس نے کہا۔

سکینہ کو صاعقہ کا یہ تکلف والا رویہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مگر شکر تھا کہ وہ بات تو کر رہی تھی۔

ہاں میں اور میری بیٹی، میری دنیا۔ سکینہ نے پیار سے پارس کی طرف دیکھا۔ جو اپنی دوست میں مگن تھی اسے چمچے سے گھونٹ گھونٹ یخنی پلا رہی تھی۔

کتنی جلدی سن لی بابا نے اس کی۔ سکینہ کے دل میں اچانک سے خیال آیا۔ وہ دونوں کو تکنے لگی۔ کاش میری سہیلی بھی مان جائے۔ اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلی۔

سکینہ تجھ سے ایک بات کہنی ہے صاعقہ کی آواز ابھری۔

ہاں کہو۔

جب تک حالات نہیں سنبھلتے۔ اِس کا نہ ملنا ہی بہتر ہے، تم پارس کو سمجھانا۔ وہ بمشکل بولی

سکینہ کا دل کٹ گیا۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہو گئی۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا

چل پتر گھر چل، دیر ہو رہی ہے۔ اس نے صاعقہ کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر پارس کو آواز دی۔

اور اسے زبردستی گھر لے آئی۔

صاعقہ نے دیکھا جاتے وقت سکینہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر شاید وہ سکینہ کی طرح ہمت والی نہ تھی اور نہ اس میں اسے روکنے کی ہمت تھی۔

صاعقہ کا ہاتھ بے اختیار اپنی آنکھوں کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بھی

بھیگ رہیں تھیں۔

***

ادھر چودھری سراج اپنی انا کی آگ میں جھلس رہا تھا۔وہ گائوں کا سب سے باثر چودھری اور پنچائیت کا سرپنچ تھا اور اس کا فیصلہ پتھر پر لکیر ہونے کے باوجود اپنی وقعت کھو رہا تھا۔

یہ اس کے لئے بڑی سبکی کی بات تھی۔

کہ پنچائیت کا سخت رویہ اور گائوں والوں کی ناراضگی بھی شفیق اور سکینہ کو کمزور نہیں کر پائی تھی۔

انا کے بار سے مجبور ہو کر وہ اب انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس نے جمال کو بلا بھیجا۔اور ایک موٹی رقم اس کے سامنے ڈال دی ساتھ ساتھ بندوق کی وہ گولی بھی دکھائی جو ناکامی کی صورت میں اس کا مقدر بنتی۔

تب سے جمال کی حالت بری تھی ۔وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے چودھری کا خاص آدمی بننے کے لئے پاپڑ بیلے تھے۔

مگر یہ طاقت کا نشہ اب اسے بہت بھاری پڑ رہا تھا۔

مار پیٹ ڈرانا دھمکانا تک تو صحیح تھا مگر کسی کی جان لینا۔وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا

نہ نہ.... یہ مجھ سے نہ ہو گا۔شدید سردی کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

اف کیا کروں ۔کیسے اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں....؟وہ مٹھیاں بھینچنے لگا

کوئی اور تگڑم لڑائی جائے۔وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا....

مگر گیا۔وہ بے تابی سے ٹہلنے لگا۔

اس کا ذہن بار بار شوکت کی جانب جا رہا تھا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ قتل اس کے اکیلے کے بس کا نہ تھا۔

اور اس کے لئے شوکت کے علاوہ اور کوئی رازداں بھی نہ تھا جو اس کام میں اس کی مدد کرتا۔

مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شوکت فطری طور پر لالچی ہے۔

اگر اسے پتہ چل گیا کہ چودھری اسے کتنی رقم دے رہا ہے تو اس کا مطالبہ بڑھ جائے گا۔اس پریشانی کے عالم میں بھی رقم کے تصور سے اس کے منہ میں پانی بھر گیا۔

یعنی مجھے ایک اچھی خاصی رقم سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔وہ حساب کرنے لگا

نہیں نہیں، پیسہ ہی تو سب کچھ ہے ۔ایسے کیسے دے دوں۔وہ خود سے بولا

اور اگر کسی اور کو اس نے روپے کے لالچ میں سب اگل دیا تو....؟ اس کے دل میں ایک اور خیال آیا۔

ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔تب تو پیسہ بھی جائے گا اور جان بھی۔

جس کے لئے وہ تیار نہ تھا۔اور راز کھلنے کا بھی اندیشہ تھا۔

نہیں میں یہ اکیلے ہی کر لوں گا ۔اس نے فیصلہ کر لیا۔

اور پھر اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ماسٹر ماجد کے شب و روز پر نظر رکھنے لگا۔

(جاری ہے)

مطمئن زندگی کا راز

ترکی ادب سے انتخاب

پاکستان کے ماہر ترکیات
ثروت صولت کے قلم سے

قدیم زمانے میں ایک گاؤں میں بوڑھے اور عمر رسیدہ میاں بیوی رہتے تھے۔ ان کی زندگی خوشی سے بھرپور اور پر سکون تھی۔ ان میں کبھی کسی بات پر نہ تو اختلاف ہوتا اور نہ جھگڑا۔ معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اچھی زندگی گزارنے کا راز معلوم کر لیا ہے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کی تعریف کرتے اور انہیں کبھی ایک دوسرے سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ نہ حرام کھاتے نہ حرام دیتے تھے۔ جو تھوڑا بہت اپنی محنت سے کماتے اسی پر مطمئن رہتے۔ نہ دولت مند تھے اور نہ مفلس۔ حرص اور لالچ سے دور تھے، اس لیے بہت خوش و خرم تھے۔

ایک دن صبح ناشتہ کے بعد وہ اکٹھے بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ بوڑھے شوہر نے اٹھتے ہوئے کہا:

''اچھا اب میں تیار ہوتا ہوں تاکہ بازار کا ایک چکر لگا آؤں۔''

''تم بازار کیوں جا رہے ہو۔۔۔؟'' بیوی نے پوچھا۔

''اپنا گھوڑا بیچنا چاہتا ہوں۔ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور اب میں اس پر کم ہی بیٹھتا ہوں۔'' میاں نے جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک ہے، تم جو بھی سوچتے ہو ٹھیک ہی سوچتے ہو۔'' بیوی نے کہا۔

''تم بھی جو کام کرتی ہو اچھا ہی کرتی ہو۔'' شوہر نے جواب دیا۔ بیوی اس جواب پر بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔ اس نے اپنے شوہر سے پوچھا:

''آج رات تمہارے لیے کیا پکاؤں۔''

''خانم! ابھی تو کھانے سے اٹھے ہیں اور تم کو رات کے کھانے کی فکر پڑ گئی۔ زیادہ کھانے سے آدمی کا دماغ جواب دے جاتا ہے۔''
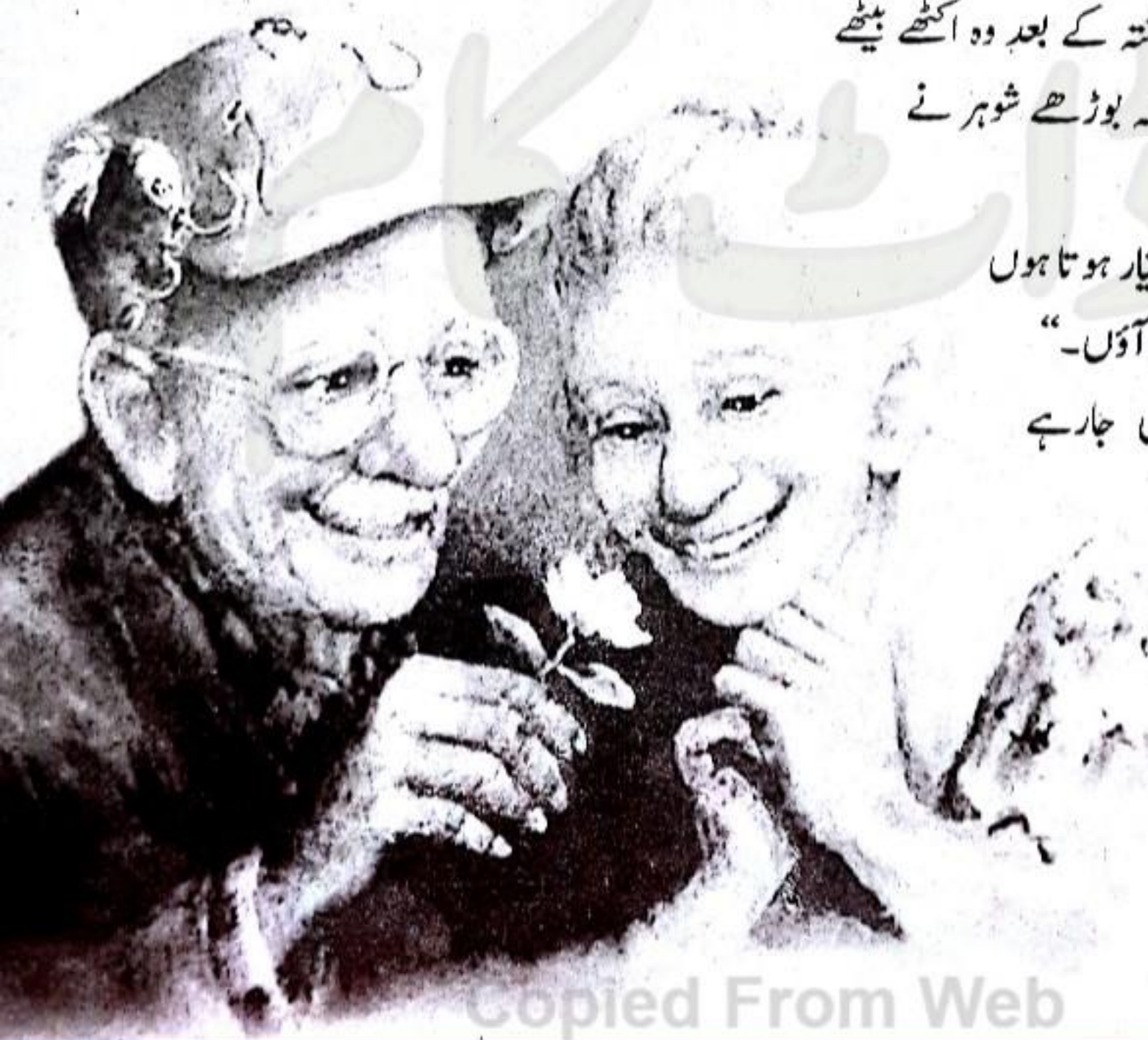
"تمہارا دماغ جواب دے جاتا ہوگا، میرا نہیں۔ میں رات کو چلبر (خاص قسم کا ترکی کھانا) بناؤں گی۔" بیوی نے کہا۔

"واہ واہ، واہ وا۔ تم کو میری پسند کا کتنا خیال ہے۔ مزیدار بنانا، لہسن اور دہی خوب ڈالنا۔" شوہر نے کہا۔ بوڑھے نے بیوی پر محبت بھری نگاہ ڈالی اور سوچنے لگا کہ گھوڑا بیچنے سے جو رقم ملے گی اس سے وہ اپنی بیوی کے لیے ایک اچھا سا کرتا اور شلوار خریدے گا۔

جب بوڑھا جانے لگا تو بیوی نے اس کو کپڑے پہننے میں مدد دی اور اوڑھنے کے لیے چادر لا کر دی اور ہدایت کی کہ وہ بازار میں زیادہ تھکے نہیں۔ کام آسانی سے ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس آجائے۔ اس کے بعد بوڑھا گھوڑے پر سوار ہوگیا اور بیوی کو الوداع کہہ کر روانہ ہوگیا۔ بیوی دور تک اس کو دیکھتی رہی اور ہاتھ ہلاتی رہی۔ وہ سوچنے لگی کہ اس کو کتنا اچھا شوہر ملا ہے۔ کبھی اس پر چیخا چلایا نہیں، کبھی برا بھلا نہیں کہا۔ جب بھی بات کرتا ہے نرمی سے کرتا ہے اور ہمیشہ اس کی خواہش کے مطابق کام کرتا ہے۔

بوڑھا، گھوڑے کو لیے شہر کی جانب جا رہا تھا کہ اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو ایک موٹی تازی بھیڑ کو کھینچے لیے جا رہا تھا۔ بوڑھا سمجھ گیا کہ یقیناً وہ شہر جا رہا ہے تاکہ وہاں اس بھیڑ کو فروخت کر سکے۔ اس نے سوچا کہ یہ بھیڑ میں کیوں نہ خرید لوں۔ کیسی موٹی تازی ہے۔ ہم دونوں اس کا دودھ بھی پی سکیں گے اور بیوی اون کات کر اس سے کپڑے بھی بنا سکے گی۔ چنانچہ اس نے بھیڑ کو خریدنے کا فیصلہ کر لیا۔ آدمی کو زور سے آواز دی:

"ارے بھائی ارے بھائی، ذرا ادھر آنا۔"

"کیا مجھ کو بلا رہے ہو بڑے میاں....؟" آدمی نے مڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تم ہی کو بلا رہا ہوں۔ کیا تم بھیڑ کو بیچنے لے جا رہے ہو....؟ بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں، شہر لے جا رہا ہوں۔"

"میں بھی گھوڑا بیچنے کے لیے شہر جا رہا ہوں۔ کیا تم اس گھوڑے کے بدلے میں اپنی بھیڑ دے سکتے ہو....؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"کیا کہہ رہے ہو بڑے میاں۔ بھیڑ کے بدلے میں گھوڑا دے رہے ہو، جس کی تم کو بازار میں زیادہ قیمت ملے گی۔" آدمی نے کہا۔

"پیسہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میرے کسی کام نہیں آئے گا بلکہ خرچ ہو جائے گا، لیکن یہ بھیڑ میری بیوی کے کام آسکتی ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

آدمی کو اس جواب پر بڑا تعجب ہوا۔ سوچنے لگا سودا اچھا ہے، میں گھوڑے کو لے کر زیادہ قیمت پر فروخت کر سکوں گا اس لیے بھیڑ کے بدلے لے لینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے بھیڑ، بوڑھے کو دے دی اور گھوڑا لے لیا۔ دونوں اس سودے پر خوش ہوئے اور اپنی اپنی راہ چل دیے۔ بوڑھا تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بہت بڑی بطخ کو بغل میں دبائے چلا جا رہا ہے۔ بوڑھے نے سوچا کہ بطخ بہت اچھی ہے، ایسی موٹی تازی ہے کہ کم بطخیں ایسی ہوں گی۔ اگر میں بھیڑ کے بدلے یہ بطخ لے لوں تو بیوی اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوگی کیونکہ اس کو بطخ کا بھنا

گوشت بہت پسند ہے۔ چنانچہ اس نے آدمی کو آواز دے کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تم میری اس بھیڑ کے بدلے یہ بطخ دے سکتے ہو۔ آدمی بڑے میاں کی بات سن کر حیرت میں پڑ گیا، کہنے لگا:

''بڑے میاں، سوچ لو، بھیڑ دے کر بطخ لے رہے ہو، حالانکہ یہ بھیڑ اس بطخ کے مقابلے میں کہیں زیادہ قیمتی ہے۔''

''مجھے پیسے سے غرض نہیں ہے۔ تمہاری بطخ مجھے پسند آگئی ہے، اگر تم میری بھیڑ کے بدلے اس کو دے دو تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' بوڑھے نے کہا۔

آدمی کچھ دیر بوڑھے کی شکل دیکھتا رہا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ بوڑھا اس سے مذاق نہیں کر رہا ہے تو راضی ہو گیا اور بھیڑ لے کر اس کو اپنی بطخ دے دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور اپنی اپنی راہ چل دیے۔

بوڑھا کچھ دور گیا تھا کہ اس نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ ایک ٹوکری اٹھائے چلا جا رہا ہے جس میں لال لال رس دار سیب بھرے ہوئے ہیں جن کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بوڑھا سوچنے لگا کہ اس کی بیوی کو ایسے خستہ، خوشبو دار اور رسیلے سیب بہت پسند ہیں۔ اگر میں یہ سیب تحفے کے طور پر لے جاؤں تو وہ کتنی خوش ہوگی۔ چنانچہ اس نے لڑکے کو آواز دے کر بلایا اور کہا کیا تم میری بطخ لے کر سیبوں کی یہ ٹوکری مجھے دے سکتے ہو۔ لڑکے کو بڑا تعجب ہوا کہ بڑے میاں کیا کہہ رہے ہیں، پھر موٹی تازی بطخ کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے سیبوں کی ٹوکری دے کر بطخ لے لی۔

بوڑھا اب تھک چکا تھا۔ سامنے ایک چائے خانہ پر نظر پڑی، سوچا کہ کچھ دیر اس میں بیٹھ کر آرام کر لے اور ایک پیالی چائے پی لے۔ چنانچہ وہ چائے خانہ میں داخل ہو کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور ایک پیالی چائے لانے کے لیے کہا۔ اس وقت ایک پڑھا لکھا سفید پوش آدمی بھی چائے خانہ میں داخل ہوا اور اس کے پاس بیٹھ کر چائے لانے کے لیے کہا۔ اچانک اس کی نظر سیبوں کی ٹوکری پر پڑی جس سے مشک جیسی خوشبو نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ آدمی نے بوڑھے سے پوچھا:

''کیا تم یہ سیب فروخت کرنے کے لیے بازار لے جا رہے ہو.....؟''

''جناب عالی! یہ سیب فروخت کے لیے نہیں ہیں۔ میں ان کو اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ یہ میں نے اپنی بیوی کے لیے حاصل کیے ہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

وہ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ چائے آگئی اور دونوں چائے پینے لگے۔ آدمی نے بوڑھے سے پوچھا:

''یہ سیب تم نے کتنے میں لیے ہیں۔''

بوڑھے نے بتایا کہ وہ اپنا گھوڑا فروخت کرنے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور اب اس کے بدلے یہ سیب لے جا رہا ہے۔ آدمی یہ سن کر سناٹے میں آگیا۔ کہنے لگا:

''یعنی تم نے گھوڑا دے کر یہ سیب لیے ہیں۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں نے گھوڑا دے کر ایک بھیڑ لی تھی۔'' بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آدمی یہ جواب سن کر اور حیران ہوا، اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔

پوچھنے لگا پھر کیا ہوا۔ بوڑھے نے سارا واقعہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ آدمی کو یہ کہانی سن کر تعجب بھی ہوا اور بوڑھے کی عقل پر غصہ بھی آیا۔ کہنے لگا:

''اب ذرا گھر جا کر دیکھو۔ تمہاری بیوی کا پارہ آسمان پر چڑھ جائے گا۔ وہ بیچاری اس امید میں بیٹھی انتظار کر رہی ہو گی کہ تم گھوڑا بیچ کر کچھ رقم لاؤ گے، لیکن جب دیکھے گی کہ گھوڑے کے بدلے تم یہ سیب لائے ہو تو وہ تمہاری اچھی طرح خبر لے گی۔''

بوڑھا یہ باتیں سن کر ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا:

''جی نہیں جناب! وہ بہت خوش ہو گی۔ وہ سیبوں پر جان دیتی ہے۔ اس کے علاوہ میری بیوی بڑی خوش اخلاق ہے، مجھ سے کبھی لڑائی جھگڑا نہیں کرتی۔''

''میرے بھائی! اس خوش فہمی میں نہ رہو۔ قیمتی گھوڑا ہاتھ سے نکال دیا اور اس کی جگہ سیبوں کی ٹوکری لے جا رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہاری بیوی غصہ نہیں ہو گی۔'' آدمی نے کہا۔

''تو کیا آپ کے خیال میں یہ برا سودا ہے۔ ذرا دیکھیے تو کیسی مشک جیسی خوشبو آ رہی ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''بڑے میاں یوں فیصلہ نہیں ہو گا، ہماری تمہاری شرط رہی۔ تم کہتے ہو کہ بیوی غصہ نہیں ہو گی، لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ ضرور غصہ ہو گی۔ اگر تم شرط جیت گئے تو میں تم کو ایک تھیلی اشرفی دوں گا اور اگر ہار گئے تو مجھ کو اتنی ہی اشرفی دینا۔'' آدمی نے کہا۔

''بھائی صاحب! آپ فکر نہ کیجیے، میری بیوی بہت خوش ہو گی۔'' بوڑھے نے کہا۔

''تو پھر ایک ایک تھیلی اشرفیوں کی شرط پکی ہو گئی....؟'' آدمی نے کہا۔

''میرے بھائی اشرفیوں کی بات نہ کرو۔ تھیلی بھر اشرفیاں تو بڑی چیز ہے، میرے پاس تو ایک بھی اشرفی نہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''اس آدمی کو اپنی بات پر اتنا یقین تھا کہ وہ ہر شرط پر تیار تھا۔ چنانچہ اس نے کہا۔

''اگر تمہارے پاس اشرفی نہیں تو کوئی بات نہیں۔ اگر تم جیت گئے تو میں تم کو ایک تھیلی اشرفی دوں گا، لیکن اگر تم ہار گئے تو تم مجھے سیبوں کی یہ ٹوکری دے دینا۔''

''آپ بھی عجیب بات کرتے ہیں....؟ اشرفیوں کو قیمت میں ان سیبوں کے برابر سمجھتے ہیں جو میں اپنی بیوی کی خوشی کے لیے لے جا رہا ہوں۔'' بوڑھے نے کسی قدر ترش روئی سے کہا۔

''اچھا چلو! تم کچھ نہ دینا، لیکن اگر میں ہار گیا تو میں تم کو ایک تھیلی اشرفی دوں گا۔'' آدمی نے کہا۔

''میرے بھائی ضد نہ کرو! تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔'' بوڑھے نے کہا۔

''میں اگر غلط فہمی میں مبتلا ہوں تو تم اس کو دور کر دو، مجھے اپنے ساتھ لے چلو تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ تمہاری بیوی غصہ ہوتی ہے کہ نہیں۔''

جب آدمی نے زیادہ ہی اصرار کیا تو بوڑھے نے

اس کی بات مان لی اور اس کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ جب دونوں گھر پہنچے تو اپنے شوہر کو دیکھ کر بوڑھے کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ اجنبی کو ساتھ دیکھ کر کہنے لگی:

''اچھا کیا تم مہمان کو بھی ساتھ لے آئے۔ آج میں نے بہت سارا کھانا پکایا ہے۔''

''ہاں، ان صاحب سے چائے خانے میں ملاقات ہوگئی تھی۔ بڑے اچھے آدمی ہیں اس لیے ساتھ لے آیا۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

اجنبی بھی خاموش نہیں رہا۔ کہنے لگا:

''معاف کیجیے! میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔''

''اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔ مجھے تو بہت خوشی ہوئی۔ ہمارے یہاں تو مہمان آتے رہتے ہیں۔ آیئے تشریف لایئے، اندر آکر بیٹھیے۔'' بوڑھی نے کہا۔

گھر میں داخل ہوتے ہوئے بوڑھے نے سیبوں کی ٹوکری بیوی کو دیتے ہوئے کہا:

''دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں....؟''

بیوی نے ٹوکری پکڑتے ہوئے کہا:

''ارے یہ تو سیب ہیں۔ کیسی اچھی خوشبو آرہی ہے۔ میں تو ان سیبوں پر جان دیتی ہوں۔'' پھر بڑی بی نے اجنبی آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''میرے شوہر بہت اچھے ہیں، میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

اجنبی نے، جو بڑی بی کے طرز عمل کو دیکھ کر الجھن میں پڑ گیا تھا، بڑی بی سے کہا:

''لیکن یہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ سیب، آپ کے شوہر نے کس طرح حاصل کیے....؟''

اگرچہ یہ جاننا ضروری نہیں ہے، لیکن پوچھ لیتی ہوں، یہ کہتے ہوئے بوڑھے کی بیوی نے معافی مانگی کہ اس نے صرف دو آدمیوں کے لیے دستر خوان بچھایا تھا۔ اس کے بعد وہ باورچی خانے میں گئی اور کھانا لے آئی۔

جب دستر خوان پر بیٹھ گئے تو بوڑھے کی بیوی نے کہا:

''ہاں اب بتاؤ، یہ سیب تم کس طرح لائے....؟''

''میں جب صبح گھر سے نکلا تو میں نے راستے میں ایک آدمی کو خوب موٹی تازی بھیڑ لے جاتے دیکھا۔''

''کیا بھیڑ بہت موٹی تھی۔'' بیوی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، خوب گوشت اور چربی والی تھی، اس لیے میں نے آدمی سے پوچھا کہ کیا تم میرے گھوڑے کے بدلے میں یہ بھیڑ دے سکتے ہو۔'' بوڑھے نے کہا۔

''تو کیا وہ آدمی بھیڑ دینے پر راضی ہو گیا....؟'' بیوی نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں وہ راضی ہو گیا اور میں نے گھوڑا دے کر وہ بھیڑ لے لی۔'' بوڑھے نے کہا۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ بھیڑ دودھ دیتی ہے اور میں اس کی اون سے کپڑے بھی بن سکتی ہوں۔'' بیوی نے خوش ہو کر کہا۔

اجنبی آدمی نے جب بڑی بی کو خوش ہوتے

دیکھا تو کہا:

"ذرا اپنے شوہر سے یہ بھی تو پوچھ لو کہ اس نے بھیڑ کا کیا کیا۔"

"بھیڑ کا پھر کیا ہوا۔" بیوی نے پوچھا۔

"میں بھیڑ لے کر جا رہا تھا کہ ایک آدمی کو ایک بطخ لے جاتے دیکھا، ایسی موٹی اور چربی والی بطخ تھی کہ بس کیا کہوں۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بھیڑ کے بدلے یہ بطخ لے لوں تو ہم دونوں اس کا گوشت بھون کر خوب مزے لے لے کر کھائیں گے۔"

"تم کتنے اچھے ہو ہمیشہ میرا خیال رکھتے ہو۔"

بیوی نے کہا اور پھر اس نے اجنبی کو مخاطب کر کے کہا:

"مجھے بطخ کا بھنا گوشت بہت پسند ہے۔"

اجنبی بھی خاموش نہیں رہا اور اس نے کہا:

"لیکن وہ بطخ بھی نہیں آئی، ذرا پوچھیے کیوں۔"

بڑی بی نے سوال کرنے کے انداز میں شوہر کو دیکھا تو اس نے کہا:

"پھر میری نظر ایک لڑکے پر پڑی جو ایک ٹوکری میں یہ سیب لیے جا رہا تھا، میں نے سوچا کہ تم کو سیب بہت پسند ہیں اور پچھلے دنوں تم نے سیبوں کی خواہش بھی کی تھی، اس لیے اگر میں بطخ کے بجائے یہ سیب لے جاؤں تو تم بہت خوش ہو گی۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔ تم کتنے اچھے ہو، تم کو میرا کتنا خیال ہے۔" بڑی بی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اجنبی آدمی بوڑھے کی بیوی کا یہ رد عمل دیکھ کر پریشان ہو گیا اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ کبھی وہ بوڑھے کو دیکھا اور کبھی اس کی بیوی کو، پھر اس نے بڑی بی سے کہا:

"تم اس بات پر خوش ہو رہی ہو، حالانکہ تم کو اپنے شوہر کی اس بیوقوفی پر غصہ آنا چاہیے۔"

"اس میں غصہ کی کیا بات ہے۔ کیا یہ بات کہ میرا شوہر میرے لیے سیب لایا ہے غصہ کرنے کی ہے۔" بیوی نے کہا۔

"لیکن خاتون یہ تو سوچو کہ گھوڑے جیسی قیمتی چیز دے کر سیب حاصل کیے ہیں۔" آدمی نے کہا۔

"لیکن گھوڑا اب ہمارے کسی کام کا نہیں تھا۔" بوڑھی نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے شوہر کی اس حرکت پر خوش ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"ہاں خوش ہوں، بہت خوش ہوں کہ میرا شوہر میرے لیے یہ سیب لایا ہے۔ مجھے وہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ اس کو ہمیشہ میری خوشی کا خیال رہتا ہے۔" بڑی بی نے جواب دیا۔

بڑی بی کے اس جواب پر اجنبی کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا، اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور اس نے نگاہیں نیچی کر لیں۔

بوڑھے نے اس کو کنکھیوں سے دیکھا اور مسکرا دیا۔ پھر اپنی بیوی سے کہا:

"اٹھو کھانا کھا لو، دیکھیں تم نے کیسا، چلبر، بنایا ہے۔"

بیوی نے کھانا لگاتے ہوئے کہا: "تمہارے جانے کے بعد تیاری کرنے لگی، گھر میں سب موجود تھا لیکن ادرک نہیں تھا اور بغیر ادرک کے چلبر کا مزہ نہیں آتا۔ پھر تم کو ادرک پسند بھی بہت ہے۔ میں

نے سوچا کیا کروں....؟ اتنے میں موسیٰ گاڑی والا نظر آیا۔ میں نے اس کو آواز دے کر بلایا اور کہا بھیا میں تم کو گھوڑے کی زین دیتی ہوں تم اس کے بدلے ادرک لادو۔"

موسیٰ نے یہ سنا تو حیران ہو گیا اور کہنے لگا:

"ادرک کے بدلے میں زین بیچ رہی ہو....؟"

"ہاں اور کیا کروں! جب گھوڑا نہیں رہا تو زین کا کیا کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔ موسیٰ گاڑی والا گیا اور ادرک لے آیا اور میں نے تمہارے لیے چلبر تیار کر دیا۔"

بوڑھے نے محبت کی نظروں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا:

"تم کتنی اچھی ہو، ہر وقت میرا کیال رکھتی ہو۔"

پھر اس نے اجنبی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

"میرے بھائی! کیا بات ہے تم کو میری بیوی کے اس سودے پر کہ اس نے زین دے کر ادرک لیا نہ تو تعجب ہوا اور نہ غصہ آیا....؟"

اجنبی خاموش رہا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

تینوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے دوران بوڑھے میاں بیوی ہنسی مذاق کی باتیں کرتے رہے۔

"واہ واہ، کیا اچھا کھانا بنایا ہے۔" بوڑھے نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

پھر بیوی سے مخاطب ہو کر کہا "تمہاری پکائی ہوئی چیز کبھی بری نہیں ہوتی۔"

"اچھا یہ بتاؤ، چلبر کے بعد ہم کیا کھائیں گے....؟" بیوی نے پوچھا۔

"کیا کھائیں گے تم ہی بتاؤ۔" بوڑھے نے کہا۔

"سیب، مشک جیسی خوشبو والے، خستہ رسیلے سیب کھائیں گے۔" بیوی نے کہا اور سب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے، اجنبی نے بھی اپنی خاموشی توڑ دی اور اپنی جیب میں سے اشرفیوں کی تھیلی نکالی اور بوڑھے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ لو، میرے بھائی، تمہارا حق۔"

"نہیں، میں نہیں لے سکتا۔ یہ سب مذاق تھا۔" بوڑھے نے کہا۔

"انکار نہ کرو، لے لو، میں درخواست کرتا ہوں۔" اجنبی نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

بوڑھا دیر تک انکار کرتا رہا، لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اشرفیوں کی تھیلی خلوص دل سے دے رہا ہے اور اگر اس نے انکار کیا تو اجنبی کو رنج ہو گا تو اس نے بادل ناخواستہ تھیلی لے لی۔ اجنبی نے اشرفیاں دینے کے بعد کہا:

"میں نے تم کو یہ اشرفیاں اس لیے دی ہیں کہ آج تم دونوں میاں بیوی نے مجھ کو بہت اچھا سبق سکھایا ہے۔"

"سبحان اللہ! یہ کیا کہہ رہے ہو میرے بھائی، ہم لوگ جاہل گاؤں والے ہیں، تم جیسے شہریوں کو کیا سبق دیں سکتے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

اجنبی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے کہا:

"میرے عزیز، تم نے مجھے خوش اور مطمئن زندگی کا نسخہ بتا دیا ہے۔"

جیتی جاگتی زندگی

زندگی بے شمار رنگوں سے مزین ہے جو کہیں خوبصورت رنگ اوڑھے ہوئے ہے، تو کہیں تلخ حقائق کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے ہے۔ کہیں شیریں ہے تو کہیں نمکین، کہیں ہنسی ہے تو کہیں آنسو۔ کہیں دھوپ ہے تو کہیں چھاؤں،، کہیں سمندر کے شفاف پانی کے جیسی ہے تو کہیں کیچڑ میں کھلے پھول کی مانند۔ کہیں قوسِ قزح کے رنگ ہیں۔ کبھی اماوس کی رات جیسی لگتی ہے۔ کبھی خواب لگتی ہے، کبھی سراب لگتی ہے، کبھی خار دار جھاڑیاں تو کبھی شبنم کے قطرے کی مانند لگتی ہے۔ زندگی عذابِ مسلسل بھی ہے۔ تو راحت جان بھی ہے، زندگی ہر ہر رنگ میں ہے، ہر طرف ٹھاٹھیں مار رہی ہے، کہانی کے صفحات کی طرح بکھری پڑی ہے....

کسی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ "اُستاد تو سخت ہوتے ہیں لیکن زندگی اُستاد سے زیادہ سخت ہوتی ہے، اُستاد سبق دے کے امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے۔" انسان زندگی کے نشیب و فراز سے بڑے بڑے سبق سیکھتا ہے۔

زندگی انسان کی تربیت کا عملی میدان ہے۔ اس میں انسان ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سیکھتا ہے، کچھ لوگ ٹھوکر کھا کر سیکھتے ہیں اور حادثے ان کے ناصح ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرے کی کھائی ہوئی ٹھوکر سے ہی سیکھ لیتا ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر اسے ماضی میں رونما ہونے والے واقعات بہت عجیب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ان پر دل کھول کر ہنستا ہے یا شرمندہ دکھائی دیتا ہے۔ یوں زندگی انسان کو مختلف انداز میں اپنے رنگ دکھاتی ہے۔

اب تک زندگی اَن گنت کہانیاں تخلیق کر چکی ہیں، ان میں سے کچھ ہم صفحہ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں۔

وقت ایک سا نہیں رہتا

ہم سب ان کو موٹی پھوپھی کہتے تھے، کیوں کہتے تھے یا تو اس لیے کہ وہ بہت موٹی تھیں یا اس لیے کہ ان کی آواز کافی بھاری تھی لیکن وجہ کچھ بھی ہو، موٹی پھوپھی نے اپنے اس نائٹل کا کبھی برا نہیں مانا۔ وہ میری پھوپھی کی نند تھیں اور ہمارے گھر میں ایک خاص حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں شائلہ اور شبانہ۔ شبانہ باجی اور شائلہ دونوں بہت خوبصورت تھیں۔ ان کا ایک بیٹا احمد بھی تھا۔ موٹی پھوپھی اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔

میں نے موٹی پھوپھی کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ کئی اچھائیاں ہونے کے باوجود موٹی پھوپھو اپنی بیٹیوں کی خوبصورتی پر بہت غرور کرتی تھیں، ان کی دوسری بھانجیاں، بھتیجیاں جو کم صورت و شکل کی لڑکیاں تھیں ان کے درمیان بیٹھ کر وہ اپنی بیٹیوں کے حسن کے قصیدے پڑھتیں۔

شبانہ باجی کی شادی بیس برس کی عمر میں ہو گئی تھی۔ شائلہ ان سے دو سال چھوٹی تھی۔ اس کے لیے رشتوں کی لائن لگ گئی، جہاں بھی، جس تقریب میں بھی شائلہ جاتی، واپسی پر دو چار رشتے ضرور ساتھ لگ

کر آجاتے۔ بڑے بڑے گھروں کے لوگ ان کے ایک کمرے کے فلیٹ میں زمین پر بیٹھ جاتے لیکن وہ بڑے غرور سے ہر رشتے کو منع کر دیتیں۔ کبھی جو کوئی ان کو سمجھاتا کہ بندیٔ خدا! خوف کرو، ہر گھر میں لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں، بیٹی کا فرض جلد از جلد ادا کر دو۔

تو وہ بڑے غرور سے کہتیں۔ فکر وہ کریں جن کی بیٹیاں کالی کلوٹی ہیں، میری بیٹی تو کانچ کی گڑیا ہے، اس کی شادی میں کیا مسئلہ.... ؟" اور اس لمحے وہ بھول جاتی تھیں کہ بیٹیوں کی شادیاں صورتوں، شکلوں کی وجہ سے نہیں نصیبوں سے ہوتی ہیں۔

"آپا جان.... کلثوم اور رضوانہ کے لیے بھی کوئی رشتہ دیکھیں۔ آخر آپ کی بہن کی بیٹیاں ہیں وہ۔" امی نے موٹی پھوپھو سے کہا جو آج کسی کام کے سلسلے میں ہمارے گھر آئی تھیں۔

موٹی پھوپھو بے رخی سے بولیں۔ دیکھوں گی۔ موٹی پھوپھو نے کہہ تو دیا لیکن انہوں نے ان کے رشتے کروانے میں کبھی دلچسپی نہ لی مگر اللہ بڑا رحیم و کریم ہے۔

وقت کا کام گزرنا ہے، سو وقت گزرتا چلا گیا۔ کلثوم اور رضوانہ کی بھی شادیاں ہو گئیں۔ جو شمائلہ کے جوڑ کے لڑکے خاندان میں تھے، وہ بھی بال بچوں والے ہو گئے۔ لیکن موٹی پھوپھو کے دماغ کی وجہ سے شمائلہ بیٹھی رہ گئی۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ چہرے کی شادابی اور خوبصورتی کہیں کھو گئی، جسم بے ڈول ہو گیا اور چہرے پر چھائیاں پڑ گئیں۔ اس فکر میں کہ دھوپ میں نکلنے سے چہرہ خراب نہ ہو جائے سو وقت گزاری کے لیے گھر کے کام کرتی یا کیبل کے پروگرام لیٹی دیکھتی رہتی، یوں دن رات گھر میں پڑے رہنے سے جسم بے ڈھب ہوتا چلا گیا اور عمر جھلکنے لگی۔

احمد کب تک بڑی بہن کی شادی کا انتظار کرتا اس کی ماں تو شمائلہ کی شادی کے انتظار کی وجہ سے اس کی شادی تو فراموش کر چکی تھیں، سو وہ ایک شام گھر اکیلا واپس نہ آیا بلکہ اپنی کولیگ سے شادی کر کے گھر لے آیا۔ اس دن موٹی پھوپھی ٹوٹ گئیں اور بستر سے جا لگیں۔ رات دن شمائلہ کی شادی کی فکر ان کو کھائی جاتی اور جو کسی سے ذکر کرتیں تو منہ کی کھاتیں کہ کوئی رشتہ تو بتاتا نہیں تھا اور ان کو باتیں سنانے بیٹھ جاتا کہ انہوں نے کیسے کیسے کفرانِ نعمت کیا ہے۔ احمد اپنی بیوی کے لاڈ اٹھانے میں اتنا مگن ہوا کہ ماں اور بہن کو تقریباً بھول ہی گیا۔

ایک روز میں شمائلہ سے ملنے گئی تو وہ بولی۔

"پتہ نہیں، کیا بات ہے، سیدھا ہاتھ اٹھایا ہی نہیں جاتا.... ؟"

"کیوں، کیا ہوا.... ؟" میں نے پوچھا۔

"بس سینے میں تکلیف ہوتی ہے، ہاتھ اٹھاتی ہوں تو درد کی لہر اٹھتی ہے، کروٹ لے کر نہیں لیٹ سکتی۔ امی اس قدر بیمار ہیں، آپا ملک سے باہر ہیں، کس سے کہوں.... ؟" شمائلہ نے اذیت و کرب سے گزرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا۔

اور میں کانپ کے رہ گئی۔ "کہیں خدا نہ کرے.... تم پرسوں تیار رہنا، میں آؤں گی، میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلنا۔" میں اس کو تاکید کرتے ہوئے اپنے گھر جانے کے لیے کھڑی ہو گئی کہ گھر پر

میرے دونوں بچوں کے اسکول سے آنے کا ٹائم ہو گیا تھا۔

لیکن اسی رات موٹی پھوپھی اپنی چہیتی بیٹی شمائلہ کو بیاہے بغیر اللہ کے گھر چل دیں۔ خاندان میں کسی کو بھی شمائلہ کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی کہ ہر شخص جانتا تھا کہ ان دونوں ماں بیٹیوں نے کیسے کیسے رشتے ٹھکرائے ہیں لیکن نہ جانے کیوں مجھے شمائلہ سے ایک عجیب سی ہمدردی محسوس ہوتی تھی، میں سوچتی۔ ہم کون ہوتے ہیں کسی کو لعن طعن کرنے والے....؟ یہ تو اللہ اور اس کے بندے کا معاملہ ہے۔

پھر میں اپنے میاں کے پاس لندن چلی گئی اور پاکستان کی دوستیاں، پاکستان میں رہ گئیں۔ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ شمائلہ کو بریسٹ کینسر ہو گیا ہے۔ اس دن مجھے بہت صدمہ پہنچا۔ میرا دل چاہا، میں اس سے بات کروں، اس کی خیریت پوچھوں لیکن مجھے کہیں سے اس کا فون نمبر نہ ملا۔ میری بہن نے بتایا کہ وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی، نہ کسی سے ملتی ہے اور نہ کسی کے گھر آتی جاتی ہے، بس زندگی کے دن ہیں جن کو وہ پورا کر رہی ہے۔ اس کے بال اتر چکے ہیں، رنگ سنولا گیا ہے، آنکھوں پر چشمہ لگ گیا ہے۔ اُف.... یہ سب سن کر میں بلک بلک کر رو دی اور میرے تصور مین وہ ہنستی مسکراتی، حسین و جمیل لڑکی آ گئی جو محفل میں جاتی تو محفل کی ہر رونق اس کے آگے ماند پڑ جاتی تھی۔

کافی عرصہ بعد ملک آنا ہوا تو ایک جگہ شمائلہ کو دیکھا وہ زرق برق شرارے سوٹ میں، اتنی بڑی عمر ہونے کے باوجود بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

''تم شمائلہ ہو نا....؟'' میں ابھی تک حیران تھی۔

''ہاں، میں شمائلہ ہی ہوں۔'' وہ ہنسی۔

''یہ.... یہ سب کیا ہے....؟ میں نے تو سنا تھا، تم بہت بیمار رہی ہو، تم کسی سے ملتی نہیں ہو....؟''

''ہاں، وہ سب ٹھیک تھا، کیا ساری کہانی ابھی سنو گی....؟ میں خود بھی تو تم کو اپنی کہانی سنانے کے لے بے قرار ہوں۔'' شمائلہ نے کہا اور میں نے جلدی جلدی اس کے گھر کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر نوٹ کیا کہ اب میرے لیے رات گزارنی مشکل تھی کہ صبح میں نے شمائلہ سے اس کے گھر آنے کا وعدہ کیا تھا۔

دوسرے دن صبح گیارہ بجے میں اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔

اب آگے کی کہانی آپ شمائلہ کی زبانی سنیے۔

''امی کے انتقال کے بعد میرے لیے زندگی آزمائش بن گئی۔ سینے کی تکلیف اور بھاوج کی طنزیہ ہنسی مجھے جینے نہیں دیتی تھی۔ آپا پاکستان آئیں تو ان کے ساتھ ہسپتال میں چیک اپ کے لیے گئی۔ وہاں ڈاکٹرز نے کہا کہ آپ کی سرجری کرنا ضروری ہے ورنہ بیماری بڑھ جائے گی، سو ہمت کر کے سوچا، خاموشی سے سرجری کروا لیتی ہوں، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی کیونکہ ایک کنواری لڑکی کے متعلق یہ مشہور ہو جائے کہ وہ ایک موذی مرض میں مبتلا ہے تو اس کی شادی ناممکن ہو جاتی ہے اور اب میں شادی کرنا چاہتی تھی، اپنا گھر بسانا چاہتی تھی کہ اب ماں کے بعد بھائی بھاوج کی خدمت نہیں کی جاتی تھی۔ وہ تو میری ماں تھیں، جب تک زندہ رہیں، میں نے ان کو

بیٹھ کر کھلایا لیکن یہ چھوٹے بھائی اور اس کی بیوی کی جوتیاں سیدھی کرنا میری برداشت سے باہر تھا۔ خیر، میں بتا رہی تھی کہ ڈاکٹر کے مشورے پر میں نے سرجری کروالی۔

میں ہسپتال سے واپس گھر آئی تو مجھے ایسا لگا جیسے میں ایک زندہ لاش ہوں جو اپنی قبر میں لیٹ کر صرف روزِ حشر کا انتظار کر رہی ہے۔ دنیا میں قیامت گو صرف ایک مرتبہ آئے گی لیکن میں روز قیامت کا کرب سہتی۔

اُٹھتے بیٹھتے بھاوج باتیں سناتی، طعنے دیتی کہ یہ تو ہم پر بوجھ کی طرح بیٹھ گئی ہے۔ پہلے تو امید تھی کہ اسے کوئی بیاہ کرلے جائے گا لیکن اس بیماری کی پوٹ کو اب کون ہاتھ لگائے گا....؟ یہ تو ساری زندگی کا عذاب بن گئی ہے۔ وہ میرا پیارا بھائی جس کو میں بہت پیار کرتی تھی، وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ ان کا بس نہ چلتا، مجھے دھکے مار کر نکال دیں لیکن امی جاتے جاتے ایک کام یہ کرگئی تھیں کہ فلیٹ میرے نام کر دیا تھا، سو مجبوراً ان کو مجھے رکھنا پڑ رہا تھا۔

میرا کینسر ختم ہوچکا تھا۔ میں ٹریٹمنٹ کے مراحل سے گزر رہی تھی لیکن بھائی بھاوج نے مجھے اچھوت بنادیا، میرے برتن علیحدہ کردیے، بچوں کو میرے سائے سے بھی دور رکھا جاتا جیسے میں کوڑھی تھی.... میں رات دن اپنے کمرے میں بیٹھی روتی رہتی یا اپنی زندگی سے بھرپور پرانی تصویریں دیکھتی رہتی۔ مجھے لگتا، میں آہستہ آہستہ پاگل ہو رہی ہوں۔

مجھے کبھی کبھی اپنی ماں پر بھی غصہ آتا کہ کیا تھا اگر وہ وقت پر میری شادی کردیتیں۔ میرے ساتھ کی لڑکیاں چار چار بچوں کی مائیں بن گئی تھیں، ایک میں تھی ناکام و نامراد....

کوئی ملنے آتا، میں اس سے نہ ملتی کہ لوگوں کی رحم بھری نظریں مجھ سے برداشت نہ ہوتی تھیں، کوئی فون کرتا، میں ریسیو نہ کرتی۔

ایک دن میں بہت اداس اور دلگرفتہ بیٹھی تھی کہ میری استانی جی جنہوں نے مجھے قرآن پڑھایا تھا، وہ مجھ سے ملنے چلی آئیں۔ انہوں نے جو میری حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوئیں پھر انہوں نے مجھ سے کہا۔

”دیکھو بیٹی بندوں سے کیوں امیدیں رکھتی ہو....؟ اللہ سے امید رکھو، اللہ سے سوال کرو، اللہ سے اس کی رحمت مانگو۔

استانی جی نے میری ہمت بڑھائی، ایسا لگا، جیسے میرے اندر ایک نئی روح حلول کرگئی ہے۔

میں نے اسی وقت وضو کرکے دو نفل توبہ استغفار کے پڑھے اور اپنے اللہ سے ٹوٹا رابطہ جوڑ لیا۔

شکر کو وطیرہ بنالیا۔ ہر ایک شخص سے جس سے زندگی میں کبھی رابطہ رہا، مین نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگی، لوگ سمجھتے، میں پاگل ہوگئی ہوں۔

اب بھائی بھاوج کے بند کمرے میں سے آنے والی دبی دبی ہنستی کی آوازیں مجھے پریشان نہ کرتیں کہ میں اب حاصل اور وصول کے چکر سے نکل چکی تھی۔

ایک دن ہماری پڑوسن ہمارے گھر چند خواتین کو لے کر آئیں۔ میں اس وقت قرآن پڑھ رہی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ میرے رشتہ کے لیے آئی ہیں۔ ان

کے بھائی کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے، بچہ کوئی نہیں ہے۔ میں تو سن کر خاموش رہی، میں ان خواتین کو بے حد پسند آئی۔ میری بھاوج نے خوب مذاق اڑایا وہ خواتین میری آپا کا فون نمبر لے کر چلی گئیں کہ وہ میری آپا سے بات کریں گی جو کچھ عرصے کے لیے پاکستان آئی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف مجھے یقین تھا کہ ان کا بھائی کوئی عام سا کام کرتا ہو گا۔

آپا نے ان کو میری بیماری، بھاوج کے رویے، سے لے کر ہماری تنگ دستی سب کے بارے میں تفصیل سے بتادیا لیکن وہ پھر بھی بضد رہیں کہ ان کے بھائی کی خواہش تھی کہ لڑکیاں تو مجھے بہت مل جائیں گی لیکن وہ کسی مظلوم کا سہارا بننا چاہتے تھے۔ آخر ان کی ضد سے تنگ آ کر آپا ان کے گھر چلی گئیں لڑکا دیکھ کر، جب واپس آئیں تو بے حد خوش تھیں۔ ان لوگوں نے ایک تنکا بھی لینے سے منع کر دیا تھا۔ میں زندگی کے اس رخ پر بھی خاموش تھی کہ میرے مالک کو یہی منظور ہو گا۔

ایک دن میں عزت سے، پھولوں سے لدی گاڑی میں رخصت ہو کر پیا کے سنگ اپنے گھر چلی گئی۔ رشتہ طے ہونے کے بعد آپا نے مجھے بتایا کہ میرے میاں انتہائی ہینڈسم اور تعلیم یافتہ آدمی ہیں، ان کا اپنا کپڑے کا کام ہے۔

اور یوں میں آج اپنے گھر میں بہت عیش کر رہی ہوں۔ اپنے مالک سے میرا تعلق بہت گہرا ہو چکا ہے۔ میرے شوہر بظاہر جن کے آگے میری کوئی حیثیت نہیں ہے، میرا بہت خیال رکھتے۔

میرے چہرے کی خوبصورتی کافی حد تک بحال ہو چکی ہے۔ وہ بھاوج جو مجھے دھتکارتی تھی، آج میرے تعلق کو فخریہ انداز میں بتاتی ہے۔

شائلہ نے آنسو بھری آنکھوں سے اپنی کہانی مکمل کی اور میں خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی۔ ”واقعی اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ اس راہِ حیات میں ہمیشہ توبہ کے دروازے کھلے رہتے ہیں، بس کوئی توبہ کرنے والا تو ہو۔“

سکون کی تلاش

دونوں باپ بیٹے اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ باپ بے چارہ بیمار رہتا تھا۔ رات بھر کھانستا رہتا۔ اس کے کھانسنے کی آوازیں پورے محلے میں گونجتی رہتی تھیں۔

میں ان کے ایک کمرے کوارٹر سے کچھ فاصلے پر ایک نسبتاً بڑے کوارٹر میں رہتا تھا۔ میرا کوارٹر بڑا اس طرح ہو گیا تھا کہ والد صاحب نے تین کوارٹر ایک ساتھ خرید لیے تھے۔

ان دونوں باپ بیٹے کے نام بھی عام لوگوں سے مختلف تھے۔ باپ کا نام خیرو تھا اور بیٹے کا نام رمضان۔

ایک رات میں نے رمضان کی چارپائی باہر گلی میں اس کے دروازے کے پاس دیکھی۔ اس وقت وہ جاگ ہی رہا تھا۔ میں نے ادھر سے گزرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا بات ہے رمضان، چارپائی باہر کیوں بچھائی ہے....؟“

”کیا بتاؤں نوید بھائی۔“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”محلے والوں نے زندگی عذاب کر دی ہے۔“

"کیوں، محلے والوں نے کیا کہا ہے....؟" میں نے پوچھا۔

"یہ لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے۔" رمضان نے کہا۔ "ایک چھوٹی سی کوٹھری میں بیمار باپ کو رکھا ہوا ہے۔ بے چارہ ڈھنگ سے سانس بھی نہیں لے سکتا۔ وہ تو گھٹ کر مر جائے گا اور بھی اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اسی لیے ہم دونوں باپ بیٹے نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ سے میں باہر ہی سویا کروں گا۔ کچھ تو زبان بند ہو گی ان لوگوں کی۔"

"واقعی رمضان تم ایک سعادت مند اولاد ہو۔" میں نے اسے شاباش دی۔

رمضان میری حوصلہ افزائی سے بہت خوش ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ بے چارہ باہر گلی ہی میں سوتا رہا۔ میں رات کے وقت جب بھی ادھر سے گزرتا اس سے گپ شپ کر لیا کرتا تھا۔ ایک رات جب وہ اپنے چہرے پر کمبل ڈالے سو رہا تھا میں نے اس کے پاس جا کر آواز دی۔ "رمضان! رمضان! سو گئے کیا۔" اس نے چہرے پر سے کمبل ہٹا دیا۔ وہ رمضان نہیں بلکہ خیرو تھا۔ رمضان کا باپ۔

"ارے چاچا، خیریت تو ہے!" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "تم باہر کیوں سو رہے ہو....؟"

"بیٹا، محلے والوں کی وجہ سے۔" خیرو نے بتایا۔

"کیوں، محلے والے کیا کہہ رہے ہیں....؟"

"زندگی عذاب کر دی ہے۔ کہہ رہے ہیں کیا بے رحم باپ ہے جو خود تو اندر کمرے میں سوتا ہے اور بیٹے کو باہر گلی میں پھینک دیا ہے۔ بس بیٹا ہم دونوں باپ بیٹے نے یہی فیصلہ کیا کہ اب میں باہر سویا کروں گا۔"

"چاچا، مجھے تم دونوں کی محبت نے بہت متاثر کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"بس بیٹا، یہی زندگی رہ گئی ہے۔ اب جیسی بھی گزرے، اس کا احسان ہے۔"

بوڑھا خیرو پھر باہر ہی سوتا رہا۔ رمضان سے ملاقات ہوئی تو وہ کچھ بے چین سا دکھائی دیا۔ "نوید بھائی، محلے والوں نے پھر بولنا شروع کر دیا ہے۔"

"اب کیا بول رہے ہیں....؟"

"یہی کہ کیسا بے رحم بیٹا ہے۔ جس نے اپنے باپ کو گلی میں سونے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ بے چارہ بوڑھا سردی کی رات میں رات بھر کھانستا رہتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ ٹھنڈ تو شروع ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔

"اب آپ ہی مشورہ دیں، ہم کیا کریں۔"

"میں اب کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم دونوں خود ہی سوچ کر کوئی راستہ نکالو۔"

اس ہفتے میں نے دیکھا کہ دونوں نے ایک راستہ نکال لیا تھا۔

دونوں ہی باہر سونے لگے تھے۔ دونوں کی چارپائیاں گلی میں آ گئی تھیں۔ "یار رمضان، یہ کیا حماقت ہے....؟" میں نے رمضان سے پوچھا۔

"یہ حماقت نہیں عقلمندی ہے۔" رمضان نے کہا۔ "اب کوئی الزام نہیں لگا سکتا کہ باپ نے بیٹے کو باہر سلایا ہے یا بیٹے نے باپ کو کیونکہ اب دونوں ہی

باہر ہیں۔"

میں کئی راتوں تک یہ سلسلہ دیکھتا رہا۔ دونوں کی چارپائیاں گلی میں رکھ دی جاتیں۔ بستر بچھائے جاتے اور دونوں باپ بیٹے اپنی اپنی چارپائی سنبھال لیتے۔

بوڑھے خیرو کے کچھ دوست بھی تھے۔ اسی کی عمر کے۔ وہ بھی وہاں آجاتے اور ایک چوپال سی جم جاتی۔ بے چارہ رمضان اپنے باپ اور اس کے دوستوں کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کر دیا کرتا۔

کچھ دنوں کے بعد ایک رات دونوں چارپائیاں غائب ہو گئیں۔ یعنی کوارٹر سے باہر کوئی چارپائی نہیں تھی۔ میں نے دوسرے دن رمضان سے پوچھا۔ "کیا ہوا رمضان، خیریت تو ہے۔ رات تم دونوں کہیں گئے ہوئے تھے کیا....؟"

"نہیں تو۔ ہم دونوں اندر ہی کوٹھری میں سوئے ہوئے تھے۔"

"اندر سوئے تھے۔"

"ہاں نوید بھائی۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "پھر وہی محلے والے۔"

"کیوں، اب کیا کہہ رہے ہیں محلے والے....؟"

"کہہ رہے ہیں۔ دیکھو دونوں بے وقوفوں کو۔ گھر ہوتے ہوئے گلی میں سو رہے ہیں اور ایک رات دونوں سردی سے اکڑے ہوئے ملیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ یعنی کہانی وہیں پہنچ گئی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔"

"ہاں نوید بھائی، یہی ہوا ہے۔ اب ہم دونوں پھر اس کوٹھری میں ہیں۔"

"دیکھو، اگر تم دونوں اسی طرح کرتے رہے تو ایک دن خرچ ہو جاؤ گے۔ محلے والے چاہے اب کچھ بھی بولتے رہیں۔ تم اب کوٹھری سے باہر نہیں نکلنا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

ایک دن رمضان نے میرے سامنے ایک بہت ٹیڑھا مسئلہ رکھ دیا۔ "نوید بھائی، میں تو بہت چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اب تم ہی مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔"

"اب کیا مسئلہ ہو گیا تمہارے ساتھ....؟" میں نے پوچھا۔

"میرے ابا میری شادی کروانے کے چکر میں ہیں۔ انہوں نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے کہ میں کسی بھی حال میں شادی کر لوں۔"

"تو اس میں پریشانی کیا ہے، کر لو شادی۔"

نوید بھائی، تم تو سارے حالات جانتے ہو۔ شادی کر لی تو ابا کہاں رہے گا۔ اس کو پھر باہر گلی میں سونا پڑے گا۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔ یہ تو واقعی بہت ٹیڑھا مسئلہ ہے۔"

رمضان منہ ہی منہ میں کچھ بولتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ شاید وہ بے چارہ اپنی قسمت کو برا بھلا کہہ رہا ہو گا۔

کچھ دنوں کے بعد اس کی شادی ہو گئی۔ بہت چھوٹی سی تقریب تھی جس میں گنتی کے کچھ لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔

اس کا بوڑھا باپ اس وقت بھی کھانس رہا تھا اور میں اسے دیکھ کر افسوس کر رہا تھا کہ اس کھانستے ہوئے بوڑھے کو ایک مرتبہ پھر گلی میں اپنا پلنگ بچھانا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ بیٹے اور بہو کے ساتھ کمرے میں

تو نہیں رہ سکتا۔

لیکن شادی کے چند ہفتوں بعد اس کے برعکس ایک اور بات ہو گئی۔

رمضان کا پلنگ پھر باہر آ گیا۔ حالانکہ رمضان اور اس کی بیوی نے کوارٹر کے دروازے کے باہر پلنگ ڈال کر اسے چاروں طرف سے کپڑے سے اس طرح کور کر دیا تھا جیسے کوئی کمرا بنا دیا گیا ہو۔

دو دن تو خیریت سے گزر گئے۔ تیسرے دن رمضان بہت پریشان ہو کر میرے پاس آیا۔ "تو ید بھائی، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب میں کیا کروں۔"

"کیوں اب کیا بات ہو گئی۔"

"محلے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اس طرح باہر پلنگ ڈال کر پورے محلے کے ماحول کو خراب کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "محلے کے لڑکے اندھیرے میں گلی میں بیٹھے رہتے ہیں۔"

"یہ بات تو ہے رمضان۔" میں نے کہا۔ "اس مرتبہ محلے والوں کا اعتراض بالکل درست ہے۔"

"تو پھر بتاؤ کیا کروں۔"

"اب میں کیا بتا سکتا ہوں۔ تم لوگ خود ہی کوئی راستہ نکالو۔"

اس بے چارے نے راستہ یہ نکالا کہ تیسرے دن سے اپنے باپ کو گلی میں سلانا شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ شاید اب محلے والے اس کا پیچھا چھوڑ دیں لیکن ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

ایک مرتبہ پھر وہی اعتراض کہ بے چارہ باپ تو باہر گلی میں سو رہا ہے اور دونوں میاں بیوی کمرے میں عیش کر رہے ہیں۔

تنگ آ کر رمضان نے باپ کو بھی کمرے میں بلا لیا، اب وہ تینوں ایک ہی کوٹھری میں تھے۔ اس پر وہ طوفان اٹھا کہ بے چارہ رمضان بلبلا کر رہ گیا۔ اب یہ کہا جا رہا تھا کہ بڈھے باپ کی بے غیرتی دیکھو کہ شادی شدہ بیٹے اور بہو کے ساتھ ایک کمرے میں گھس کر سویا رہتا ہے۔ یہ سب قیامت کی نشانیاں ہیں۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے برکتیں ختم ہو گئیں ہیں اور خدا کا عذاب نازل ہونے لگا ہے۔ وغیرہ

رمضان نے بہت ہی پریشان ہو کر مجھ سے فریاد کی۔ "تو ید بھائی، اب بتائیں، اب میں کیا کروں۔ اب تو کوئی راستہ ہی نہیں رہ گیا ہے۔"

"اب میں تمہارے لیے سوائے دعاؤں کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔

پھر ایک دن پتا چلا کہ رمضان کا باپ سخت بیمار ہو کر ہسپتال پہنچ گیا اور اسی بیماری کے عالم میں ایک ہی ہفتے میں اس کا انتقال ہو گیا۔

مجھے اس شخص کی موت کا افسوس بھی تھا۔ لیکن یہ خیال بھی تھا کہ اب بے چارے رمضان کو سکون مل جائے گا کیونکہ بے چارہ باپ ہی نہیں رہا تھا۔ لیکن توبہ کریں۔ باپ کی موت کے بعد پورا محلہ دو واضح گروہوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

ایک گروہ کا کہنا تھا کہ بے چارہ رمضان اب تنہا رہ گیا ہے۔ باپ کا سہارا ختم ہو گیا ہے۔ اب وہ زندگی بھر دعاؤں کے لیے ترستا رہے گا۔ باپ تھا تو مشورے دیتا رہتا تھا جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ رمضان ہی کی وجہ سے بے چارے بوڑھے باپ کا انتقال ہوا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر ایسی حرکت کی ہو گی کہ بے چارہ

بیمار ہو کر انتقال کر گیا۔

یعنی باپ کی موت کا سارا ملبا بے چارے رمضان پر آگرا تھا۔

رمضان ایک مرتبہ پھر بلبلاتا ہوا میرے پاس آگیا۔ "نوید بھائی، اب تو انتہا ہو گئی ہے۔ باپ زندہ رہا تو مصیبت۔ مر گیا تو اور مصیبت۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

"اب تو صرف ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ لوگ تمہیں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم یہ محلہ ہی چھوڑ دو۔ کہیں اور چلے جاؤ۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" رمضان نے میری تائید کی۔ "میں خود اب ایسے محلے میں نہیں رہنا چاہتا جہاں لوگوں کو چین ہی نہیں مل رہا ہے۔"

اس کے دس پندرہ دنوں کے بعد رمضان واقعی محلہ چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا۔ اس نے اپنا کوارٹر کسی کو کرائے پر دے دیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ اب وہ بے چارہ سکون کی زندگی گزار رہا ہو گا لیکن شاید اس بے چارے کے مقدر میں سکون ہی نہیں تھا۔

ایک دن وہ بازار میں مجھے مل گیا۔ بہت پریشان تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑتی ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے میرے پاس آگیا۔ "نوید بھائی، اچھا ہوا آپ مل گئے۔ میں تو خود آپ کے پاس جانے کی سوچ رہا تھا۔"

تم بتاؤ، تم خیریت سے تو ہو نا....؟" میں نے پوچھا۔

"خیریت کہاں نوید بھائی۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "ہم جیسوں کے نصیب میں خیریت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔"

"کیوں، اب کیا مسئلہ ہو گیا۔ تم تو وہ محلہ چھوڑ چکے ہو۔"

"محلہ تو چھوڑ چکا ہوں۔ لیکن اب جس محلے میں گیا ہوں، وہ لوگ اور بھی دو چار ہاتھ آگے کی چیز ہیں۔"

"کیوں، ان کے ساتھ کیا پرابلم ہو گئی۔"

"پرابلم یہ ہے کہ محلے والوں کو یقین ہی نہیں آرہا کہ میں کوئی شریف آدمی ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص راتوں رات اپنا پرانا محلہ چھوڑ کر بھاگ نکلے، اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ وہ سب مجھے اور میری بیوی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں۔ اب آپ بتائیں، میں کیا کروں۔"

"اب تمہارے لیے صرف ایک مشورہ ہے۔" میں نے کہا۔ "تم نے اپنا کوارٹر کرائے پر دیا ہے نا۔"

"جی ہاں۔"

"بس تم اپنے کوارٹر میں واپس آجاؤ۔" میں نے کہا۔ "اور دھڑلے سے رہنا شروع کر دو۔ کیونکہ یہ دنیا ایسی ہے کہ تم چاہے کچھ بھی کر لو، وہ تمہارے کام میں نقص نکالتی رہے گی۔ اس لیے اب کسی کی پروا مت کرو۔ لوگ جو کہتے ہیں کہنے دو۔ ورنہ شاید تمہارے لیے زندہ رہنا دشوار ہو جائے۔"

رمضان نے میرے اس مشورے پر عمل کر لیا۔ اب وہ محلے والوں کی بالکل بھی پروا نہیں کرتا اور انتہائی سکون کی زندگی گزار رہا ہے۔

❄

بجو کا شکر گنج

نعیم کوثر

"صدا فقیر کی!

فرید شکر گنج۔ نہ رہے دکھ، نہ رہے رنج!

کیا تھا، کیا ہو گیا۔ چمن تھا، گل ہو گیا!

یاد رب کی اور خیر سب کی!

یہاں لے اور وہاں دے!

تیرے آگے کی بھی خیر، پیچھے کی بھی خیر!

اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے!

دم قلندر، دودھ ملیدا!

مست قلندر، دودھ ملیدا!

کندھوں تک الجھے بکھرے سفید بال جیسے کباڑی کی دوکان کے کونے میں دھول سے اٹا باریک تار کا گچھا۔ ہاتھ لگائیں تو انگلیوں پر خون کی بوندیں چھلک اٹھیں۔ ناف سے اوپر سینے کو چھوتی لمبی ڈاڑھی ایسی ویران اجاڑ جھاڑی دکھائی دیتی جہاں مکڑیاں بھی جالا بُننے سے کترائیں۔ سانولا رنگ، پستہ قد اور منمناتی کمزور آواز۔ موٹے ہونٹ، گھٹنوں سے پاؤں تک سیاہ کُرتا اور اسی رنگ کی تہہ بند۔ جوہری بازار سے صدر ہاسپٹل کی لانبی سڑک پر وہ صبح سے شام تک یوں ہی آواز لگاتا گھومتا رہتا ہے۔

"دم قلندر، دودھ ملیدا!

مست قلندر، دودھ ملیدا!"

نہ ہاتھ میں کٹورا نہ بغل میں تھیلا اور نہ کسی کے آگے بھیک مانگنے کو اس کی ہتھیلی کھلتی۔ جوہری بازار میں جب کبھی بنیوں کی چھوٹی بڑی دوکانوں میں گاؤں کے کسان اور ان کی دبلی اور اجڑی صورتوں والی عورتیں چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں بازو میں دابے داخل ہوتیں تو وہ درد میں ڈوبی آواز میں چیختا:
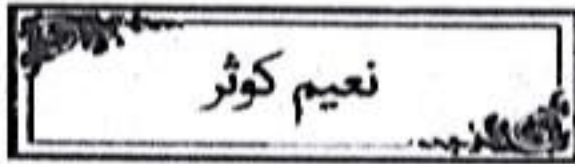
"تیرے آگے کی بھی خیر، پیچھے کی بھی خیر!"

گود میں بے جان سے بچے کو سمیٹے بلکتی روتی ماں ہاسپٹل میں بھاگتی ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچتی تب بھی وہ اس طرح صدا لگاتا:

"یاد رب کی اور خیر سب کی!"

وہ بے چینی کی حالت میں بڑے دروازے پر سر تھامے بیٹھ جاتا۔ تبھی اندر سے اسٹریچر پر سفید چادر میں کسی لاش کو ڈھانپے باہر لایا جاتا تو وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں بولتا۔ "کیا تھا، کیا ہو گیا۔ چمن تھا، گل ہو گیا!"

گرمی ہو، یا بارش، یا سردی، اس کی چال ڈھال آواز پر کسی بھی موسم کا اثر نہ پڑتا۔

موسلا دھار بارش اور بجلی کی کڑک سنتے ہی کسی دوکان کے سائبان تلے بیٹھتا تو مینڈکوں کی بولتی بند ہو جاتی۔ برفیلی سردی میں حکیم ہوٹل کی بھٹی کے پاس جالیٹتا اور جلی ہوئی روٹی کی سگندھ سے بھٹکی بھوک کو تسلی دے لیتا۔ سورج کی آگ برساتی گرمی میں تالاب کے کنارے پیپل کے پیڑ تلے سکون سے خراٹے بھرتا۔

ڈیل ڈول چہرے کی جھریوں اور حلق کے نیچے لٹکی کھال سے اندازاً اس کی عمر ستر سال سے کم نہ ہوگی۔ شہر کے لوگ اسے "بابا" کہا کرتے تھے۔

میں نے دسویں کا امتحان پاس کیا تو ماں نے چار سوتی شرٹ اور دو پینٹ جو بیٹے کے دسہرے میں سلوائے تھے، کپڑے کے تھیلے میں رکھ دیے۔ پچاس روپے کا ایک نوٹ، ڈھیر ساری دعائیں اور چٹاچٹ گالوں، پیشانی پر پیار کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں روزگار کی تلاش کا چٹان جیسا بوجھ اٹھائے وِدھوا ماں کے مچلتے ارمان پورے کرنے کے لیے گوالیار اپنے ماما کے پاس آگیا۔

ایشور ان جیسا ماما سب کو دے، جتنا پیارا اپنے بچوں کو دیتے، اتنا ہی مجھے دیتے۔ ماں اور وہ، نانا نانی کی دو ہی اولاد بچی تھی۔ وہ ضلع پولیس، آفس میں اپر ڈویژن کلرک تھے اور دو کمروں کے سرکاری مکان میں رہتے تھے۔

ماما نے سب سے پہلے روزگار کے لیے میرا نام درج کرایا اور کئی نجی کمپنیوں میں درخواستیں لگوادیں۔ تین مہینے دن بھر پیدل چلتے چلتے چمڑے کی چپلیں سارا رنگ روغن کھو بیٹھیں۔ پنڈلیاں درد سے ملنے لگیں۔ گاؤں کی پگڈنڈیوں نے تارکول سڑکوں سے ناتا کیا جوڑا گائے بھینسوں کے تازہ شدہ دودھ سے پیدا خون شرما گیا۔

ایک دن دل گھبرایا، ماں کی تھپکیاں اور دلار یاد آیا تو گھومتا ہوا تالاب کے کنارے چلا آیا۔ پیپل کے تنے سے کمر لگائی اور آنکھیں موند لیں۔ اسی حالت میں رات کے نو بج گئے۔ اچانک کڑکتی آواز سے نیند ہوا ہو گئی۔

"فرید شکر گنج۔ نہ رہے دکھ، نہ رہے رنج!"

میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تاریکی میں شہر کے روشن قمقمے تاروں جیسے چمک رہے تھے۔ سناٹے میں جھینگروں کے بولنے کے سلسلے کو، بابا کے ڈراؤنے قدو قامت اور بھاری قدموں کی چاپ نے توڑ دیا۔ میرا تھکا ماندہ جسم خوف سے لرز اٹھا۔ دس قدم دور کھڑے بابا کی، اندھیرے میں چمکتی آنکھیں میری ہمت کو پسینے میں تر کر رہی تھیں۔ میں نے چاہا کہ دوڑ لگادوں لیکن زمین نے دونوں پاؤں جکڑ لیے۔ تبھی آگے پیچھے دو کاریں ادھر کو آئیں۔ تیز ہیڈ لائٹس نے تاریکی کی چلمن اتار پھینکی۔

بابا مجھے گھور رہا تھا۔

اس کے چہرے پر نرمی کے آثار نظر آئے تو مری خوف زدگی کا پارہ بھی بکھر گیا۔ لاکھوں کی آبادی میں شاید میں پہلا انسان تھا جسے اس نے مخاطب کیا۔ ہمدردی سے شرابور تھے اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ۔

"چیل کے گھونسلے میں گوشت کی بوٹی ڈھونڈنے نکلے ہو۔ مگر لڑکے، ابھی اللہ کا حکم نہیں ہوا ہے۔"

میں اس کا دھرم پہچان گیا مگر اس کے وشواس کی شکتی نے میری ناامیدی بڑھادی۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ بابا کیسے جان گیا کہ بے روزگاری کے تھپیڑوں نے

میرے حوصلوں کے چیتھڑے اڑا دیے ہیں۔

"بابا میری مدد کرو۔ گاؤں میں ماں میرے کارن روتی ہے۔"

کاریں کب کی گزر چکی تھیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کا صرف احساس ہی کر پا رہے تھے۔

"ساری دنیا کی مائیں روتی رہتی ہیں۔ ان کی تقدیر بارش کے موسم میں لکھی گئی ہے۔ میرے بیٹے کی ماں بھی چلائی اور گڑگڑائی تھی۔ سنتا کون ہے۔"

+++

یونس کے پاس دو راجستھانی بیلوں کی جوڑی تھی۔ پانچ ایکڑ زمین ہانکنے اور جوتنے کو کافی تھی۔ وہ سوچتا تھا، ایک جوڑی اور مل جائے تو اناج منڈی لے جانے کا خرچ بچ جائے۔ دوسروں کا مال ڈھونے سے آمدنی بھی بڑھ جائے گی۔ سرپنچ کے ٹریکٹر ٹرالی سے، منڈی تک کا بہت زیادہ بھاڑا تھا۔ تین سال سے مان سون کی چاہ میں کئی ضلعوں کے کسان جمع پونجی کھا چکے تھے۔ بکھری اور اکال نے ساہوکار کی ہتھیلیوں کی کھجلی کافور کر دی۔ کبھی کبھی کالی بدلیاں آسمان کو ڈھانکتیں۔ کسان دوڑے دوڑے کھیتوں میں آتے۔ فضا میں نمی گھل جاتی۔ لیکن طوفانی ہوائیں پل بھر میں بدلیاں اڑا لے جاتیں اور سورج امیدوں کا منہ چڑاتا، آگ برسانے پھر نکل آتا۔ سب کی کھوکھلی چھاتیاں دل کی دھڑکنوں سے کھلواڑ کرنے لگتیں۔ کتنے تہوار آئے اور سانپ جیسے لہراتے بل کھاتے گزر گئے۔

اب کی برس بادل اتنے ٹوٹ کر برسے کہ تال تلیاں ابلنے لگیں۔ کنوئیں منڈیریں توڑنے لگے۔ گاؤں سے چار میل دور بہتی ندی نے کنارے بسے کئی گاؤں ہڑپ کر لیے۔ کسانوں کے سوکھے ہونٹ کھل اٹھے اور گھروں میں چھائی مردنی چھٹ گئی۔ بال بچوں والیوں نے ابھی سے سپنے میں ڈوبنا شروع کر دیا کہ اس برس بیٹیوں کی ڈولیاں اٹھ جائیں گی۔ یونس اور اس کی بیوی صغریٰ کے سر سجدے میں گر گئے۔ رات گئے بھیگی بھیگی ہواؤں کے شور میں وہ یونس سے بولی۔ "اللہ نے ہم لاچاروں کی سن لی۔ اب کی فصل کاٹ لو تو لڑکیوں کی بھی فکر کریں۔ کب تک چیتھڑوں سے جوانی ڈھانپتی رہوں گی۔"

"جتنی فکر تجھے ہے اتنی مجھے بھی ہے، پر کیا کریں۔ کنوئیں کے لیے ساہوکار جی سے دس ہزار لیے ہوئے ہیں۔ تین سال سے ایک روپیا نہیں دیا۔ بھکاری کی طرح ہر سال مہلت لیتا ہوں۔ اس فصل پر تو ہر حال میں چکانا ہی پڑے گا۔"

قرض تو بینک سے بھی مل جاتا مگر لکھا پڑھی اور انگوٹھے لگانے کے بعد بھی پوری رقم نہیں ملتی۔ بیچ کے دلالوں کو کمیشن اور بابوؤں کی جیب قدم قدم پر منہ پھاڑے رہتی ہے۔ کسان گھبرا کر بینک کی سیڑھیاں اترتے اور سیدھے بالم پور تحصیل پہنچتے۔ ساہوکار کے سامنے کھتونی رکھی۔ لال رنگ کے بہی کھاتے میں انگوٹھا لگایا اور نوٹ گنتے گنتے تھوک سوکھتا دیکھ اٹھ کھڑے ہوتے۔

یونس چھوٹا کسان تھا۔ گھنے جنگلوں سے گھرے دور دراز کے چھوٹے گاؤں میں پانچ ایکڑ زمین کی اوقات کیا ہوتی ہے۔ مٹی کے تیل سے جلتی چھوٹی سی بتی کی روشنی میں پڑوس کے جھونپڑے بھی دکھائی نہیں دیتے۔ چار طرف دیواریں اینٹ گارے سے بنا لیں۔ مشکل سے بیس فٹ کی جگہ میں یونس اپنی

بیوی، بچوں کے ساتھ دھواں دھار بارش میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ پرانی کھپریل کی چھت دو تین جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ اس کی بیٹیوں نے دروازے کا ٹاٹ اتارا اور اپنے بھائی کے اوپر ڈال دیا۔ دونوں دیوار کی اوٹ میں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ کافی رات گزری اور بارش رکی تو ہر طرف مینڈکوں کے ٹرٹرانے کی گونج میں یونس اٹھ بیٹھا۔

"اللہ کی رحمت ہے صغریٰ۔ اس مرتبہ قرضہ ادا کر دینا ہی اچھا ہے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے۔ گئے سال ہی ساہوکار کے تیور اچھے نہ تھے۔ اب نہ جانے کیا کر بیٹھے۔"

"ابھی تین مہینے باقی ہیں مکا جوار پکنے میں۔ کچھ نہ کچھ راستہ کھوج لیں گے۔" صغریٰ آہستہ سے بولی تاکہ بچوں کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔

یونس کی سمجھ میں ترکیب آئی اور کہنے لگا۔ "ایسا کریں، بشیرا کو شہر بھیج دیں۔ وہاں اچھی مزدوری مل جاتی ہے۔ فصل کٹنے تک دو ڈھائی ہزار کما لے گا۔"

"چھی چھی چھی! کیسا ظلم کرتے ہو۔ ابھی بارہ سال کا ہے میرا بشیرا۔ شہر پھر شہر ہوتا ہے۔ تمہارے گاؤں جیسا نہیں۔ وہاں ریل گاڑی چلے ہے، موٹر اور پھٹ پھٹیاں۔ کیڑے مکوڑوں جیسے لوگ۔ بشیرا پل بھر سانس نہ لے سکے گا۔"

"اری عقل کی دشمن، روپے پیسے کے آگے نہ گاؤں، نہ شہر۔ میری بات مان لے۔ لڑکیوں کے لیے سہارا ہو جائے گا۔"

"نا بابا، کبھی نہیں۔ یہاں بھی تو وہ تمہارا ہاتھ بٹائے ہے۔ بیل جیسا دن بھر کھیت میں بلتا رہے۔"

"میں کہتا ہوں، اوس سے کہیں پیاس بجھے ہے۔"

صغریٰ بی کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ سر جھکائے روتی رہی۔ تھک ہار کے یونس خراٹے بھرنے لگا۔

یونس کے کھیت میں مکا جوار نے سر اٹھانا شروع کیا۔ ادھر گاؤں سے تیس میل دور رہنے والے ساہوکار کے بہی کھاتوں کا پیٹ پھولنے لگا۔ اس کی نگاہیں لہلہاتی فصلوں کو گدھ کی طرح تاکنے لگیں۔ ہر چھوٹے بڑے گاؤں میں اس کے مخبر تھے جو قرض داروں کی آتی جاتی سانس تک کی خبر ساہوکار کو پہنچاتے رہتے تھے۔ ویسے بھی اچھے مانسوں کو دیکھتے ہی اس کے کان کسی چوکس چوہے جیسے کھڑے ہو جاتے۔ یونس کے کھیت کی مینڈھ پر بھی ساہوکار کے کارندوں کے بھاری قدموں کی چاپ پھنکارنے لگی۔ مٹی پر ان کی لاٹھیوں کی دھمک پڑتی تو یونس کے گھر کی دیواروں پر بیٹھی چھپکلیاں ادھر ادھر دوڑنے لگتیں۔ یونس اور بشیرا خوف زدہ نظروں سے آسمان چھوتی مکا کی بالیوں کو تکتے رہتے، جو ٹاٹ کے پردے جیسی صغریٰ اور اس کی جوان بیٹیوں کی عزت و ناموس کی رکھوالی کا حوصلہ کر رہی تھیں۔ ساہوکار بھی بڑا سیانا گھاگ تھا۔ پرکھوں کے ریت رواج نے اس کے مزاج اور بدھی میں وقت کی نزاکت اور سیاست کی پوتھیوں کا بیج بو دیا تھا۔ جو مان سون کے رحم و کرم سے نہیں بلکہ دماغ میں بکھری زرخیزی سے کسی بھی وقت پھوٹ پڑتا ہے۔ کھیتوں کو لٹھ بازوں سے گھیرنے اور کھلیانوں کو آگ لگانے کا زمانہ نہیں تھا۔ جیسے ہی اسے خبر ملی کہ یونس اناج بیچنے منڈی گیا ہے، وہ چیتے کی رفتار سے گاؤں پہنچا اور

یونس کے دروازے کے باہر دونوں نوکروں کے ساتھ کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔

شام کے پانچ بجے کا وقت تھا۔ وہ کن انکھیوں سے ٹاٹ کے پردے کے پار جھانکنے میں مصروف تھا۔ ٹاٹ میں اتنی تاب نہ تھی۔ بے شمار موسموں کی مار جھیل چکا تھا۔ کہاں تک ساہوکار کی بھیڑیے جیسی ہوس ناک نگاہوں کی تپش روکتا۔ ہوا کے جھونکے پردے کے چھوٹے چھوٹے چھیدوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ ساہوکار نے یونس کی بیٹیوں کو جی بھر کے تاکا، گھورا اور پھر کڑک آواز میں بولا۔

"اوئے بشیرے.... اکب آئے گا تیرا باپ!"

ٹاٹ کا پردہ گرج دار گونج کو نہیں روک پایا اور صغریٰ نے دہشت سے کانپتی بیٹیوں کو اپنی کمزور چھاتی میں سمیٹ لیا۔

"سیٹھ جی، وہ منڈی گئے ہیں۔ آتے ہی ہوں گے۔"

بشیرے نے کتے کے پلے کی طرح دم ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ آس پڑوس کے لوگ باگ بھی وہاں جمع ہوگئے۔ برسوں سے ربیع اور خریف کی فصلیں کھلیان میں آتے ہی ایسا تماشا گاؤں گاؤں ہوتا آیا ہے۔

"اپنی ماں سے کہہ دے، ننھی مل آج پائی پائی لے کر جائے گا۔"

بشیرا سہما ہوا اندر گیا اور تھوڑی دیر بعد منہ لٹکائے ساہوکار کی کرسی کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "سیٹھ جی، اماں کہتی ہے آپ جاؤ۔ ابا منڈی سے سیدھے آپ کے گاؤں آجائیں گے۔"

"ابے الو کہیں کے! جا اس سے کہہ دے، ننھی مل بھگوان کے ہاں سے ضرور خالی ہاتھ آیا تھا۔ پرنتو قرض دار کے گھر سے دونوں ہاتھ بھر کے واپس جاتا ہے۔"

ساہوکار کی آواز میں بگولے ناچ رہے تھے جو بل کھاتے ہوئے پردے کے پار پہنچے تو بشیرے کی بہنوں کی سانس رک گئی۔ دونوں سمٹیں اور دیوار سے جا لگیں۔ اس طوفانی برسات کی رات جیسی جب چھت ٹپک رہی تھی، تبھی سر پہ بھاری گٹھڑ رکھے ہانپتا ہوا یونس آ پہنچا۔ ساہوکار پر نظر پڑتے ہی اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ دس منٹ کا فاصلہ دس دن میں طے کرتا ہوا قریب آیا اور سامان دروازہ پر اوندھا کر ننھی مل کے سامنے گڑگڑانے لگا۔

"یہ ہزار روپے بچے ہیں، رکھ لیجیے۔ تین مہینے میں باقی بھی ادا کر دوں گا۔ منڈی میں بھاؤ بہت گر گئے۔ بس بچوں کے لیے کپڑے لے سکا۔"

ننھی مل نے سارے کے سارے نوٹ یونس کے منہ پر دے مارے اور ہاتھی کی طرح چنگھاڑا۔ "پورے نکالو۔ ایک دھیلا کم نہیں۔"

وہاں موجود تمام لوگ ڈرے ڈرے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ کسی کی ہمت نہ تھی کہ چوں بھی کرتا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک یونس گڑگڑاتا رہا۔ اس کے ہر لفظ پر گھر کے اندر سے سسکاریاں ابھرتیں اور یونس کی پسلیوں کو جھنجھوڑ دیتیں۔ لیکن ننھی مل پچاس کوس سے برساتی نالے جیسے دھڑ دھڑاتا آیا تھا۔ اور تین سال کے سوکھے کا تمام کیچڑ کوڑا سمیٹ لے جانے کا اٹل ارادہ تھا۔ سمجھاتے ہوئے بولا۔ "مورکھ کہیں کے۔ اس وقت جب بھیڑ بکریوں کی طرح ہر ایک بھاگا جا رہا تھا، میں نے کتنا کتنا کہا کہ

بھاگ لو۔ یہاں رہو گے تو ایک ایک کو بٹوارے کا قرض چکانا پڑے گا۔ بس میاں، اب میرا حساب چکتا کرو۔" اس نے کرسی چھوڑی اور اپنے کارندوں کو حکم دیا۔

"جاؤ، دروازے کا چیتھڑا کھینچو۔"

وہ ٹاٹ گھسیٹا گیا اور جیسے ظلم اور ناانصافی نے لکڑی کی صلیب سے پوترتا اور تقدیس کو کھینچ لیا۔ یونس کی بیٹیاں ننگی چھاتیوں پر ہاتھ رکھے دور کنوئیں کی طرف دوڑ پڑیں۔ ان کے پیچھے بشیرا تھا۔ آنگن میں صغریٰ کی لال لال آنکھیں سبکتگین کے تیر کی طرح ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔

+++

میں تھکا ماندہ گھر لوٹا تو ماما ناراض سے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھا اور بھڑک اٹھے۔ "کہاں گئے تھے نریندر....؟" ان کی آنکھوں میں غصہ لیکن چہرے پر باپ جیسا پیار بھی تھا۔

"ماماجی، یوں ہی تالاب تک گھومنے چلا گیا تھا۔" میں سر جھکائے کھڑا رہا۔

"ارے پاگل، ہماری نہیں اپنی ماں کی پریشانی کا خیال کیا کرو۔ وہ ہر پل تمہاری فکر میں گھلتی رہتی ہے۔ تمہارے سوا اس کا کون ہے دنیا میں۔"

"دل گھبرا رہا تھا ماماجی۔ چھما کر دیں۔"

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ نظروں میں بابا ہی گھومتا رہا اور کانوں میں وہی درد بھری صدا گونج رہی تھی۔ "فرید شکر گنج۔ نہ رہے دکھ، نہ رہے رنج!"

صبح نہا دھو کر ناشتا کیا اور ماماجی کے دفتر جاتے ہی کاغذوں کا پلندہ اٹھایا اور باہر جانے لگا کہ مامی نے کھنکھارتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔ "کہاں چل دیے راج کمار!"

میں چھ مہینے سے ماما کی روٹیاں توڑ رہا تھا مگر ان کی پیشانی پر بل بھی نہ آیا۔ چاہت میں کوئی کمی نہ آئی۔ وہ برابر افسروں کی خوشامدیں کرتے رہتے کہ کہیں کیسی بھی نوکری مل جائے۔ میری قسمت ہی کھوٹی تھی۔ دوسری طرف مامی اپنے دو بچوں کی پڑھائی لکھائی کے خرچ اور میری روٹیوں کی ہر دن گنتی کرنے لگی۔ مجھے بوجھ سمجھتی تھی۔ اس کے بدلتے تیور بے روزگاری کا عذاب اور ماں کا تنہا آنسو بہانا اب میری برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

"روٹی ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔"

"کب تک نوکری کے پیچھے بھاگتے رہو گے....؟ میں کہتی ہوں محنت مزدوری کر لو۔ کچھ تو ہاتھ میں آئے گا۔"

"ٹھیک ہے مامی۔ وہ بھی کر لوں گا۔"

"تم نے مورکھتا کی نریندر۔ گاؤں میں ماں کے ساتھ ہی رہتے۔ وہاں بھی کھیت کھلیان ہیں۔ کہیں بھی مزدوری کر لیتے۔"

آنسو پیتا، ہوا میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ دل میں ٹھان لیا کہ جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ مامی کی رسوئی میں ہرگز قدم نہ رکھوں گا۔ پورا دن دفتر اور ہوٹلوں کی خاک چھانتے بیت گیا۔ سورج ڈوبنے سے پہلے بھوک نے آنتوں کو کھرچنا شروع کر دیا۔ ہفتے میں ایک مرتبہ ماماجی جیب خرچ کے لیے مامی سے چھپا کر پانچ روپے دیتے تھے۔ آج جیب میں اٹھنی بچی تھی۔ اس کی مونگ پھلی خریدی اور تالاب کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں خاصی بھیڑ تھی۔ چہل قدمی کرنے لوگ آجا رہے تھے۔ میں نے وہی پیپل کا پیڑ چنا جہاں پچھلی

رات بیٹھا تھا اور پاؤں پھیلائے مونگ پھلی کھانے میں مصروف ہو گیا۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ ایکا ایکی مجھے ماں کی یاد ستانے لگی۔

دسویں کلاس پاس کی تو ماں کے ارمان پھلجھڑی بن گئے۔ سمجھتی تھی کہ بیٹا زمیں دار اور جاگیر دار ہو گیا۔ کچھ نہیں تو پٹواری ضرور بن جائے گا۔ اسے کیا معلوم کہ دسویں پاس صبح سے بھوکا ہے۔ میں سوچتا رہا کہ ماں کیوں روتی ہے اور ماما کے تیور اب راون کے بان کیوں بن گئے....؟

میرے سامنے مونگ پھلی کے خالی چھلکے ہوا سے زمین پر تھرک رہے تھے۔ اندھیرا بہت گھنا ہو گیا۔ جھینگروں نے خاموشی کو گدگدانا شروع کیا تو مجھے لگا جیسے بھوک اور نیند میرے دل و دماغ کو تھپکیاں دے رہی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مایوسی نے ہاتھ پاؤں کا خون چوس لیا۔ دور تک میرے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ پھر کسی کے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی، ساتھ ہی مانوس کھنکتی آواز۔ "تیرے آگے کی بھی خیر، پیچھے کی بھی خیر!"

"فرید شکر گنج۔ نہ رہے دکھ، نہ رہے رنج!"

میری آنکھوں میں جھماکا سا ہوا اور آخری فیصلے نے دماغ کے نقارے پر چوٹ ماری۔ بڑی تیزی سے دوڑا اور تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ لمحے بھر بعد کوئی اور بھی تالاب میں کود پڑا۔ پانی سانپ کی طرح میرے حلق میں گھس رہا تھا اور میں بوکھلاتے ہوئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ مجھے احساس ہوا میرے بال کسی کی مٹھی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی مجھے گھسیٹ رہا ہے۔ ہوش آیا تو آنکھیں پھاڑ کر بابا کے گھنے سفید بالوں سے ٹپکتی بوندوں کو دیکھا جو میرے ہونٹوں سے پھسل رہی تھیں۔

"اٹھو بیٹا! زندگی بڑی انمول ہوتی ہے۔ کیا نام ہے....؟ کہاں کے رہنے والے ہو....؟"

"نریندر!" میرے کیچڑ بھرے منہ سے نکلا۔ "بالم پور سے آیا ہوں۔"

"بالم پور!" بابا نے نفرت میں ڈوبی آواز میں دہرایا۔

"کس کے بیٹے ہو....؟"

"پرمیندر گوسوامی کا!"

"وہ.... تتھی مل کا لڑکا....؟"

"ہاں بابا۔"

"تتھی مل....! تتھی مل!" بابا زخمی شیر جیسا گرجا۔

"لے تتھی مل! یہ لے، اٹھا لے اپنے پوتے کو۔ یہ قرض کی پہلی قسط ہے۔ ایسی قسطیں بار بار ادا کرتا رہوں گا۔" وہ اٹھا اور چلاتے ہوئے دور نکل گیا:

"یاد رب کی اور خیر سب کی!
اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے۔
فرید شکر گنج۔ نہ رہے دکھ، نہ رہے رنج!"

مثبت ذہنی سوچ

شخصیت کے نکھار کا ذریعہ

کشور کنول

ایک سیلز مین اپنی گاڑی میں مال بیچنے جا رہا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ اسی دوران اندھیرے نے آگھیرا۔ اچانک گاڑی کے ایک پہیے کی ہوا نکل گئی۔ لڑکھڑاتی گاڑی کو روکا تو اسے علم ہوا کہ اس کے پاس تو پہیہ بدلنے کے لیے جیک نہیں ہے۔ وہ سخت پریشان ہوا۔ اسے دور ایک روشنی نظر آئی۔

وہ امداد حاصل کرنے کے لیے اس روشنی کی سمت چل دیا۔ چلتے چلتے وہ منفی خیالات کے تانے بانے بننے لگا:

اگر وہ روشنی کسی گھر کی نہ ہوئی تو....

اگر وہ گھر ہی ہوا اور دروازہ کھٹکھٹانے پر کوئی باہر نہ آیا تو....

اگر ان کے پاس گاڑی نہ ہوئی تو....

اگر گاڑی ہوئی اور میری طرح اس میں بھی جیک نہ ہوا تو....

اور اگر گاڑی بھی ہوئی، جیک بھی ہوا اور گھر کے مالک نے جیک دینے سے انکار کر دیا تو....

الغرض جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا توں توں وہ ایسی ہی منفی فضولیات سوچتا گیا تا آنکہ وہ اپنی منفی سوچ سے ہیجان میں مبتلا ہو گیا اور جب پہلی ہی دستک پر دروازہ کھلا تو اس نے مالک مکان سے چلا کر کہا "بھاڑ میں جائے تمہارا جیک۔"

اس لطیفہ نما کہانی سے ہنسی ضرور آتی ہے، مگر کس پر....؟ ظاہر ہے اس آدمی کی عقل پر، جو ایک شکست خوردہ ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اگر ہم ذرا غور کریں تو زندگی میں کئی مرتبہ ہم بھی اپنے آپ سے ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہیں مثلاً جس طرح میں نے سوچا تھا ویسا ہی ہوا ہو.... کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میرا کوئی کام مقررہ وقت پر سرانجام نہیں پاتا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہماری اندرونی سوچ ہی زیادہ تر ہماری زندگی کا رخ متعین کرتی ہے۔

آپ مانیں یا نہ مانیں ہم اپنی ساری زندگی اپنے

خیالات کی رہنمائی میں بسر کرتے ہیں۔ اگر ہمارے خیالات ہی افسردہ، آزردہ اور پژمردہ ہوں تو وہ ہماری مدد کرنے یا ہماری صحت بڑھانے اور ہماری زندگی پر اعتماد بنانے کے بجائے اسے سبوتاژ کردیں گے۔ ہمیں اپنے آپ کو مطمئن، خوش محسوس کرنے کے لیے اپنی سوچ کو بھی مثبت بنانا ہوگا۔ آیئے دیکھتے ہیں ہم ایسا کیسے کرسکتے ہیں....؟

نائلہ کو جب نئے معالج کے پاس لے جایا گیا تو اس نے ڈاکٹر سے جو پہلی بات کی وہ یہ تھی ''ڈاکٹر صاحب! میں جانتی ہوں کہ آپ میری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ میں کام سے کتراتی ہوں۔ میرے باس نے مجھے کہہ دیا ہے کہ مجھے تبدیل کیا جارہا ہے۔ وہ میری تبدیلی کو ترقی کا نام دے رہا ہے، لیکن میں جانتی ہوں کہ میں درست کام نہیں کر رہی ورنہ تبدیل کیوں ہوتی....؟''

ڈاکٹر نے نائلہ کو تمام باتیں ترتیب سے لکھنے کو کہا۔ نائلہ نے چند مذکورہ باتوں کے علاوہ لکھا کہ دو سال قبل میں نے ایم بی اے کیا تھا۔ تب سے وہ معقول تنخواہ پر ایک کپڑے کی مل کے انتظامی شعبے میں کام کررہی تھی۔

صرف یہ ایک بات تھی جو منفی نہیں تھی۔ پہلے روز کی ابتدائی ملاقات کے بعد ڈاکٹر نے نائلہ سے کہا کہ اگر وہ رات کو اپنے پریشان خیالات کی وجہ سے سو نہ سکے، تو ایسی کیفیت میں اپنے خیالات کی ایک مکمل فہرست بنائے۔

اگلی ملاقات پر نائلہ نے جو خیالات قلم بند کیے وہ یہ تھے:

''میں حقیقتاً وہ نہیں جو نظر آتی ہوں۔ میں حاضر دماغ اور حاضر جواب بھی نہیں۔ اگر میں کچھ لوگوں سے آگے ہوں تو یہ محض اتفاق ہے۔ میں کل بڑی آفت میں مبتلا ہوسکتی ہوں۔ میں نے کبھی کسی اجلاس کی صدارت نہیں کی۔ میرا ڈائریکٹر آج بھی غصے میں کھول رہا تھا۔ میں نے کیا کیا ہے کچھ پتہ نہیں۔''

سوال و جواب کے دوران نائلہ نے تسلیم کیا کہ ''میں ہر وقت منفی خیالات میں کھوئی رہتی ہوں۔ میں ہمیشہ تھکی اور مایوس رہتی ہوں۔''

مزید ملاقاتوں میں جب اس کے معالج نے نائلہ کے اندیشوں اور قسمت کے فرضی چکروں کی فہرست مرتب کرکے نائلہ کو دکھائی تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ روزمرہ کی ذرا ذرا سی باتوں کے تصوراتی انجام پر اپنی قیمتی توانائی ضائع کرتی رہی تھی۔ اس کی پریشانی، تھکن اور مایوسی ان منفی پیغامات کا شاخسانہ تھی جو وہ اپنی ذات کو دیتی تھی۔

آپ اپنے ان خیالات کو جو آپ کے ذہن میں کلبلاتے رہتے ہیں، سنیے، ان پر غور کیجیے۔ آپ اونچی آواز سے ان کو اپنے آپ کو سنایئے، پھر ان کو لکھیے، آپ ان کی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔ بار بار ایسا کرنے سے آپ اپنے خیالات کو ترتیب دے کر سنوارنے سے مثبت نتائج برآمد کرسکتے ہیں۔ سیر کرتے، اکیلے سفر کرتے اور بظاہر ستانے کے اوقات میں ذہنی نشریات کو سنیے۔ جلد ہی یہ نشریات آپ کو مفادات کی راہ دکھانے لگیں گی۔ آپ کے احساسات اور اعمال بالکل اسی طرح بدل جائیں گے جس طرح نائلہ کے بدلے۔ جب اس نے اپنی ''نشریات'' پر غور کیا تو اسے اپنی ذات کا شعور ہوا اور اسے علم ہوا کہ ملازمت میں تبدیلی ترقی پر بھی ہوتی ہے۔ نئی جگہ

پہلی جگہ سے بہتر بھی ہو سکتی ہے اور اگر اسے کسی میٹنگ کی صدارت کا تجربہ نہیں تو ایسی میٹنگوں میں شمولیت تو کی ہے۔ ایجنڈا ابھی موجود ہے اور سیکرٹری بھی ہے اور ڈائریکٹر غصے میں نہیں تھا بلکہ وہ فیکٹری کے کھاتوں میں ایک گھپلے کے انکشاف پر پریشان تھا۔

جب کوئی شخص غمزدہ اور افسردہ حالت میں ہو تو اسے ہر چیز ہی ملول نظر آتی ہے۔ جب آپ ''رک جا'' کا حکم دے کر منفی آسیب بھگا چکیں تو اس کی خالی جگہ فوراً اچھے خیالات سے پر کریں۔ ایک شخص نے بتایا کہ وہ اپنے خیالی ذہن کو کس طرح پُر کرتا ہے۔ ایک مرتبہ وہ ساری رات جاگتا اور خیالات کی گھمن گھیریوں میں پھنسا یہ سوچتا رہا کہ کیا وہ اپنے بچوں سے سختی برتتا ہے....؟ کیا اس نے فلاں گاہک کے فون پر ملنے والے پیغام کا جواب دیا تھا یا نہیں....؟ جب وہ ایسی باتیں سوچ سوچ کر تھک گیا تو اس نے سر کو جھٹکا اور اس دن کے متعلق سوچا جب وہ بچوں کو چڑیا گھر لے گیا تھا۔

بچوں نے بندروں کی حرکتیں دیکھ کر بہت قہقہے لگائے تھے۔ قہقہوں کے ساتھ ہی اسے زندگی کے دوسرے خوشگوار لمحات بھی یاد آتے گئے اور اسے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ کب گہری نیند سو گیا۔

آپ اچانک پریشان کرنے والے خیالات سے مقابلے کے لیے خوشگوار لمحات اور واقعات کی یادوں کو محفوظ رکھیں۔ جب آپ کی ترقی ہوئی تو آپ نے خوشی کو کس طرح محسوس کیا تھا، گھر پر اس موقع پر کیا تقریب ہوئی تھی، پچھلے سال آپ نے تعطیلات کس طرح مزے سے گزاریں تھیں، کن کن باتوں پر آپ نے قہقہے لگائے تھے، آپ کو کیا کچھ اچھا لگتا ہے، کن چیزوں کو دیکھ کر آپ کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے....؟ ایسی باتیں، یادیں اور سرگرمیاں آسیبوں کی خالی جگہ پُر کر کے آپ کو مطمئن رکھ سکتی ہیں۔

❖❖❖

کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد ہے کہ آپ گھر میں بجھے بجھے سے بیٹھے تھے، منفی خیالات کی یلغار نے آپ کو آزردہ کر رکھا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ باہر آپ کا ایک دوست کھڑا تھا۔ وہ گرمجوشی سے آپ سے ملا اور پھر آپ کو ذرا چوک تک چلنے کی دعوت دی۔ آپ نے جوتے بدلے اور اس کے ساتھ ہو لیے۔ جوں جوں آپ باتیں کرتے آگے بڑھتے رہے آپ انجانی خوشی سے سرشار ہوتے چلے گئے۔ آپ کو یاد بھی نہ رہا ہو گا کہ دوست کی آمد سے پہلے آپ کی حالت کسی آسیب زدہ مریض جیسی ہو رہی تھی۔ اب آپ پرسکون اور خوش ہیں۔ یہی وقت ہے کہ آپ اپنے خیالات کا دھارا بہتر سمت کی طرف بدل سکتے ہیں۔

آپ غور کریں کہ آپ بجھے بجھے اور پریشان کیوں تھے....؟

آپ سوچ رہے تھے کہ اگر ہفتے تک آپ انکوائری رپورٹ تیار نہ کر سکے تو اتوار کو اپنے کزن کی شادی میں شامل نہیں ہو سکتے، اب جبکہ آپ اپنے خیالات کو نئے سرے سے ترتیب دیتے ہیں تو آپ کو ہنسی آتی ہے کہ ابھی تو پانچ دن پڑے ہیں اور اگر آپ دفتر میں روزانہ ایک گھنٹہ زیادہ بیٹھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ رپورٹ ہر لحاظ سے مکمل نہ ہو سکے اور آپ اسے ہفتے کی صبح کو ڈائریکٹر کو پیش کر سکیں۔

آپ ایسی پریشان کن سوچوں سے بچیے۔ آپ

انہیں نئے سرے سے ترتیب دے کر اسے آراستہ کرسکتے ہیں کہ وہ بے معنی معلوم ہوں۔

خیالات کو نئے سرے سے آراستہ کرنے سے سوچ کا انداز بدل جاتا ہے اور گرد و پیش مختلف نظر آنے لگتا ہے۔ ایسے لوگ جو ہوائی جہاز کے سفر سے خوف کھاتے ہیں مگر مجبوراً انہیں سفر کرنا پڑتا ہے، دوران سفر کھیلوں کی فلمیں دیکھتے ہیں یا پھر اپنی دیگر سرگرمیوں کے متعلق سوچتے ہیں۔ سوچ کے سہارے وہ فضا کے بجائے زمین ہی پر رہتے ہیں۔ جب آپ یہ سوچتے ہیں کہ آپ کچھ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں تو ضرور کچھ کیجیے۔

رجائیت اور امید پروری حرکت کا سبب ہے جبکہ بجھے بجھے رہنا دلدل میں پھنسے رہنے کے مترادف ہے۔

کیا دلدل میں پھنسے رہنا کوئی اچھی بات ہے....؟

آپ اپنی عادت بنالیجیے کہ جب بھی سوچیں آپ کی سوچ خوشگوار، ہلکی پھلکی اور جانفزا ہو کیونکہ آپ خوش و خرم، چاک چوبند اور تعمیری سرگرمیوں میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔ خاص کر اپنے ان کاموں کو یاد کریں جن پر آپ کی کارکردگی کو سراہا گیا تھا۔ آپ کو کوئی انعام ملا تھا، آپ کے جس کام کی تعریف کی گئی تھی جو آپ کی ذات کی کامیابی تھی.... اپنے ایسے کارناموں کا حوالہ دیں، اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ ایسی ہی کسی نمایاں کامیابی کے موقع کی اپنی تصویر بیٹھک کی دیوار کی زینت بنائیں۔

خیالات کی نئے سرے سے آراستگی ایک مقناطیسی قوت ہے۔ جب آپ تاریکی کے آنچل سے نکل کر روشن مقاصد حاصل کرتے ہیں تو مقناطیسی لہریں آپ کو خوشیوں کے جزیروں میں لے جاتی ہیں۔

حکماء کی برسوں کی تحقیق اور غور و فکر کا حاصل یہ ہے کہ جب مختلف انداز سے سوچا جاتا ہے تو ہمارے احساسات اور سرگرمیاں بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے خیالات پر منحصر ہے جن پر ہماری اپنی گرفت ضروری ہے۔ یعنی ہم وہ ہیں جو ہماری سوچ ہے۔

مشہور رائٹر ملٹن نے کیا خوب کہا تھا کہ

''یہ ذہن ہی ہے جو جنّت کو دوزخ اور دوزخ کو جنّت بنا سکتا ہے۔''

❄

ادرک اور سبز چائے کا استعمال انسانی جگر کے لیے مفید

غذا میں ادرک اور سبز چائے کا استعمال انسانی جگر کے فعل کو درست رکھتا ہے۔

ماہرین طب کے مطابق ادرک میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ یہ جگر کو زہریلے مواد سے پاک کرتا ہے۔ سبز چائے جگر کو صاف کرتی ہے۔

اگر آپ بہت زیادہ گوشت کھاتے ہیں تو اس میں کمی کردیں اور سبز پتوں والی سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں کیونکہ یہ آپ کے جگر کو بہت فائدہ دیں گی۔

صحت مند زندگی

آج دنیا بھر میں ہزاروں متبادل طریقہ ہائے علاج موجود ہیں۔ ان میں رنگ، روشنی، موسیقی، سانس، مقناطیس، پتھر و جواہرات، پانی، خوشبو اور جڑی بوٹیوں سے علاج وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ یوگا، ریکی، مراقبہ، ایکو پنکچر، ایکوپریشر، ریفلیکسولوجی، ہپنوتھراپی، شیاتسو، الیگزینڈر تکنیک، آیوروید، فینگ شوئی، ٹائی چی، آئریڈیولوجی، کائینیسولوجی، مساج، کی کونگ وغیرہ بھی متبادل طریقہ علاج میں شامل ہیں۔

فینگ شوئی

Feng Shui 風水

فینگ شوئی ایک قدیم سائنس ہے۔ اس کا تعلق چین سے ہے۔ فینگ شوئی کے ذریعے گھر کی تزئین و آرائش میں معمولی تبدیلی سے فطرت کے اصول آپ کے گھر میں روبہ عمل ہوسکتے ہیں۔ اس سے ذہنی یکسوئی کے ساتھ ساتھ آمدنی میں بھی نمایاں اضافہ ہوسکتا ہے۔

روحانی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے ان صفحات پر چین کے معروف متبادل طریقہ علاج فینگ شوئی پر تحریر۔
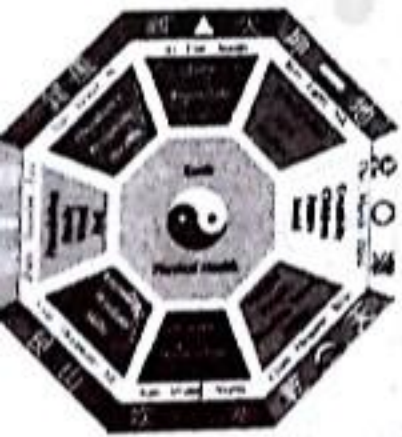
فینگ شوئی اور آپ کا کاروبار

شاہینہ جمیل

کاروبار کی کئی اقسام ہیں۔ کچھ کاروبار ایسے ہیں جن میں زیادہ تر دفتر میں بیٹھ کر اور خط و کتابت، فون یا انٹرنیٹ کے ذریعے ڈیلنگ ہوتی ہے۔ کچھ کاموں میں سارا دن گاہکوں سے واسطہ رہتا ہے۔ ایسے کام عام طور پر ریٹیل کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ براہِ راست ڈیلنگ یا گاہکوں سے ڈائریکٹ لین دین کے معاملات ہوں یا دفتری ماحول میں ہونے والی کاروباری سرگرمیاں ہوں، فینگ شوئی کے ماہرین ہر قسم کے کاروبار کے لیے اصول بیان کرتے ہیں۔

فینگ شوئی سے متعلق شئیر کیے جانے والے تجربات میں ایک کیس اسٹڈی مسز پیٹر کی بھی ہے۔ وہ ایک کافی ہاؤس میں ریسپشنسٹ تھیں۔ ان کی خواہش تھی ان کا اپنا ایک بڑا کافی پارلر ہو۔ مگر ان کے حالات اجازت نہ دیتے تھے۔ تاہم وہ اپنے اس خواب کی تکمیل کے لئے کچھ نہ کچھ رقم جمع کر رہی تھیں۔ چند سالوں بعد جب ان کا بیٹا تھوڑا بڑا ہو گیا اور ان کا کام میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہوا۔ تب ایک مصروف شاہراہ پر پس انداز کی ہوئی رقم سے ایک چھوٹا سا کافی شاپ خرید لیا۔ ہوا کچھ یوں کہ اس کا مالک بہت عجلت میں دکان کو اونے پونے بیچ کر کہیں باہر جا رہا تھا۔ مسز پیٹر کے لئے یہ قدرت کی طرف سے ایک مدد تھی۔ انھوں نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور مارکیٹ سے انتہائی کم قیمت پر جگہ لے کر وہ ایک کافی شاپ کی مالکن بن گئیں ۔وہ بہت خوش تھیں۔ ان کا برسوں کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ مسز پیٹر اور ان کے بیٹے نے جوش و خروش کے ساتھ کافی شاپ کو چلانے کی کوشش کی لیکن وہ حسبِ توقع نتائج حاصل نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کے اطراف مصروف شاہراہ تھی ۔آس پاس کئی

آفس سے تھے بس کے تھکے ماندے ملازمین کبھی لنچ کبھی ٹی بریک میں اپنے آپ کو تازہ دم کرنے کے لئے ضرور ایک کپ کافی کے خواہش مند ہوتے تھے۔ اس کام کا مسز پیٹر کو تجربہ بھی تھا۔ مگر لوگ ان کی کافی شاپ کے سامنے سے ایسے گزر جاتے جیسے وہ موجود ہی نہ ہو۔ یا پھر آنے والوں کی تعداد انگلیوں پر گن لی جاتی۔

مسز پیٹر بہت پریشان ہو چکی تھیں۔ وہ اپنی عمر بھر کی جمع پونجی اس دکان میں لگا چکی تھیں ان کا تجربہ بھی اس مشکل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہو رہا تھا۔ ایک مہینے میں ہی ان کی بچی کچی رقم بھی ہاتھوں سے نکل گئی۔ وہ اب کافی شاپ کے مالک کا اس جگہ کو اونے پونے بیچ کر جانے کا مطلب سمجھ گئی تھیں۔ مگر اس کی وجہ کیا تھی۔ یہ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اب سوائے دکان کو بیچنے کے کوئی اور راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔

کہتے ہیں جب انسان کی عقل اپنی تگ و دو لڑا لڑا کر ہار مان جاتی ہے تو پھر قدرت کی طرف سے عقل کو حیران کر دینے والی مدد آ پہنچتی ہے بشرطیکہ نیت میں خلوص اور سچائی ہو۔ جس دن انہوں نے اس کافی شاپ کو بیچنے کے لئے ایک بورڈ باہر آویزاں کیا۔ اسی دن فینگ شوئی اسکول کے چند طلباء ان کے کافی شاپ میں داخل ہوئے۔ جو آپس میں ہنسی مذاق کے ساتھ ساتھ اپنی مختلف چیزوں سے کافی شاپ کی پوزیشن اور آرائش کا جائزہ بھی لیتے جا رہے تھے۔ مسز پیٹر ان کی باتیں سن کر چونکی۔ وہ جلدی سے ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ اور پھر باتوں ہی باتوں میں ان سے کئی کام کی باتیں اور معلومات اکٹھا کرتی رہیں۔ ان طلباء نے بھی مسز پیٹر کی خلوص دل سے مدد کی اور ہر طرح کی معلومات اور گائیڈ لائین فراہم کی۔ بعد میں مسز پیٹر نے ان گائیڈ لائنز کی ایک پروفیشنل فینگ شوئی ماسٹر سے بھی تصدیق کروائی۔

فینگ شوئی ماسٹر نے مسز ژنگ کی مالی حالت دیکھتے ہوئے قلیل معاوضہ میں ان کی کافی شاپ کا وزٹ بھی کیا اور اس ایک وزٹ کے بعد کچھ ترمیم کے ساتھ ان کی اس گائیڈ لائین کو بھی او کے کر دیا جو طلباء نے فراہم کی تھی۔ انہیں کافی دیکھتے ہی پہلی چیز جو پوائینٹ آوٹ کی وہ داخلی دروازہ تھا جو سائز میں بہت چھوٹا تھا۔ کافی شاپ اندر سے ایک مثلث کی صورت میں تھا۔ جہاں مثلث میں نوکیلی میزیں اور چوکور کرسیاں ان میزوں کے اطراف میں تھیں۔ رنگوں میں بہت زیادہ لال اور اورنج رنگ کا انتخاب کیا گیا تھا جسے گرے اور ڈل گرین سے تبدیل کیا گیا۔ فرشی لال قالین کو بھی گرے فرشی قالین سے تبدیل کیا گیا۔ دیواروں کو بانس کے مختلف پیٹرن سے سجایا گیا۔ کیشئیر کاؤنٹر کو شمال کی سمت منتقل کیا گیا۔ چوکور نوکیلی کرسیوں کی بجائے دائرے کی صورت میں اور ہموار کناروں والی کرسیاں استعمال کی گئیں۔ توانائی کے بہاؤ کو منفی رخ دینے والے مقامات اور چیزوں کی نشاندہی کی۔ ان تبدیلیوں کے بعد کافی شاپ کے حالات ہی بدل گئے، وہ جگہ جہاں پہلے اکا دکا کسٹمرز آتے تھے وہاں اب گاہکوں کا رش رہنے لگا۔ جس کے بعد مسز پیٹر کو کافی شاپ بیچنے کی ضرورت نہ رہی۔

❖❖❖

وہ پوائنٹس ہم آپ کو ترتیب وار سمجھاتے ہیں۔ جو کسی بھی طرح کی دکان یا شوروم کے لئے سود مند ثابت ہوسکتے ہیں۔

☯۔سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ کسی بھی حصے میں دھول نہ ہو۔ آپ کے اطراف جتنی بھی اشیاء رکھیں ہوں سب ترتیب وار ہوں۔

☯۔دروازہ: دکان کی داخلی دروازہ بہت زیادہ چھوٹا اور پتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے ملک میں عموماً دکانوں، ریٹیل اسٹور پر باقاعدہ دروازے نہیں ہوتے۔ دروازے سے مراد وہ داخلی مقام بھی ہے جہاں سے آپ کے کسٹمر اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس حصے کا کشادہ اور صاف ستھرا ہونا بہت ضروری ہے۔

☯۔اگر آپ کا شوروم ہے تو پھر اس کے دروازہ کی سمت کا تعین کیجیے اور اس لحاظ سے رنگ بھی کروائیے۔ اپنی دکان کا نام بہت واضح اور خوبصورت انداز میں تحریر کیجیے۔ اگر داخلی دروازے کا رخ شمال کی سمت ہے تو دھات کی نیم پلیٹ یا یا دھاتی مٹیریل سے دکان کا نام لکھوانا سود مند ثابت ہوگا۔ اسی طرح دیگر سمتوں اور ان کے عناصر کے خواص کو ذہن میں رکھتے ہوئے ترتیب یقیناً حیاتی توانائی کے بہاؤ کو متوازن رکھے گی

☯۔ایسے کاروبار جن میں کسٹمر سے براہِ راست کاؤنٹر پر معاملہ کرنا ہوتا ہے جیسے دکان، شوروم، استقبالیہ وغیرہ وہاں برآمدی دروازہ کاؤنٹر کے عین سامنے ہونا چاہیے۔ یعنی کھڑے ہوئے شخص کا رخ دروازے کی جانب ہو اور آنے والے شخص کو باآسانی دیکھا جاسکے۔

☯۔کاؤنٹر یا استقبالیہ کے پشت پر دیوار استحکام کی علامت ہے۔

☯۔دروازے کے بالکل بائیں جانب دولت کا سیکٹر ہے اسے ہر طرح کی دھول مٹی اور شا توانائی سے صاف رکھیئے۔

☯۔عام طور پر بازاروں میں موجود دکانوں کے آس پاس طرح طرح کا شور سنائی دیتا ہے۔ دھول ٹریفک

بھی حیاتی توانائی کو متاثر کرتے ہیں جو آپ کی دکان کے لئے بھی سود مند نہیں ہے

اس کے لئے گلاس ڈور استعمال کیا جاسکتا ہے جو حتی المقدور شور کو بھی کم کرے گا اور دھول سے بھی بچائے گا۔

اس مسئلے کے حل کے لئے آپ کی دکان میں ہوائی گھنٹیاں بھی مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔

یاد رکھئے....! فینگ شوئی کے اصولوں کے مطابق آرائیش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مہنگی یا محض نظروں کو بھاتی خوبصورت اور قیمتی اشیاء سے دکان یا گھر کو سجادیا جائے بلکہ اس کا اصل مقصد ماحول میں دور کرتی حیاتی توانائی کے بہاؤ کو بہتر سے بہتر رکھنا اور ماحول سے ہم آہنگ کرنا ہے۔اس کے لئے آپ کو صرف کمپاس اور پاکوا چارٹ کی ضرورت ہے ۔اصولوں کو ذہن میں رکھیے اور ان کی مدد سے آپ دستیاب اشیاء کے مناسب اور صیح مقام پر ردوبدل سے باآسانی حاصل کرسکتے ہیں۔

اب وہ چیزیں جو آپ کی دکان یا شوروم کے لئے منفی اثرات مرتب کرسکتے ہیں۔

بیرونی اطرف میں نظر ڈالیں تو سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ آپ کی دکان یا شوروم کے بالکل سامنے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ جیسے کار پارکنگ، کوئی بڑا درخت، بائیکس کی قطاریں، کوڑا کچرا یا پھر میز کرسیاں یہ سب چیزیں حیاتی توانائی کے داخلے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔

اب بات کریں اندرونی ماحول کی۔ اگر دکان میں شیشہ آویزاں ہے تو شیشہ کو داخلی دروازے کے بالکل سامنے لگانے سے گریز کیجیے۔

چھت پر بہت زیادہ چمکدار لائیٹیں اور گہرے یا فلورسنس رنگ بالکل بھی استعمال نہ کیجئے۔ خیال رہے کہ یہ آپ کے ملازمین کی ذہنی کارکردگی پر اثرانداز ہوتی ہیں۔

ہاں روشنی کا بھرپور اور مناسب استعمال کیجیے۔

دکان میں اگر خارجی دروازہ الگ ہے تو داخلی اور خارجی دروازے یا پچھلا دروازہ بالکل آمنے سامنے نہ ہوں۔

کھلے ہوئے کوڑادان، ناگوار یا بہت تیز مہک کسی بھی طرح کی، بجلی کے کھلے ہوئے تار شا توانائی کی قوت کا باعث بنتے ہیں۔

دوستو....! ہم ایک بار پھر آپ سے کہنا چاہتے ہیں کہ فینگ شوئی کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے جسے گھماتے ہی نانی اماں سب ٹھیک کردیتی ہوں۔یہ ایک باضابطہ علم ہے جس کے اصول و قوانین پر کاربند ہو کر آپ کامیابی کے در وا کرسکتے ہیں، رکاوٹوں پر قابو پاسکتے ہیں اور اپنی خوشحالی کو مزید چار چاند لگا سکتے ہیں مگر اس کے لیے ضبط و تحمل کی ضرورت ہے۔ چیزوں کو بگڑنے میں جتنا کم وقت لگتا ہے انہیں سنوارنے میں اتنا ہی زیادہ۔

اگلی اقساط میں انشااللہ ہم اداروں کی ان کے پروفیشن اور سروسز کے لحاظ تزئین و آرائش سے متعلق آپ کو گائیڈ لائین فراہم کریں گیں اور یہ بھی بتائیں گیں کہ ذاتی پاکوا نمبر کیا ہوتا ہے اور یہ آپ کی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔

(جاری ہے)

گھر کا معالج

جب ہم کسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے علاج کے لیے کئی ادویات اور کبھی اینٹی بائیوٹک کا بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی احتیاط سے کام لیا جائے تو بہت سے امراض سے محفوظ رہا جا سکتا ہے، بیمار ہونے کی صورت میں کئی عام امراض کا آسان علاج ہمارے کچن میں بھی موجود ہے۔ کچن ہمارا اشفاخانہ بھی ہے۔ یہاں ہم ایسے چند طبی مسائل کا ذکر کریں گے جن کا حل آپ کے کچن میں بھی موجود ہے۔

نیند تھکے ہوئے جسموں کی قوتوں کی بحالی کے لیے نہایت خوش کن وقفہ کہا جاتا ہے۔ یہ، خرچ کی ہوئی انرجی کی واپسی کے لیے ایک ناگزیر شرط ہے۔ ہم تھکا ہوا جسم لے کر بستر پر دراز ہوتے ہیں اور جب اٹھتے ہیں تو خود کو تر و تازہ پاتے ہیں۔ نیند، جسم و جان کی اس ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کر دیتی ہے جس سے، جاگنے کی مصروفیتوں کے باعث دوچار ہوتے ہیں۔ اعصابی سکون کے لیے اچھی نیند سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ نیند، معمولات زندگی کے لیے ایک اہم ترین عنصر ہے اور انسان کی ذہنی اور جسمانی ہستی کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے۔

نیند ذہنی اور جسمانی صحت کے خزانے سمیٹے ہوئے ہے۔ روزانہ کم از کم سات گھنٹے سونے سے دل کے امراض میں مبتلا ہونے کے امکانات نصف رہ جاتے ہیں۔ نیند لمبی عمر کی ضمانت ہے۔ نیند کی کمی سے بلڈ پریشر اور خون میں گلوکوز کی سطح ناہموار ہو جاتی ہے، جو شریانوں کی سختی کا باعث بنتی ہے۔ سات گھنٹے کی نیند انسان کو چاق و چوبند اور صحت مند رکھتی ہے۔ طبی ماہرین بھرپور نیند کو درست فیصلوں کے لیے بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ نیند پوری نہ ہو تو مسائل پر

یکسوئی کے ساتھ توجہ دینے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔

ذیل میں پرسکون نیند کے لیے مفید چند نسخے دیے جا رہے ہیں۔

❖.... پاؤں کے تلوؤں میں سرسوں کے تیل کی مالش کرنے سے سکون ملتا ہے اور نیند گہری آتی ہے۔

❖.... دس گرام سونف، آدھا کلو پانی میں ابالیں۔ چوتھائی پانی رہنے پر چھان کر 250 گرام دودھ اور پندرہ گرام گھی اور چینی ملا کر سوتے وقت پئیں۔

❖.... رات کو آم کھائیں، اور دودھ پئیں۔ اس سے نیند اچھی آتی ہے۔

❖.... گاجر میں متوازن غذا کے عنصر ہوتے ہیں۔ اس سے بے خوابی دور ہوتی ہے۔ روزانہ ایک گلاس گاجر کا رس پئیں۔

❖.... نیند کی کمی میں بند گوبھی بھی مفید ہے۔ اس کی سبزی گھی میں بگھار کر کھائیں۔

❖.... رات کو سوتے وقت دودھ سے بنا کھویا پچاس گرام کھانے سے نیند اچھی آتی ہے۔ رات کو سوتے وقت ایک گلاس دودھ میں چینی اور ایک چمچ گھی ملا کر پئیں۔ نیند جلدی آئے گی۔

❖.... دہی میں سیاہ مرچ، سونف اور چینی ملا کر کھانے سے پرسکون نیند آتی ہے۔

❖.... ایک چمچ شہد، ایک چمچ لیموں کا رس ملا کر رات کو یہ دو چمچ پینے سے اچھی نیند آجاتی ہے۔

احتیاط

❖.... بلاوجہ رات دیر تک نہ جاگیں۔ رات کو جلدی سونے اور صبح جلدی بیدار ہونے کی عادت ڈالیں۔

❖.... صبح بیدار ہونے کا ایک وقت مقرر کرلیں۔ رات چاہے آپ کتنی ہی دیر سے کیوں نہ سوئے ہوں، صبح جلدی اٹھ جائیں۔

دو چار روز تک صبح جلدی اٹھنے سے آپ کو رات کو جلد نیند آنے لگے گی۔

❖.... لمبے عرصے کے لیے نیند کو نظر انداز مت کیجیے۔

اس وقت سونے کی کوشش کریں جب نیند آنے لگے۔ ایک معمول بنائیں کہ روزانہ صبح ایک ہی وقت پر بیدار ہوں، چاہے آپ تھکے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔

❖.... کیفین جسم میں چائے یا کافی پینے کے کئی گھنٹے بعد تک موجود رہتی ہے۔ سہ پہر کے بعد چائے یا کافی نہ پئیں۔ اگر آپ شام کے وقت کوئی گرم مشروب پینا چاہیں، تو دودھ یا کسی جڑی بوٹی سے نکالا ہوا مشروب پئیں، جس میں کیفین شامل نہ ہو۔

❖.... رات کا کھانا دیر سے نہ کھائیں۔ کھانے اور بستر پر جانے کے درمیان کم از کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا چاہیے۔

کیونکہ کھانا کھانے کے فوراً بعد ہمارے جسم میں نظام ہاضم کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور تین گھنٹے کے اندر ہمارا معدہ نظام ہضم کا عمل مکمل کر چکا ہوتا ہے۔ اگر سوتے وقت بھوک لگ رہی ہو تو بسکٹ وغیرہ کھالیں۔

❖.... اگر رات کو آپ کو نیند نہیں آئی تو اگلے روز دن میں مت سوئیں، کیونکہ اس سے آپ کو اگلی رات پھر نیند نہیں آئے گی۔

اگر ان طریقوں پر عمل کرنے کے باوجود بھی آپ کو نیند نہیں آرہی تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

خشکی یا سکری
(Dandruff)

حکیم عادل اسمعیل

جلد کی ایک تکلیف کو عام زبان میں خشکی یا سکری اور انگریزی زبان میں ڈینڈرف کہتے ہیں۔

بھوسی یا سکری جلد سے رسنے والی ایک چکنی رطوبت ہے جو جلد کی سطح پر جمع ہو کر گرمی سے خشک ہو کر بھوسی کی شکل میں جھڑتی رہتی ہے۔ سر کی جلد میں خاص طور پر ایسے غدود پائے جاتے ہیں۔ جو ایک قسم کا تیل یا چکنی رطوبت بناتے رہتے ہیں تاکہ جلد خشک نہ ہو اور اس میں موسم کی شدت اور کام کاج کی رگڑ کی وجہ سے خراش پیدا نہ ہو کچھ حالات میں یہی چکنی رطوبت زیادہ بننے لگتی ہے۔ ایسا عام طور پر سر کی جلد میں ہوتا ہے۔ بعض افراد کی پیشانی، آنکھوں کے پپوٹے، چہرے اور کبھی کبھی پورے جسم پر خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالوں کو الٹی سمت تیز تیز انگلیاں پھیریں تو سکری کے ذرات فوارے کی طرح پھوار مارتے ہوئے، ابروؤں، کندھوں اور کپڑوں پر گرتے ہیں۔

سکری کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

- .... ایک خشکی، جو کھجانے پر جھڑتی ہے۔
- .... دوسری چکنی جو سر کی جلد سے چپکی رہتی ہے۔

سر میں جب خشکی کی تہہ زیادہ جم جائے تو بالوں کی جڑوں میں ہوا نہیں پہنچتی اور بال کمزور ہو کر جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اسباب

عام طور پر غیر متوازن غذا کا استعمال چکنی رطوبت کے رساؤ میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ جو افراد مرغن اور تلی ہوئی غذائیں زیادہ استعمال کرتے ہیں اور گرم مسالے اور مرچوں کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں یہ مرض زیادہ پایا جاتا ہے۔ اگر بالوں کو صاف نہ رکھا جائے تو میل کچیل سے غدود میں سوزش پیدا ہو کر رطوبت کے رساؤ میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ عام کمزوری خون کی کمی، خون کی خرابی سے بھی خشکی یا سکری پیدا ہو سکتی ہے۔

علامات

بالوں کو ہٹا کر سر کی جلد پر دیکھا جائے تو سفید تہہ جمی ہوئی نظر آتی ہے اگر الٹی طرف کنگھی کی جائے تو یہ سفید بھوسی جھڑ کر پھوار کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اگر زیادہ ہو تو بھوؤں اور شانوں پر نظر آتی ہے۔ سر میں بے چینی اور کبھی کبھی خارش بھی ہوتی رہتی ہے۔

علاج

سب سے پہلے تو ہمیں بالوں کی صفائی پر توجہ دینی چاہیے۔ سر کو روزانہ سادہ پانی سے اور ہفتے میں دو

مرتبہ گلیسرین سوپ یا ہربل شیمپو سے دھونا چاہیے۔ اگر جلد چکنی اور روغنی ہوگی ہو تو بیسن سے بال دھونا مفید ہے۔ بال دھوئیں تو آخر میں ایک عدد لیموں یا دو چچ سرکہ خالص ایک جگ پانی میں ملا کر اس پانی سے دردھو کر پھر سادے پانی سے بال دھو کر صاف کر لیے جائیں اس طرح بال میں جراثیم پرورش نہیں پاتے اور بال چمکدار اور ملائم رہتے ہیں۔

خشکی میں مفید نسخے درج ذیل ہیں۔

... چقندر سو گرام لے کر تراش لیں اور آدھا لیٹر پانی میں جوش دے کر اور مسل کر چھان لیا جائے اس پانی سے بالوں کو دھویا جائے۔

... میتھی کا بیج دو چچ رات کو گرم پانی میں بھگو دیں صبح اچھی طرح مسل کر پیسٹ بنالیں اور بالوں پر لگائے۔ آدھے گھنٹے بعد سر کو دھولیں۔

... تین چچ دہی میں ایک چچ چینی ملایئے۔ اچھی طرح مکس کر کے انگلیوں کی مدد سے یہ آمیزہ بالوں کی جڑوں میں لگایئے۔ اس کے نصف گھنٹے کے بعد سر کو نیم گرم پانی سے دھولیں۔

... بیسن 250 گرام، گندم کی بھوسی پچیس گرام، میتھی کے بیج پچیس گرام، کلونجی پچیس گرام، تخم خطمی پچیس گرام، چقندر کے خشک پتے پچاس گرام۔ پتوں اور بیجوں کا باریک سفوف بنالیں اور آخر میں بیسن اور گندم کی بھوسی ملا کر رکھ لیں ہفتے میں دو سے تین مرتبہ پچاس گرام سفوف لے کر عرق گلاب اور سرکہ جامن خالص حل کر کے پتلا پتلا پیسٹ بنا کر بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح لیپ کریں۔ اس کے آدھے گھنٹے بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ رات سونے سے پہلے سرسوں یا ناریل کا تیل ہلکا گرم کر کے انگلیوں کی پوروں کی مدد سے بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح لگائیں۔ رات بھر تیل لگا رہنے دیں صبح پچیس گرام ریٹھے کو پانی میں پکا کر اس پانی سے سر کو دھوئیں۔

... آملہ پچاس گرام، سیکاکائی پچاس گرام، ریٹھہ پچاس گرام۔ تینوں ادویہ کا باریک سفوف بنالیں رات کو سونے سے پہلے تھوڑے سے پانی میں پیسٹ بنا کر بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح جذب کریں اور صبح دھولیں۔

بچوں کو شہد پلائیں.... کھانسی سے نجات پائیں

جسمانی طور پر کمزور اور حساس ہوتے ہیں اگر آپ کے چھوٹے بچے نزلہ وزکام یا کھانسی میں مبتلا ہیں تو اس کے لیے آپ یہ کر سکتی ہیں کہ رات کو سونے سے قبل اپنے بچوں کو ایک چچ شہد پلا دیں۔

اس عمل سے کھانسی میں آرام آجاتا ہے اور بچے پر سکون نیند سوتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق سینے کی جکڑن اور کھانسی میں شہد بہت مفید ہے۔ شہد خراب گلے میں بھی مفید ہے۔

اشرف باجی کے ٹوٹکے

ٹوٹکوں کا استعمال دنیا بھر میں عام ہے۔ ٹوٹکوں سے مرد بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور خواتین بھی.... تاہم امور خانہ داری میں ٹوٹکوں کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔ خانہ داری چونکہ خواتین کا شعبہ سمجھا جاتا ہے اس لیے ٹوٹکوں کا استعمال بھی خواتین زیادہ کرتی ہیں۔

محترمہ اشرف سلطانہ برسہابرس سے مرکزی مراقبہ ہال میں خدمت خلق کے پروگرام سے وابستہ ہیں۔ خاص و عام میں اشرف باجی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ ایک کوالیفائیڈ طبیبہ بھی ہیں۔ اگر آپ بھی اپنی آزمودہ کوئی ترکیب قارئین کو بتانا چاہیں تو روحانی ڈائجسٹ کی معرفت اشرف باجی کو لکھ بھیجیے۔

کہنی کے سیاہ دھبے

لیموں کاٹ کر ان کا رس نکال لیں، چھلکوں میں سفید سرکہ لگائیں اور پھر چینی ڈال کر کہنیوں پر رگڑیں، جلد کی سیاہ رنگت صاف ہو جائے گی۔

کوڑے کی ٹوکری کی بو

کوڑے کی ٹوکری صاف رکھنے کے لیے ٹوکری دھو کر خشک کرلیں، اس میں ایک شاپر لگائیں پھر ایک عدد لیموں کے چار عدد ٹکڑے کرکے ٹوکری میں ڈال دیجیے، اس سے ٹوکری میں کچھ بھی ڈالیں، کچن میں کچرے کی بو نہیں پھیلے گی اور صفائی میں بھی آسانی ہوگی۔ ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ ٹوکری تیز دھوپ میں رکھیں۔

جما ہوا گوشت فوری پگھلائیں

جمے ہوئے گوشت کو فوری پگھلانے کے لیے اسے نمک ملے پانی میں بھگودیں، گوشت پگھل جائے گا۔ اب چھوٹے حصوں میں تقسیم کرکے سادہ پانی سے دھولیں، گوشت پکانے کے لیے چند منٹوں میں تیار ہے۔

اونی ملبوسات کی نرمی برقرار رکھیں

اونی ملبوسات کی نرمی برقرار رکھنے کے لیے انہیں دھوتے وقت پانی میں ایک چمچ زیتون کا تیل ملا لیں، انہیں سائے میں سکھائیں اور ہمیشہ ٹھنڈے پانی

سے دھوئیں۔

ربڑ کی اشیاء کی عمر بڑھائیں

اگر آپ چاہتی ہیں کہ ربڑ کی اشیاء دیر پا ثابت ہوں تو انہیں صندوق میں رکھنے سے پہلے ان پر ٹالکم پاؤڈر چھڑک دیں اس ٹوٹکے سے ان کی عمر بڑھ سکتی ہے۔

قالین کے دھبوں کی صفائی

متاثرہ جگہ پر ہلکا سا ٹوتھ پیسٹ لگا کر ٹوتھ برش سے رگڑیں، اس کے بعد گیلے کپڑے سے اس جگہ کو صاف کرلیں۔ لیکن پہلے احتیاطاً یہ چیک کرلیں کہ کہیں ایسا کرنے سے قالین کا رنگ تو نہیں اترے گا۔ بعض قالینوں کے رنگ ہلکے ہوتے ہیں اور آسانی سے اترنے لگتے ہیں۔

فرنیچر کے داغ

پانی کا گلاس یا چائے کا کپ رکھنے سے میز وغیرہ پر سفید دائرے بن جاتے ہیں، جو عام طریقے سے مٹانے سے نہیں مٹتے۔ اس کا علاج بھی ٹوتھ پیسٹ ہی ہے۔ متاثرہ جگہ پر ذرا سے ٹوتھ پیسٹ لگا کر ہلکے گیلے کپڑے سے نرمی کے ساتھ رگڑ کر صاف کریں۔ اگر داغ نہ جائیں تو یہ عمل دہرائیں، مگر زور لگا کر یا تیزی سے نہ رگڑیں اس سے فرنیچر خراب ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہ ضرور چیک کریں کہ فرنیچر پر پالش ہلکی نوعیت کا یا جلد خراب ہونے والا تو نہیں، اگر ایسا ہے تو یہ عمل نہیں کریں۔

کپڑوں میں چمک پیدا کرنا

ایک پاؤ کلف میں ایک چھوٹا چمچ سہاگہ ملا کر استری کرنے سے کپڑوں میں چمک آجاتی ہے۔

فرش کو چمکانا

فرش کے دھبے صاف کرنے کے لیے کپڑے دھونے والا سوڈا صابن کے قتلے اور نمک ملا کر فرش پر خوب رگڑیں فرش صاف اور چمکدار ہو جائے گا۔

پیاز کی بو برتنوں سے دور کرنا

اس کو دور کرنے کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ پانی میں لیموں کی چند بوندیں ملا کر بدبودار چیزیں اس میں ڈال دیجیے اور تھوڑی دیر تک پڑا رہنے دیجیے بدبو دور ہو جائے گی۔

کریلوں کی کڑواہٹ دور کرنے کے لیے

کریلے کے چھلکے اتار لیں اور کاٹ کر بیج نکالیں کٹے ہوئے کریلوں پر نمک لگا کر ان کو اچھی طرح مل کر رکھ دیں ساری کڑواہٹ دور ہو جائے گی۔

پلاسٹک کے برتن چمکانا

کپڑے دھونے کا سوڈا ڈیڑھ چمچ، نمک آدھا چمچ، پانی میں ڈال کر اس پانی سے پلاسٹک کے برتن دھولیں۔ برتن نئے کی طرح چمکدار ہو جائیں گے۔ اس پانی میں ہاتھ نہ ڈالیں بلکہ کوئی پرانا کپڑا ڈال کر چمٹے سے کپڑا پکڑ کر برتنوں پر ملیں۔

سبزی تازہ رکھنا

اس کے لیے دو چمچ سرکہ پانی میں ملا دیں اور پھر سبزی کو اس میں بھگو کر نکال کر رکھیں۔ اس طرح سبزی تازہ رہ سکتی ہے۔

سفید کپڑے کی پیلاہٹ

سفید کپڑے کی پیلاہٹ دور کرنے کے لیے کپڑوں کو دھونے کے بعد پانی میں تھوڑا سا لیموں نچوڑ لیں اب اسی میں کپڑے کھنگالیں، نچوڑ کر سکھائیں۔ ریشمی سفید کپڑے جب ان کو کھنگالیں تو سفید سرکہ یا نمک ملالیں اور سائے میں خشک کریں سوئیٹر کو بھی دھوئیے تو وہ بھی پیلے نہیں ہوتے۔

ایبولا وائرس

فائزہ بیگ

قدرتی آفات اور بیماریاں امیر غریب عوام اور حکمران کی تفریق کیے بغیر آتی ہیں اور ان کی پکڑ میں کوئی بھی شخص آسکتا ہے۔ ایڈز، کانگو فیور اور ڈینگی کے وبائی امراض نے لاکھوں افراد کو متاثر اور ہزاروں کی جان لی۔ اب افریقی ممالک گنی، سیرالیون اور لائبیریا سے ایبولا وائرس کی وبا پھوٹی ہے جس نے ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا ہے۔

ایبولا ایک ایسا زہریلا وائرس ہے جو انسان کے جسم میں خون کے بہاؤ پر حملہ کرتا ہے۔ سائنس دانوں نے ایبولا کو جریان یا سیلان خون کے بخار کا نام دیا ہے۔ اس وائرس کے حملہ آور ہونے کے نتیجے میں ایبولا سے متاثرہ شخص کے جسم کے کسی یا تمام حصوں سے خون رسنے لگتا ہے۔ اس مرض کا آغاز افریقا میں جنگلی جانوروں سے ہوا۔ یہ وائرس ان جانوروں کے جسم میں موجود ہوتا ہے جو انہیں تو کچھ نہیں کہتا تاہم ان جانوروں کا گوشت کھانے والے افراد اس وائرس کی زد میں آجاتے ہیں۔ یہ مرض سب سے پہلے 1976ء میں افریقہ میں ظاہر ہوا تھا۔
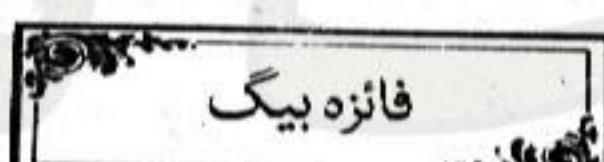
ایبولا ایک دریا کا نام ہے جو افریقہ کی ریاست جمہوریہ کانگو میں واقع ہے۔ 2013ء تک اس مرض کے صرف 1716ء واقعات سامنے آئے تاہم رواں برس یہ مغربی افریقہ میں ایک وبا کی شکل میں سامنے آیا اور سیرالیون، لائبریا اور نائیجیریا اس سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ اب تک یورپ کے ملک اسپین اور امریکا میں بھی اس کے کیسز سامنے آئے جس کے بعد سے دنیا کے دیگر علاقوں میں بھی خوف کی لہر پھیل گئی ہے۔

علامات

اس مرض کی علامات میں بخار، گلے میں درد' سردرد، دست و قے، جوڑوں اور رگ پٹھوں کا درد، پیٹ میں درد' قے' ڈائریا' خارش' بھوک میں کمی کے

اس مرض کی علامات میں بخار، گلے میں درد' سردرد، دست و قے، جوڑوں اور رگ پٹھوں کا درد، پیٹ میں درد' قے' ڈائریا' خارش' بھوک میں کمی کے علاوہ جگر اور گردوں کی کارکردگی بھی متاثر ہو جاتی ہے۔
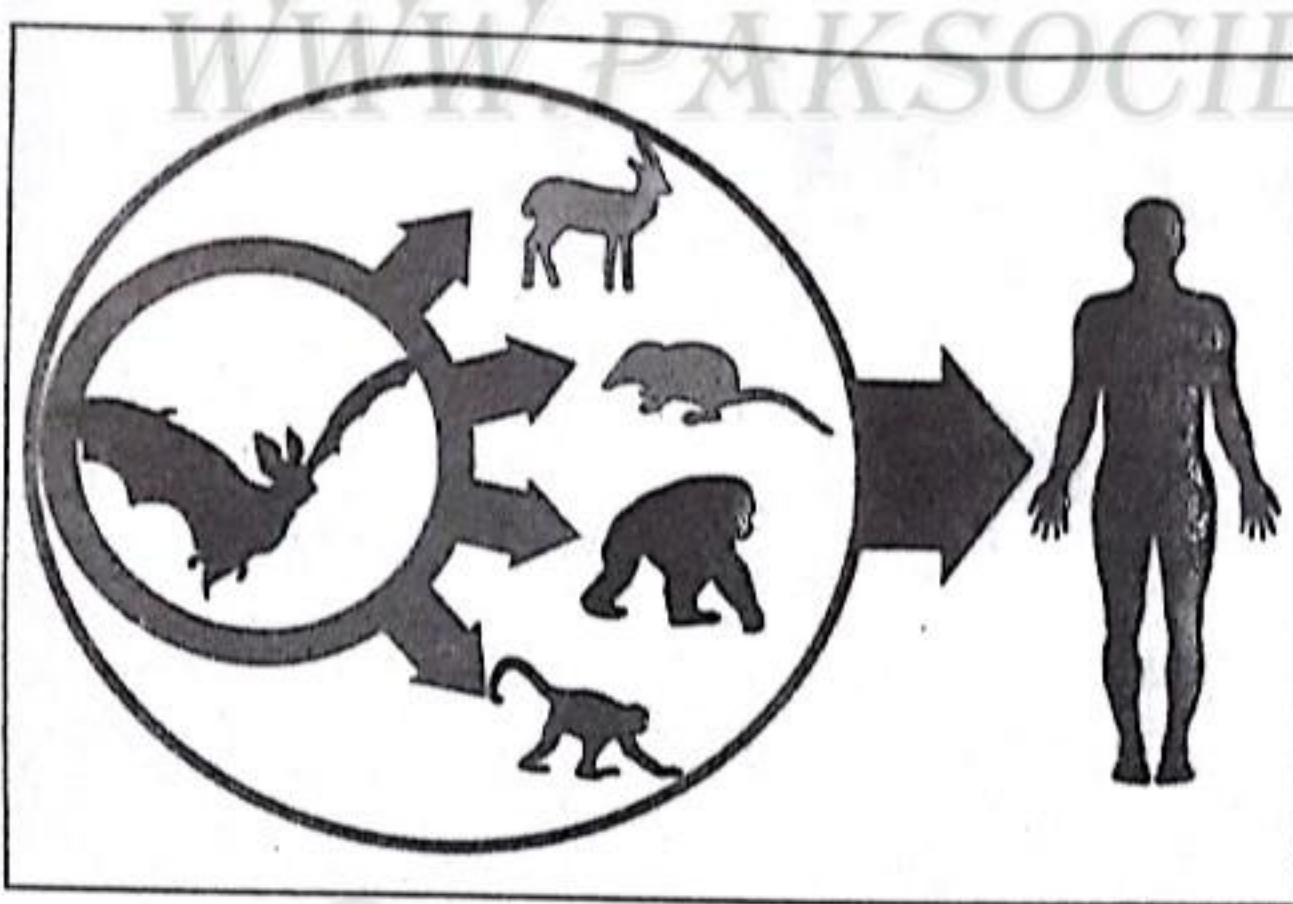
علاوہ جگر اور گردوں کی کارکردگی بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کی علامات ملیریا، ٹائفائیڈ بخار، گردن توڑ بخار اور ڈینگی فیور سے کافی زیادہ ملتی جلتی علامات کی وجہ سے اس کی تشخیص میں تھوڑی مشکل پیش ضرور آسکتی ہے۔ مگر درست تشخیص سے مرض کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

اس مرض میں شدت آنے پر جسم کے کسی ایک یا مختلف حصوں سے خون بہنے لگتا ہے اور اس وقت اس کا ایک سے دوسرے فرد یا جانور میں منتقل ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے جب خون بہنے کی علامت ظاہر ہو جائے تو مریض کی زندگی کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔

ایبولا کیسے منتقل ہوتا ہے....؟

1۔ مریض سے قریبی تعلق اس میں مبتلا ہونے کا خطرہ بڑھا دیتا ہے۔

2۔ تھوک، خون، ماں کے دودھ، پیشاب، پسینے، فضلے سمیت جسمانی تعلقات وغیرہ سے بھی یہ ایک سے دوسرے فرد میں منتقل ہو جاتا ہے۔

3۔ مریض کے زیر استعمال سرنج کا صحت مند شخص پر استعمال اسے بھی ایبولا میں مبتلا کر سکتا ہے۔

4۔ ایبولا میں مبتلا جانوروں کا گوشت کھانے یا ان کے بہت زیادہ نزدیک رہنا۔ یہ فلو، خسرے یا ایسے ہی عام امراض کی طرح نہیں۔ تاہم متاثرہ علاقوں سے آنے والے افراد اگر اس میں مبتلا ہوں تو وہ ضرور کسی ملک میں اس کے پھیلاؤ کا سبب بن سکتے ہیں۔

عالمی ادارے صحت کے مطابق سات ملکوں میں ایبولا کے اب تک تقریباً 8400 سے زائد مریض سامنے آچکے ہیں جن میں دس اکتوبر تک 4033 مریض جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ یہ اموات سب سے زیادہ متاثر ہونے والے تین مغربی افریقی ملکوں لائبیریا، سیرالیون اور گنی میں ہوئی ہیں۔ آٹھ افراد نائجیریا جب کہ ایک امریکہ میں ہلاک ہوا ہے۔ اسپین اور سینیگال میں بھی اب تک ایبولا کا ایک، ایک مریض سامنے آچکا ہے لیکن ان ملکوں میں اب تک اس وائرس سے کوئی موت نہیں ہوئی ہے۔ مغربی افریقہ میں ایبولا

وائرس سے متاثر ہونے والے 70 فیصد افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت نے خبر دار کیا ہے کہ اگر وائرس کا پھیلاؤ روکنے کے لیے مزید اقدامات نہ کیے گئے تو جنوری 2015ء تک وائرس سے متاثرہ افراد کی تعداد چودہ لاکھ تک پہنچنے کا احتمال ہے۔

پاکستان میں وفاقی حکومت نے ایبولا وائرس پر قابو پانے کیلئے ایمرجنسی پلان بنایا ہے جس میں افریقی ممالک سے آنیوالے مسافروں کی خصوصی اسکریننگ کی جائیگی۔ عالمی ادارہ صحت نے اس وبا سے نمٹنے کے لیے عالمی سطح پر ایمرجنسی کا اعلان کرتے ہوئے دنیا بھر کے عوام کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

احتیاطی تدابیر

❖ .... طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ متاثرہ علاقوں سے آنے والے افراد یہ جراثیم یہاں بھی پھیلا سکتے ہیں۔ اس مرض سے محفوظ رہنے کے لیے مندرجہ ذیل ضروری ہیں۔

❖ .... ہاتھ صابن سے دھوئیں اور صاف ستھرے کپڑے سے پونچھیں۔

❖ .... خود کو صرف گھر میں پکائی غذاوں تک ہی محدود رکھیں۔ بازار بھی بنی ہوئی اشیاء سے ہر ممکن حد تک بچنے کی کوشش کریں۔

❖ .... گھر کے اندر کونوں کھدروں، صوفوں اور بیڈز کے نیچے کی جگہ پر جراثیم کش ادویات کا چھڑکاؤ کریں۔

❖ .... کمروں کی کھڑکیاں کھول کر رکھیں کمروں میں سورج کی روشنی کا مناسب بندوبست کریں، کیونکہ ایبولا کا جرثومہ جراثیم کش ادویات، گرمی، سورج کی براہ راست روشنی، صابن اور ڈٹرجنٹس کی موجودگی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

❖ .... گھر میں موجود زندہ چوہوں اور اگر گھر میں کوئی جانور مر گیا ہے تو اس کو فوراً گھر سے باہر منتقل کر دیں کیوں کہ مردہ جانوروں سے بھی یہ مرض پھیل سکتا ہے۔

❖ .... پالتو جانوروں کی صحت کا خیال رکھیں اور گھر سے چوہوں کا خاتمہ ممکن بنائیں۔

❖

سردیوں میں دھوپ تاپئیے

یہ توانائی کا بہترین ذریعہ ہے

مصباح بیگ

میں سردیوں میں تنہائی محسوس کرنے لگتی ہوں۔ خوشیوں اور مسرتوں کے جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے سرد راتوں کے ٹھٹھرتے لمحے میری حالت زار پر آنسو بہا کر ماحول کو مزید غمگین اور اداس بنا رہے ہیں.... ایسا کیوں ہوتا ہے....؟

رخسانہ کے اس سوال پر ماہر نفسیات نے اسے بتایا کہ اس کی ابتر ذہنی کیفیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دھوپ میں مناسب وقت نہیں گزارتی۔

جی ہاں، سورج کی روشنی بھی شفا بخش اثرات رکھتی ہے۔ ایسے ممالک جہاں سورج کم کم نکلتا ہے وہاں لوگوں میں ڈپریشن (اضمحلال) اور دیگر نفسیاتی امراض کے علاوہ خودکشی کا تناسب بھی زیادہ ہے۔

یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا کے وہ خطے جہاں دھوپ بہت کم نکلتی ہے۔ وہاں کی زندگی بہت مشکل ہے اور جس دن سورج نکل آئے، لوگوں کے لیے عید کا سماں ہوتا ہے۔ کرکٹ میچز میں تو ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ لوگ سن باتھ لے رہے ہوتے ہیں۔

ماہرین نفسیات یہ بھی کہتے ہیں کہ ذہنی امراض میں مبتلا شخص سردیوں میں زیادہ مضطرب اور پریشان رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں ایسی جگہ بٹھایا جائے جہاں سورج کی روشنی انہیں براہ راست ملے یا انہیں دھوپ میں سیر کرائی جائے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ دھوپ میں بیٹھنے سے مریض کی طبیعت جلد ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ذہنی مریضوں کو آنکھوں کے ذریعے سورج کی روشنی جذب کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ وہ صحت یاب ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے روزمرہ کے کاموں میں بھی توجہ اور پختگی آجاتی ہے۔
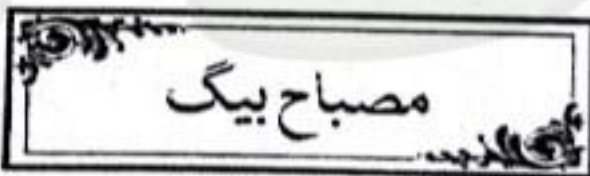
عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ سردیوں میں ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دھوپ کی کمی کی وجہ

سے کولیسٹرول میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ دھوپ کولیسٹرول کو کم کرتی ہے۔ انسانی جلد میں ایک کیمیائی مادہ اسکوالین پیدا ہوتا ہے۔ دھوپ نہ ملنے سے یہ مادہ کولیسٹرول میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسانی جلد کو دھوپ ملتی رہے تو یہ مادہ وٹامن ڈی کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ وٹامن ڈی کی کمی اور کولیسٹرول کی زیادتی ہائی بلڈ پریشر اور دل کے امراض کا باعث بنتی ہے۔ وٹامن ڈی دل کی حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے۔ لہٰذا اس وٹامن کی کمی سے سردیوں میں دل کے امراض بڑھ جاتے ہیں۔ دل کے امراض سے ممکنہ حد تک بچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سورج کی روشنی سے استفادہ کیجیے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ سرد موسم میں گھروں میں عورتیں اپنے نومولود بچوں کو دھوپ میں بیٹھا کر تیل کی مالش کرتی ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ سورج کی تپش سے بچے کی ہڈیاں مضبوط ہوں۔ جدید تحقیق نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دھوپ سے جسم میں حیاتین ڈی (وٹامن ڈی) پیدا ہوتا ہے۔ جو کیلشیم کو جذب ہونے میں مدد دیتا ہے۔ ایسے نوجوان جو باڈی بلڈنگ کے شوقین ہیں یا جم وغیرہ جاتے ہیں۔ وہ دھوپ سینکنے کی ورزشیں بھی کرتے ہیں۔ جس سے ان کی ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ بوڑھے افراد کو دھوپ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ڈھلتی عمر کی کمزوری دور ہو۔ جوڑوں کے امراض اور زخم وغیرہ میں سورج کی تپش ازحد مفید ہے۔ سردیوں میں عام طور پر زخم جلدی ٹھیک نہیں ہوتا اور مرض میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات پرانے زخم بھی دکھنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ انسانی جسم میں درجہ حرارت کی کمی سے پیدا ہونے والی مدافعتی کمزوری ہے۔ اس صورتحال میں ڈاکٹر دھوپ میں بیٹھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

اکثر نوجوان خواتین دھوپ سے کتراتی ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہیں ان کا رنگ سیاہ نہ ہونے لگے۔ یہ صحیح ہے کہ تیز دھوپ جلد کی نمی غیر متوازن کرکے اس کی شادابی کم کرتی ہے۔ مگر اس خیال کے تحت دھوپ سے مکمل اجتناب مناسب نہیں۔ انسانی جلد کے خلیے اگر لمبے عرصہ تک سورج کی حدت سے محروم رہیں تو مردہ ہونے لگتے ہیں اور یوں جلد اپنی شادابی و دنکھار کھونے لگتی ہے۔

بعض جلدی امراض کا علاج بالا بنفشی شعاعوں یعنی دھوپ سے کیا جاتا ہے مثلاً چنبل وغیرہ۔ ڈاکٹر مریض کو اس کی صورتحال کے مطابق کچھ دوائیاں لگا کر دھوپ میں بیٹھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اسی طرح بعض ڈاکٹر برص کے مریضوں کے لیے دھوپ کو مفید قرار دیتے ہیں۔

دھوپ ذیابیطس کے مریضوں کے لیے بھی بے حد فائدہ مند ہے۔

اکثر خواتین بالوں کی حفاظت و لمبائی کے لیے بہت زیادہ تیل استعمال کرتی ہیں مگر اس کے باوجود ان کے بال ٹوٹتے رہتے ہیں۔ تیل کی زیادتی بھی بالوں کی نشوونما پر منفی اثر ڈالتی ہے۔

بال اگر دھوپ میں سکھائے جائیں تو تپش کی حدت نمی اور خشکی سے پیدا ہونے والے جراثیم ختم کرتی ہے اور سر جوؤں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

سردیوں کے آغاز پر لوگ مخصوص گرم کپڑوں اور بلینکٹ وغیرہ کو باکس سے نکال کر دھوپ میں

رکھتے ہیں۔ تاکہ کپڑوں میں پیدا ہونے والی نمی اور بدبو کا خاتمہ ہو جائے۔ بعض اوقات رات کو استعمال ہونے والے کپڑے بھی دھوپ میں رکھے جاتے ہیں۔ اگر یہ کپڑے بغیر دھوپ لگوائے بکسوں و صندوقوں میں بند کر دیے جائیں تو ان میں کھٹمل پیدا ہونے کا احتمال بھی رہتا ہے۔

دھوپ کئی مضر جراثیم کو مار دیتی ہے۔ دھوپ لگانے سے کپڑوں میں جراثیم پیدا نہیں ہوتے۔

ایک جدید تحقیق نے کچھ لوگوں کو دھوپ تاپنے کے خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس جدید تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ دھوپ جلد کے سرطان کا باعث ہو سکتی ہے۔ جی ہاں، سورج کی بالا بنفشی شعاعیں سرطان کا موجب بن سکتی ہیں لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب طویل عرصے تک مسلسل ان کی زد میں رہا جائے۔ وہ افراد جو ساحل سمندر پر یا کسی ایسی جگہ لگا تار کئی کئی گھنٹے کام کرتے ہیں جہاں انہیں سایہ میسر نہیں وہ بالا بنفشی شعاعوں کے باعث جلد کے سرطان میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

سورج کی تپش کی زیادتی جہاں جلد کے سرطان کا باعث بنتی ہے وہاں دھوپ کئی قسم کے سرطان سے محفوظ بھی رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سینے، قولون اور غدہ مثانہ کے سرطان میں اکثر ایسے افراد مبتلا ہوتے ہیں جنہیں دھوپ کم ملتی ہے۔ ان اقسام کے سرطان کو وٹامن ڈی کے استعمال سے روکا جا سکتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر شے کی طرح دھوپ کا استعمال بھی احتیاط اور اعتدال سے کرنا چاہیے۔

زیادتی کی صورت میں نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

❄

چاکلیٹ نقصان دہ نہیں بلکہ صحت کے لیے مفید ہے

چاکلیٹ پر برطانیہ میں تحقیق میں ثابت ہوا ہے کہ چاکلیٹ مزے دار ہونے کے ساتھ ساتھ صحت مند بھی ہوتی ہے۔ یہ انسانی جسم کے قوت مدافعت پیدا کرنے والے عناصر کو مضبوط کرتی ہے، چاکلیٹ میں کوکا، پوٹاشیم، آئرن، زنک اور میگنیشیم پایا جاتا ہے، جو دماغی صحت کو بہتر کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ براؤن چاکلیٹ کی سب سے اہم اور صحت کے لیے مفید خوبی یہ ہے یہ نقصان پہنچانے والے کولیسٹرول کو کم کرنے کے ساتھ مفید کولیسٹرول کو بڑھاتی ہے۔ ریسرچ کے مطابق تھوڑی سی ورزش اور اچھی غذا کے ساتھ براؤن چاکلیٹ کھانے سے خراب کولیسٹرول کم ہوتا ہے اور صحت مند کولیسٹرول بڑھتا ہے۔ براؤن چاکلیٹ کی دوسری اہم خوبی یہ ہے کہ اس سے بلڈ پریشر کو نارمل رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ جسم میں موجود پولی فینول کو بڑھاتا ہے، جو خون میں موجود آکسیجن کی روانی کو بڑھا دیتا ہے۔

خشک موسم کو خوش آمدید کہیے

دودھ، عرقِ گلاب، سنگترے اور ہلدی سے خود کو نکھاریے...

موسم کی تبدیلی انسانی صحت کے ساتھ جلد پر بھی اثرات مرتب کرتی ہے۔ جلد انسانی جسم کا سب سے حساس عضو مانا جاتا ہے۔ خاص طور پر چہرے کی جلد موسم کے تغیرات کا براہ راست نشانہ بنتی ہے۔ جلد کی حفاظت کے لیے موسم کے شروع ہونے کا انتظار مت کیجیے۔ اگر آپ موسم سرما میں خوبصورت، صحت مند اور دلکش جلد کی خواہش رکھتی ہیں تو اس کے لیے یخ بستہ ہواؤں کے چلنے سے پہلے ہی جلد کی مناسب دیکھ بھال کا آغاز کر دیجیے۔

معیاری اور آزمودہ کولڈ کریم رات سونے سے قبل ضرور لگائیں۔ منہ دھونے کے لیے موئسچر بیس صابن یا فیس واش استعمال کریں۔ دن میں دو مرتبہ اور رات سونے سے قبل صابن یا فیس واش سے چہرہ صاف کریں۔ چکنی اور دانوں والی جلد کے لیے کولڈ کریم موزوں نہیں رہتی ایسی جلد کو قدرتی طریقوں سے موئسچرائزر پہنچایا جا سکتا ہے۔

دودھ، عرق گلاب اور لیموں

دودھ سے کلینزنگ کرنے سے جلد کی شادابی لوٹ آتی ہے۔ دانے بتدریج دانے مرجھانے لگتے ہیں۔ رنگت بھی نکھر جاتی ہے۔

عرق گلاب، لیموں کا عرق، گلیسرین ہم وزن ملا کر کسی پلاسٹک کی ایئر ٹائٹ بوتل میں رکھ لیں جب بھی چہرہ دھوئیں یا گھر سے باہر جائیں یہ ہربل لوشن لگالیں۔ دہی میں سٹرک ایسڈ کی وجہ سے دانوں کو ختم کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ روزانہ ایک کھانے کا چمچ دہی میں ایک چائے کا چمچ بیسن ملا کر

طوبیٰ دانش

چہرے پر لگانے سے چکنی جلد کی غیر ضروری چکنائی اور دانوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

بالائی، شہد، زعفران

سرد ہوائیں خشک جلد کو مزید خشک کر دیتی

ہیں۔ خشک اور نارمل جلد والی خواتین کے لیے موسم سرما خوشگوار ہونے کے بجائے تکلیف دہ تاثر قائم کرتا ہے لیکن خواتین کی اکثریت اپنی جلد کی طرف اس وقت متوجہ ہوتی ہے جب جلد اپنی شادابی کھونے لگتی ہے۔ سرد ہوائیں جلد کو خشک کرکے اسے بے رونق بنادیتی ہیں تو ایسی روکھی، کٹی پٹی جلد کو دوبارہ اس کی نارمل حالت میں لانے کے لیے زائد وقت درکار ہوتا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ پہلے سے ہی جلد کا خیال رکھا جائے۔ خشک اور نارمل جلد کیل، مہاسوں اور دانوں سے پاک ہوتی ہے مگر جھریاں اور چھائیاں ایسی جلد پر ہی سب سے پہلے نمودار ہوتی ہیں۔

رات سونے سے قبل یا دن میں کسی بھی وقت ایک کھانے کا چمچ بالائی لیں اس میں ایک چائے کا چمچ شہد اور چٹکی بھر زعفران ملاکر پندرہ منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ اس آمیزے سے چہرے کا ہلکے ہاتھوں سے مساج تقریباً دس منٹ تک کریں۔ بیس منٹ بعد چہرہ صاف پانی سے دھو لیجیے۔ یہ عمل پندرہ دن تک روزانہ دہرائیں۔ فرق محسوس ہونے پر ہفتے میں تین پھر دوبار اور آخر میں ہفتے میں صرف ایک مرتبہ یہ عمل دوہرائیں۔ موسم سرما میں یہ نسخہ بہترین نتائج دے گا۔

سنگترے کے چھلکے اور ہلدی

سنگترے میں وٹامن سی کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ سرد موسم میں کثرت سے اس کا استعمال کیجیے۔ یہ جلد کی شادابی کے ساتھ جسم کی قوت مدافعت بھی بڑھاتا ہے۔ سنگترہ چھیل کر کھائیں یا جوس کی شکل میں استعمال کریں۔ دونوں صورتوں میں سنگترے کے چھلکے محفوظ کرلیں۔ چھلکے دھوپ میں سکھا کر پاؤڈر کی شکل میں پیس کر ایئر ٹائٹ جار میں رکھیں۔ دن میں ایک مرتبہ اس کے چھلکوں کا ابٹن چہرے، ہاتھوں اور پاؤں پر ضرور لگائیں۔ ابٹن بنانے کے لیے دو کھانے کے چمچ سنگترے کے چھلکوں کا پاؤڈر تھوڑے سے دودھ میں ملاکر کھلی جگہ پر رکھ دیں چٹکی بھر ہلدی ملانے سے اس میں اینٹی سپٹک کی خصوصیات شامل ہوجائیں گی۔ جب گاڑھا سا ابٹن کی شکل کا آمیزہ بن جائے تو چہرے اور دیگر حصوں پر لگاکر پانچ منٹ تک ملیں پھر لگا رہنے دیں۔ جب خشک ہوجائے تو رگڑ کر ابٹن کی طرح مل کر اتارلیں۔

یہ گھریلو تراکیب جلد کے بہت سے مسائل کا سدباب کرتی ہیں اور خشک ہواؤں کے مضر اثرات کو زائل کرنے میں خاطر خواہ مدد کرسکتی ہیں۔

❄

ویکسی نیشن۔ ماں کی ذمہ داری

پاکستان میں 35 سے 40 فیصد بچوں کو حفاظتی ٹیکہ جات کے کورس کرائے جاتے ہیں جبکہ 60 سے 70 فیصد بچے حفاظتی ٹیکہ جات سے محروم رہ جاتے ہیں، جس کی ذمے داری والدین پر بھی عائد ہوتی ہے۔

ایک عورت کی زندگی میں بچہ ہی وہ ہستی ہے جو اسے وہ اعلیٰ مقام دیتا ہے جسے ماں کہتے ہیں۔ خدا نے ماں کو یہ اہم مقام اس لیے بھی دیا ہے کہ اس کی گود میں پل کر، بڑھ کر اور پڑھ کر نئی نسل تیار ہوتی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کی وجہ سے نئی نسل بیماریوں سے بھی محفوظ رہتی ہے اور طاقتور بنتی ہے۔

ابھی یہ ننھی سی جان جسے بچہ کہہ کر پکارا جائے گا ماں کے رحم میں ہی ہوتی ہے کہ ماں کو اس کی پیدائش سے پہلے ہی ٹی بی دو خوراکیں (بوسٹر) لینی ہوتی ہیں تاکہ پیدائش کے وقت بچے کو ٹٹنس سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اتنا ہی نہیں ماں کو آئرن اور کیلشیم کی گولیاں بھی متواتر لینی ہوتی ہیں تاکہ ماں کے شکم میں بچے کی صحیح نشوونما ہوسکے۔ ہر ماہ بچے اور ماں کی جانچ کی جاتی ہے جب تک کہ ولادت نہ ہوجائے۔ پیدائش کے وقت بی سی جی، او پی وی۔ او، ہیپاٹائٹس بی کی خوراک دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیدائش کے بعد بچے یا ماں کو ٹٹنس نہ ہو۔ بچہ پولیو اور پیلیا (Jaundice) سے محفوظ رہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال 47 ہزار بچے مختلف امراض میں مبتلا ہوکر زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں، تشنج، کالی کھانسی، چیچک، گردن توڑ بخار اور خسرہ سے متاثرہ بچوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، بچوں کو حفاظتی ویکسین لگوا کر اموات میں کمی کی جاسکتی ہے۔

دنیا بھر میں حفاظتی ویکسین لگانے کے نتیجے میں 1980 میں چیچک کے مرض کا خاتمہ ہوا۔ ترقی یافتہ ممالک میں پولیو، تشنج، کالی کھانسی سمیت دیگر امراض

کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے۔ امریکا میں حفاظتی ویکسین کے ذریعے گردن توڑ بخار کے مرض پر 95 فیصد تک قابو پالیا گیا ہے۔ امریکا اور کینیڈا میں 2 سال کی عمر تک کے بچوں کو 90 فیصد حفاظتی ویکسین کا کورس مکمل کرالیا جاتا ہے، حفاظتی ویکسین کے ذریعے انسانی جسم میں کسی بیماری کے خلاف مدافعتی نظام کو فعال بنایا جاتا ہے۔

پاکستان پیڈیاٹرکس ایسوسی ایشن کے مطابق پاکستان میں 35 سے 40 فیصد بچوں کو حفاظتی ٹیکہ جات کے کورس کرائے جاتے ہیں جبکہ 60 سے 70 فیصد بچے حفاظتی ٹیکہ جات سے محروم رہ جاتے ہیں جس کی ذمے داری والدین پر بھی عائد ہوتی ہے۔

بچوں کے حفاظتی ٹیکہ جات پروگرام میں بچوں کی 9 قابل ذکر بیماریاں پولیو، کالی کھانسی، خسرہ، ٹی بی، خناق، گردن توڑ بخار، نمونیہ اور ہیپاٹائٹس بی شامل ہیں، پیدائش کے فوراً بعد بچے کو بی سی جی کا ٹیکہ اور پولیو کے قطرے، چھ ہفتے بعد بیٹاون اور پولیو کے قطرے، دس ہفتے کے بعد پینٹاٹو اور پولیو کے قطرے، چودہ ہفتے بعد پینٹا تھری اور پولیو کے قطرے، نو ماہ بعد خسرے کا پہلا ٹیکہ اور پولیو کے قطرے اور پندرہ ماہ بعد خسرے کا دوسرا ٹیکہ اور پولیو کے قطرے دیے جاتے ہیں۔
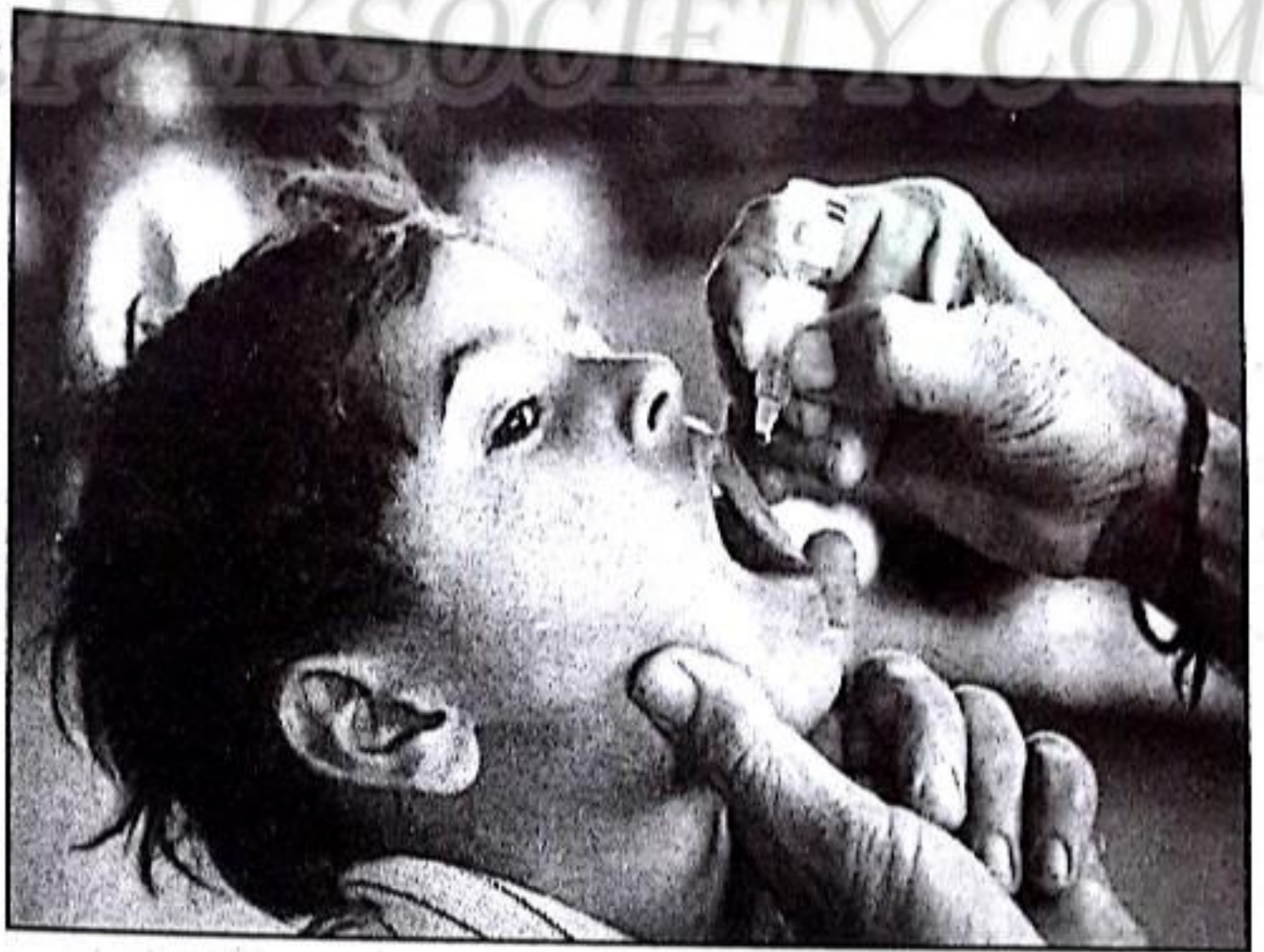
اس طرح حاملہ ماؤں کو ٹی بی کے دو ٹیکے حمل کے دوران اور ایک ٹیکہ پیدائش کے بعد لگایا جاتا ہے۔ قانون کے تحت اب والدین کی ذمے داری ہوگی کہ وہ بچوں کو متعدی امراض سے بچاؤ کیلیے ویکسینشن کرائیں۔

پولیو، ہیپاٹائٹس اور خسرہ جیسی سات بیماریوں سے بچانے کے لیے ویکسی نیشن مہم ہر سال چلائی جاتی ہے۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں یہ بیماری اکثر ہوتی ہے۔ جیسے کم صفائی والے علاقوں، دیہی علاقے یا غیر منظور شدہ کالونیوں میں خسرہ کا وائرس اب بھی حملہ آور ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں ٹیکہ نہ لگوانے کے پیچھے کئی طرح کی وجوہات سامنے آئی ہیں۔ شروع شروع میں مذہبی لوگوں نے ان ٹیکوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا۔ کئی ایسی باتیں بھی کہی گئیں جن کا ٹیکوں سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا۔ جیسے پولیو کی دوا کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے پلائی جانے والی دوا ہے یا بچوں کو اس دوا سے بانجھ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے وغیرہ۔ دھیرے

سے بچے کے بیمار ہونے کا ڈر ظاہر کیا تو کچھ نے کہا کہ ہم ٹیکوں کی قیمت ادا نہیں کرسکتے۔ یہاں یہ بتانا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ کب کون سا ٹیکہ جسم کے کس حصہ میں لگایا جاتا ہے اور اس سے کیا فائدہ ہے تاکہ آپ اپنے بچوں کی نشوونما میں اس کا خیال رکھ سکیں اور دوسروں کو بھی صحیح صلاح دے سکیں۔

ویکسینیشن یا حفاظتی ٹیکوں کے حوالے سے لوگوں میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، بعض لوگوں کے نزدیک حفاظتی ٹیکوں کا لگوانا انتہائی اہم ہوتا ہے جبکہ بعض لوگوں میں اس حوالے سے آگہی نہ ہونے کی وجہ سے ان میں حفاظتی ٹیکوں کا انتہائی غلط تصور پایا جاتا ہے اور وہ اسی وجہ سے اپنے بچوں کو حفاظتی ٹیکے لگوانے سے گریز کرتے ہیں لیکن اس کے نتیجے میں ایسے لوگوں کے بچوں کی صحت پر انتہائی مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

دھیرے یہ غلط فہمیاں دور ہوئیں اور مذہبی لوگ ویکسی نیشن کی اہمیت سے واقف ہوئے۔ مزید جو باتیں سامنے آئیں وہ کچھ اس طرح تھیں مثلاً کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کچھ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ کچھ نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ کب کون سا ٹیکہ لگتا ہے یا لگوانا چاہیے۔ کچھ نے کہا کہ ٹیکے لگوانے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کچھ نے ٹیکہ لگوانے

دہی کا روزانہ استعمال شوگر کا خطرہ کم کر دیتا ہے
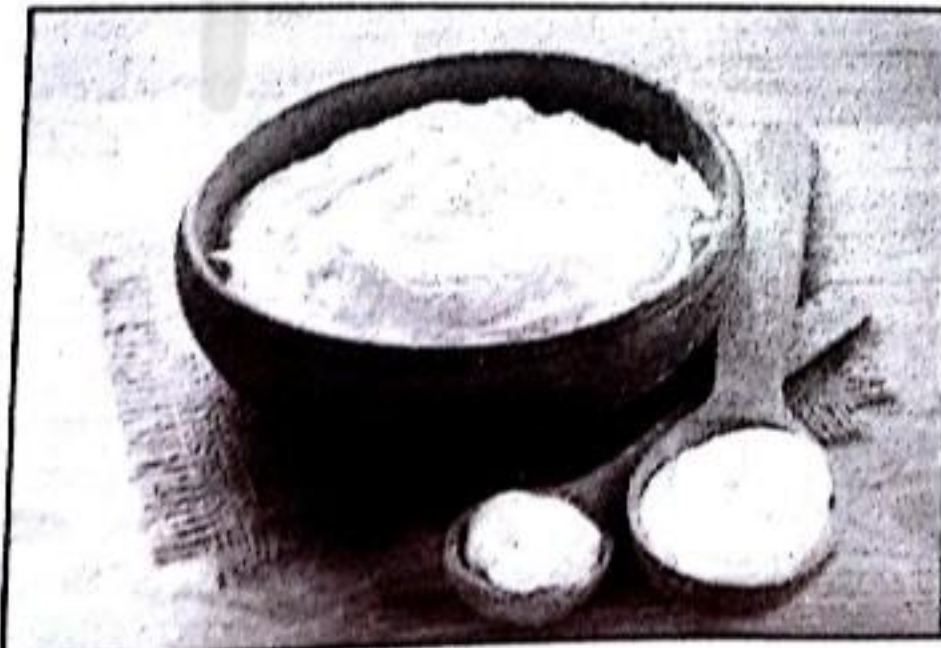
امریکا میں ہونے والی ایک طبی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ دہی کا روزانہ استعمال ذیابیطس ٹائپ ٹو میں مبتلا ہونے کا خطرہ نمایاں حد تک کم کر دیتا ہے۔ ہاورڈ اسکول آف پبلک ہیلتھ کی رپورٹ کے مطابق دہی میں شامل بیکٹیریا ذیابیطس ٹائپ ٹو کے خطرے میں کمی لانے کی اہم کنجی ثابت ہو سکتے ہیں۔

دسترخوان

فلک ناز
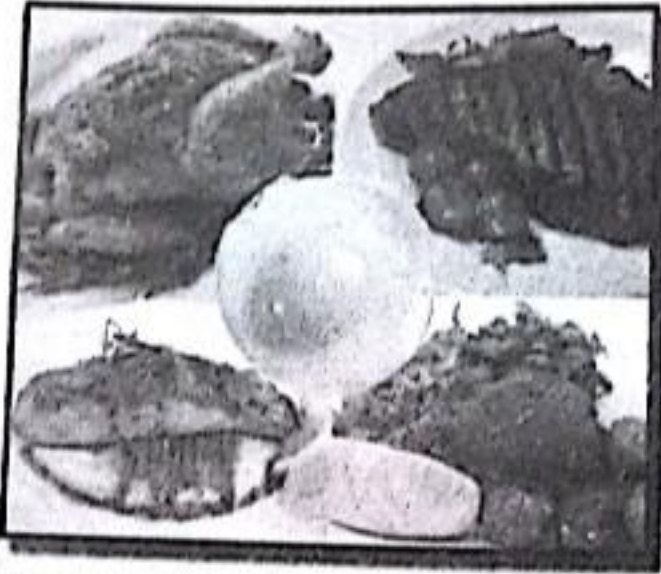
لذیذ اور غذائیت سے بھرپور نت نئی ڈشز کی یہ ترکیبیں آپ کے دسترخوان کی رونق میں اضافہ کردیں گی۔

ڈوئی مچھلی
(فش ود یوگرٹ)

اشیاء: مچھلی چار سے پانچ عدد، دہی آدھا کپ، پیاز (چوپ کرلیں) دو عدد، لہسن (چوپ کرلیں) چار سے پانچ عدد، ادرک (چوپ کرلیں) ایک انچ کا ٹکڑا، ہری مرچیں تین سے چار عدد، ٹماٹر ایک عدد (چوپ کرلیں)، ہلدی پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، لال مرچ پاؤڈر تین چائے کے چمچ، سفید زیرہ ایک چائے کا چمچ، دھنیا پاؤڈر دو چائے کے چمچ، گرم مسالہ پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، چینی ایک چٹکی، تیل حسب ضرورت۔

ترکیب: مچھلی دھو کر صاف کرلیں۔ پیالے میں مچھلی، آدھا چائے کا چمچ ہلدی پاؤڈر اور نمک ڈال کر میرینیٹ کرلیں۔

فرائنگ پین میں تیل گرم کرکے مچھلی ڈال کر درمیانی آنچ پر فرائی کریں گولڈن اور کرسپی ہوجائے تو پلیٹ میں نکالیں۔

اسی پین میں حسب ضرورت تیل رکھ کر اضافی تیل الگ برتن میں نکال دیں، چینی، لہسن اور ادرک ڈال کر فرائی کریں سنہری ہوجائیں تو چوپ کی ہوئی پیاز، ہلدی پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، زیرہ، دھنیا پاؤڈر، گرم مسالہ پاؤڈر اور نمک ڈال کر پکائیں، تیل الگ ہوجائے تو ہری مرچیں اور ٹماٹر ڈال کر ایک کپ گرم پانی شامل کریں، گریوی بن جائے تو فش ڈال کر دھیمی آنچ پر ڈھک کر پکائیں۔

ایک پیالے میں دہی پھینٹ کر فش مسالے میں شامل کرکے مزید دو سے تین منٹ پکا کر چولہے سے اتار لیں سرونگ ڈش میں نکال کر چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

فش گرین مسالہ

اشیاء: مچھلی (سلائس کاٹ لیں) آدھا کلو، دہی آدھا کپ، پیاز (چوپ کرلیں) دو عدد، ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) آدھا کپ، ہری مرچیں (چوپ کرلیں) تین عدد، پودینہ (چوپ کیا ہوا) ایک کھانے کا چمچ، لہسن کے جوے چھ عدد، ادرک ایک انچ کا ٹکڑا، تیل ایک چوتھائی کپ، زیرہ پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، سفید مرچ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ۔

ترکیب: مچھلی کو آٹا لگا کر دھولیں اور خشک کرلیں۔ چوپر میں ہرا دھنیا، ہری مرچیں، پودینہ، لہسن، ادرک، زیرہ پاؤڈر، سفید مرچ پاؤڈر اور نمک ڈالیں اور اس مکسچر کو مچھلی پر اچھی طرح لگائیں۔ سوس پین میں تیل گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کریں۔ سنہری ہوجائے تو پسا ہوا مسالہ ڈال کر فرائی کریں۔ تیل الگ ہوجائے تو مچھلی کے سلائس مسالے پر رکھیں۔ دہی پھینٹ کر مچھلی پر ڈالیں اور ڈھک کر دو منٹ پکائیں اور کپڑے سے پکڑ کر پین ہلادیں درمیانی آنچ پر اتنی دیر پکائیں کہ تیل

فش اسپیشل

الگ ہوجائے سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

فش نگٹس ڈیلائیٹ

اشیاء: فش فلے آدھا کلو، میدہ دو کھانے کے چمچ، سفید مرچ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، مسٹرڈ پیسٹ ایک چائے کا چمچ، لال مرچ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، بریڈ کرمبز آدھا کپ، انڈے (پھینٹ لیں) دو عدد، بریڈ کرمبز حسب ضرورت (کوٹنگ کے لیے)، نمک حسب ذائقہ، تیل حسب ضرورت۔

ترکیب: فش کو چوپر میں ڈال کر پیس لیں۔ پیالے میں فش، میدہ، نمک، لال مرچ پاؤڈر، مسٹرڈ پیسٹ، بریڈ کرمبز اور سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے کسی بھی شیپ میں نگٹس بنالیں۔

کڑاہی میں تیل گرم کرکے نگٹس کو انڈے میں ڈپ کریں پھر بریڈ کرمبز لگا کر درمیانی آنچ پر گرم تیل میں فرائی کریں، سنہری ہوجائے تو ٹشو پیپر پر نکال کر رکھیں، سرونگ پلیٹ میں نکال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

بنگالی فش اسٹو

اشیاء: فش سلائس ایک کلو، لال مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، لہسن پیسٹ ایک چائے کا چمچ، ثابت لال مرچیں دس عدد، لہسن (چوپ کیا ہوا) ایک کھانے کا چمچ، ادرک (چوپ کی ہوئی) ایک کھانے کا چمچ، ثابت گرم مسالہ ایک کھانے کا چمچ، ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، تیز پات ایک عدد، پیاز چار عدد (سلائس کاٹ لیں)، چھوٹی الائچی چار عدد، دہی ایک کپ، نمک حسب ذائقہ، تیل آدھا کپ۔

ترکیب: پیالے میں فش سلائس پر ہلکا سا نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر اور لہسن پیسٹ لگا کر رکھیں۔ فرائی پین میں تیل گرم کر کے مچھلی ڈال کر ہلکا فرائی کریں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

سوس پین میں تیل گرم کریں اور اس میں الائچی، ثابت گرم مسالہ، ثابت لال مرچیں، لہسن، ادرک اور تیز پات ڈال کر بھونیں مسالہ فرائی ہوجائے تو پیاز ڈال کر بھونیں، ہلکا سا بھون کر نمک، دہی اور فرائی فش ڈالیں، ڈھک کر پانچ منٹ درمیانی آنچ پر پکائیں، کپڑے سے پکڑ کر دیگچی کو ہلا لیں، تیل الگ ہوجائے تو سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

فش نوڈلز

اشیاء: مچھلی کے قتلے آدھا کلو، اسپیگھیٹی 200 گرام، نمک حسب ذائقہ، لہسن پسا ہوا ایک کھانے کا چمچ، ٹماٹر کا پیسٹ ایک پیالی، کالی مرچ پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ، مسٹرڈ پیسٹ ایک چائے کا چمچ، سفید مرچ پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ، اجوائن پسی ہوئی آدھا چائے کا چمچ، تھائم پسی ہوئی آدھا چائے کا چمچ، میدہ حسب ضرورت، کوکنگ آئل حسب ضرورت۔

اشیاء: مچھلی کو اچھی طرح صاف کر کے دھولیں اور چھلنی میں رکھ کر خشک کرلیں، پھر مچھلی کے قتلوں پر نمک، سفید مرچ، لہسن اور مسٹرڈ پیسٹ لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اسپیگھیٹی کو نمک ملے پانی میں دس سے بارہ منٹ اُبال کر چھلنی میں چھان لیں۔ پین میں ایک کھانے کا چمچ کوکنگ آئل میں ایک کھانے کا چمچ میدہ ڈال کو بھونیں، اچھی طرح بھن جائے اور خوشبو آنے لگے تو چولہے سے اتارلیں۔ نمک اور کالی مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر ایک سے دو منٹ پکائیں پھر اس میں ابلی ہوئی اسپیگھیٹی ملالیں۔ فرائنگ پین یا توے پر ایک سے دو کھانے کے چمچ کوکنگ آئل کو ایک سے دو منٹ گرم کریں مچھلی کے قتلوں کو ہلکا سا خشک میدہ لگا کر سنہرا فرائی کرلیں۔

پریزنٹیشن: پلیٹر میں اسپیگھیٹی پھیلا کر رکھیں، اس پر پین فرائی مچھلی رکھ کر اجوائن اور تھائم چھڑک کر اس صحت بخش ڈش کا مزہ لیں۔

❄

ہڈیوں کی خستگی....

تکلیف دہ مرض

جسم کی بنیاد ہڈیوں پر قائم ہے جیسے کسی عمارت کو کھڑا کرنے میں سریوں کے تانے بانے ڈالے جاتے ہیں پھر انہیں سیمنٹ اور بجری کی مدد سے مضبوط کر دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح ہڈیاں جسم کا ڈھانچہ بناتی ہیں اور بون کی کرسٹل اسے مضبوط کرتی ہے۔ اسے ہائیڈروکسی لیپاٹائٹ Hydroxyapatitle کہتے ہیں۔ ان میں کیلشیم اور فاسفیٹ موجود ہوتا ہے۔

کسی نومولود بچے میں ہڈیوں کی نشوونما، لمبائی اور چوڑائی دونوں طرح سے ہوتی ہے یعنی وہ بڑھتی اور پھیلتی ہیں۔ عام طور پر لڑکیوں میں چودہ اور لڑکوں میں اٹھارہ سال کی عمر میں پختگی آجاتی ہے۔ اس وقت کہا جاتا ہے کہ ان کا بون ماس تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ دونوں اصناف میں ہڈیوں کی پختگی تیس سال کی عمر تک قائم رہتی ہے اس کے بعد ری موڈلنگ کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں پرانی ہڈیوں کے حصے قدرتی طور پر ٹوٹتے اور نئی ہڈیوں کے حصے ان جگہوں کو پُر کرتے ہیں۔ نئی ہڈیاں بننے والے سیل کو Osteoblast اور پرانی ہڈیوں کو ختم کرنے والے سیل کو Osteoclast کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان Osteocytes ہوتے ہیں جو میچور سیل کہلاتے ہیں۔ جسم جب ری موڈلنگ کے عمل سے گزرتا ہے تو آسٹیو بلسٹ سیل کی تعداد بڑھ جاتی ہے جس سے نئی ہڈیاں بننے کا عمل تیز اور آسٹیو کلاسٹ کی پیداوار کم رہتی ہے۔ جسم کا یہ پورا عمل منظم انداز میں ہوتا ہے مگر اس میں عام صحت کی درستگی کا خاصا عمل دخل ہے۔ اگر عام صحت ٹھیک نہ ہو مثلاً متوازن غذا نہ لی جاتی ہو، ہارمونز ڈسٹرب ہوں تو اس صورت میں نئی ہڈیاں بننے کا عمل آہستہ اور ختم ہونے کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص میں تھائی رائیڈ کا مسئلہ یا کوئی خاتون بار بار حاملہ ہو رہی ہو تو یہ عمل تیس سے پینتیس سال کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی متاثر ہو سکتا ہے۔ اس دورانیے میں ہڈیوں میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل تھوڑا سا تیز ہو جاتا ہے اور جب خواتین پینتالیس سے پچاس سال کی عمر تک پہنچتی ہے تو مینو پاز آجاتا ہے۔

مینو پاز ہڈیوں کے گھلاؤ کا درد

خواتین میں جب مینو پاز کا عرصہ شروع ہو جائے تو جسم میں ایسٹروجن اور پروجیسٹرون کا عمل رک جاتا ہے۔ اس عرصے میں آسٹیو کلاسٹ کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے اور آسٹیو بلاسٹ زیادہ تیز رفتاری سے ہونے لگتا ہے۔ ہمارے جسم میں سالانہ ضائع ہونے والی ہڈیوں کا تناسب تقریباً 224 فیصد ہے۔ بعض افراد میں یہ شرح ایک فیصد بھی ہوتی ہے۔ عام الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تیس سے پینتیس سال تک ری موڈلنگ کا عمل متوازن

چلتا ہے اس کے بعد ہڈیاں ختم ہونے کا عمل بڑھ جاتا ہے۔ جس کی سالانہ شرح 25. سے 5. فیصد ہوتی ہے۔ بعض افراد میں یہ شرح چھ فیصد بھی ہو سکتی ہے جس کی وجوہ میں غیر متوازن غذا، عمومی صحت کا اچھا نہ ہونا، جسمانی سرگرمیاں نہ ہونا اور ہارمونز کا انتظام درست نہ ہونا ہو سکتا ہے۔ پچاس برس کی عمر کو پہنچ کر مینوپاز کا آغاز ہوجائے اور عمومی صحت بھی اچھی نہ ہو تو آسٹیوپوروسیس کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ ماہرین صحت کا کہنا ہے کہ گوری رنگت والے افراد آسٹیوپوروسیس میں جلد مبتلا ہوتے ہیں یعنی افریقیوں کی نسبت امریکیوں میں یہ مرض بلند شرح میں پایا جاتا ہے۔

پاکستانی خواتین میں یہ مرض بہت عام ہوتا جارہا ہے جس کی بنیادی وجوہ میں متوازن غذا کی عدم فراہمی اور جسمانی سرگرمیوں کا فقدان شامل ہیں۔ اس مرض سے بچنے کے لیے سب سے پہلے تو ڈائٹنگ کا تصور بدلیے۔ دبلا پتلا نظر آنے کے شوق میں دودھ اور پروٹین کا استعمال ختم نہ کیا جائے۔ متوازن غذا اور جسمانی ورزش پر خاص توجہ دی جائے تاکہ مرض میں مبتلا ہونے کے امکانات معدوم ہوسکیں۔ اوائل عمری ہی میں دودھ دہی اور پنیر کا استعمال کیا جائے۔ متحرک اور فعال زندگی کے لیے ورزش بہت ضروری ہے۔

BMD ٹیسٹ کب ہونا چاہیے....؟

جب کسی خاتون کو مینوپاز کا آغاز ہوئے دو سال ہو جائیں تو بی ایم ڈی ٹیسٹ لازمی کروائیں کیونکہ اس مرض کے علاج کا خرچ پانچ بڑی بیماریوں کینسر، فالج اور دل کے امراض سے زیادہ ہوتا ہے لہٰذا اوائل عمری ہی میں اپنا لائف اسٹائل صحت بخش بنائیں۔

ماہرین صحت کا کہنا ہے کہ کیلشیم، وٹامن ڈی اور ورزش تینوں اراکین مل کر ہڈیوں کو مضبوط اور توانا کرتے ہیں۔ اگر بچپن میں ان تینوں اجزاء کے باہمی ربط کو یقینی بنا لیا جائے یعنی بچے ورزش بھی کریں، دودھ بھی پئیں اور وٹامن ڈی سے بھرپور غذائیں بھی استعمال کرتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے جوڑوں میں درد کی شکایت ہو یا ان کی ہڈیاں چوٹ برداشت نہ کرسکیں۔

اوسٹیوپوروسیس (ہڈیوں کی بھربھراہٹ) کی بیماری ہے بڑی خاموشی سے سرایت کرتی جاتی ہے اور ہڈیاں گھلتی چلی جاتی ہیں۔ اوسٹیو آرتھرائٹس بھی کیلشیم اور وٹامن ڈی کی وافر مقدار نہ ملنے کی وجہ سے جڑ پکڑتی ہے۔

کیلشیم کیا ہے....؟ یہ ایسا معدنی جزو ہے جس کا ننانوے فیصد حصہ اعضاء ہڈیوں اور دانتوں کے لیے

درکار اجزاء پر ہے۔ متوازن غذا سے قدرتی ذرائع کے مطابق کیلشیم کا بڑا حصہ دستیاب ہوجاتا ہے۔ ڈیری مصنوعات اس معدنی جزو کا بنیادی عنصر ہے۔ تاہم ماہرین غذائیت فل کریم مصنوعات سے پرہیز کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے افراد جو نمک اور حیوانی پروٹین کا استعمال زیادہ کرتے ہیں ان کے جسم میں کیلشیم کم ہوجاتا ہے۔

وٹامن ڈی کا بہترین قدرتی ذریعہ دھوپ ہی ہے۔ عمر کے چالیسویں عشرے تک پہنچتے پہنچتے بیشتر خواتین اوسٹیوپوروسیس میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ اگر صرف دس منٹ تک روزانہ گردن، کہنی، گھٹنے یا ٹخنے پر بالواسطہ طور پر بھی دھوپ لگے تو بھی انہیں وٹامن ڈی کی مخصوص مقدار حاصل ہوجاتی ہے تاہم وٹامن ڈی سے بھرپور غذاؤں کا استعمال کیلشیم کے ساتھ کیا جائے تو دونوں اجزاء کا انجذاب یقینی ہوجاتا ہے۔

ذیل میں WHO کی مختص کردہ یومیہ مقدار کا چارٹ شائع کیا جارہا ہے۔

عمروں کے گروپ اور کیلشیم یومیہ خوراک کا پیمانہ

بالغ افراد مرد.... پچاس برس کی عمر چار سو سے پانچ سو ملی گرام یومیہ، بالغ افراد خواتین.... پچاس برس کی عمر چار سو سے پانچ سو ملی گرام یومیہ، 3-1 برس کے بچے چار سو سے پانچ سو ملی گرام یومیہ، لڑکے 18-11 برس پانچ سو سے سات سو ملی گرام یومیہ، لڑکیاں 18-11 برس پانچ سو سے سات سو ملی گرام یومیہ، ماں بننے والی خواتین 1200-1000 ملی گرام یومیہ۔

اوسٹیو پوروسیس کے مریضوں کے لیے غذائی ہدایات۔

عمر کے کسی حصے میں آپ اس مرض اور اس کے خطرات کو روک سکتے ہیں۔ اس کے لیے روزمرہ کے معمولات میں چند تبدیلیاں لانا ہوں گی۔ مناسب ورزش، ایسی غذا کا استعمال جس میں کیلشیم اور وٹامن ڈی کی مناسب مقدار شامل ہو۔

❖.... بالائی نکالے ہوئے دودھ اور کم چکنائی والے دودھ میں کیلشیم کی مقدار ایک برابر ہوتی ہے۔

❖.... وٹامن ڈی مچھلی کے جگر کے تیل میں بھی پایا جاتا ہے اور گولیوں کی شکل میں لیا جاسکتا ہے۔

نیچے دیے گئے چارٹ کی مدد سے آپ اپنی غذا میں کیلشیم کی مقدار کو مناسب حد تک پورا کرسکتے ہیں۔

غذا اور کیلشیم کی مقدار

سخت پنیر 30 گرام، ایک گلاس دودھ 150 ملی گرام، دہی 125 گرام، نرم پنیر کا حصہ 30 گرام، تازہ پنیر 75 گرام، ہری سبزیاں 150 گرام، آلو 100 گرام، گوشت 150 گرام، مچھلی 120 گرام، بریڈ اسٹک 100 گرام۔

چند اہم نکات یاد رکھیے.... نمک، سرخ گوشت اور کافی کا زیادہ استعمال کیلشیم کی کمی کا باعث بنتا ہے۔

کیلشیم کے غذائی ذرائع

دودھ، بروکلی، سارڈین اور سالمن مچھلی، گری والے میوہ جات۔

اگر آپ ان غذاؤں کو استعمال نہ کرسکیں تو ڈاکٹر کی تجویز پر اضافی کیلشیم بہتر ہے کہ وٹامن ڈی کے ساتھ لیں تاہم اس دوران سگریٹ نوشی اور کافی کا استعمال نقصان دہ ہوگا۔

❄

فائبر

عمدہ صحت کا ذریعہ

فائزہ بیگ

دنیا بھر میں اب تیار غذاؤں فاسٹ فوڈ اور سفید آٹے کا استعمال عام ہو گیا ہے جس کے باعث موٹاپا اور دیگر عارضے شدت اختیار کر رہے ہیں۔ غذائی ماہرین کا کہنا ہے کہ ہر فرد کے لیے روزانہ ریشے (فائبر) کی ایک خاص مقدار ضروری ہے۔

فائبر کا باقاعدہ استعمال ہمیں کئی امرض سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں قبض دور کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ فائبر بڑی عمدگی سے آنتوں کی کارکردگی کو بہتر رکھتے ہیں۔ فائبر اپنے سے کئی گنا زیادہ پانی جذب کر کے بڑی آنت کو گیلے کپڑے کی طرح نم اور گیلا رکھ کر اجابت کو سخت نہیں ہونے دیتے۔ اگر قبض ہو بھی جائے تو دلیہ، بغیر چھنے آٹے کی روٹی، براؤن چاول، پھل، پتے دار سبزیاں کھانے سے قدرتی علاج ممکن ہے۔ کیونکہ فائبر کی وجہ سے فضلہ زیادہ عرصے تک اس آنت میں نہیں رکتا۔ اس کے علاوہ یہ زہریلے مواد اور رطوبت کو سمیٹ کر خارج کر دیتا ہے۔

غذا میں فائبر جتنا زیادہ ہوتا ہے کیلوریز کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے۔ اس سے پیٹ جلدی بھرنے کا احساس ہوتا ہے۔ ہاضمے کے نظام میں رکاوٹ بھی نہیں بنتا، چونکہ غذائی فائبر کو چبانے میں زیادہ وقت لگتا ہے اس وجہ سے کھانا بھی کم کھایا جاتا ہے۔

غذائی فائبر سے خون میں کولیسٹرول کی سطح کم رہتی ہے اس طرح امراض قلب کا خطرہ بھی کم رہتا ہے۔

کولیسٹرول کی سطح پر نوے فیصد سے زیادہ سیلولوس والے فائبر کا کوئی اثر نہیں ہوتا، لیکن پانی میں حل پذیر ریشوں مثلاً پھلوں میں پائے جانے والے ریشے، پیکٹین، پھلیوں میں پائے جانے والے ریشے، جئی اور گاجر کے فائبر سے کولیسٹرول کی سطح میں نمایاں کمی ہوتی ہے۔ اس فائبر کی غذا میں موجودگی سے آنتوں میں کولیسٹرول جذب ہونے کی شرح کم اور اخراج کی شرح بڑھ جاتی ہے۔

ذیابیطس کے مریض جو اپنی غذاؤں میں فائبر شامل کرتے ہیں انہیں انسولین کم مقدار میں لینی پڑتی ہے۔ گویا فائبر کی وجہ سے وہ خون میں شکر کی سطح کم رکھ کر اپنے مرض پر قابو پا سکتے ہیں۔ ایک اہم اور یقینی وجہ یہ بھی ہے کہ جب نشاستے دار اشیاء فائبر کے ساتھ کھائی جاتی ہیں تو ان سے خون کی شکر کی سطح اتنی نہیں بڑھتی جتنی فائبر کے بغیر کھائی جانے والے کاربوہائیڈریٹس (نشاستے دار) سے بڑھتی ہے۔

آنتوں کے فعل کو چست رکھنے کے لیے روزانہ پچیس سے پچاس گرام فائبر کی مقدار مناسب بتائی جاتی ہے۔ تازہ پھل اور کچی و پکی سبزیاں غذا میں شامل رکھ کر فائبر کی ضرورت پوری کی جا سکتی ہے۔ پھل مثلاً سیب، امرود، چیکو بغیر چھلکے کھانے چاہئیں۔

ہمارے ہاں سفید آٹے کے پراٹھوں، چپاتیوں اور تندوری روٹیوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ ان روٹوں میں فائبر کی مقدار نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

❄

پستہ

جسم میں کولیسٹرول کی سطح کو کم کرتا ہے

سردیوں کے موسم میں نمک لگے ہوئے پستے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ اگرچہ اکثر لوگ پستے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کی غرض سے استعمال کرتے ہیں، تاہم ان کی غذائی ودوائی افادیت بھی بہت زیادہ ہے۔

پستے میں وٹامن بی پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ کیلشیم اور پوٹاشیم بھی اچھی خاصی مقدار میں ہوتے ہیں۔ خوش ذائقہ ہونے کے باعث پستے کو مٹھائیوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ طب مشرقی کے مطابق یہ حرارت غریزی پیدا کرتا ہے۔ اعضائے رئیسہ (دل، جگر اور دماغ) اور معدے کے لیے مفید ہے۔ پستہ حافظے اور دماغ کو طاقت دیتا ہے۔ جسم کو فربہ کرتا ہے۔ معدے اور گردوں کو تقویت بخشتا ہے۔ جسمانی قوت کو بڑھاتا ہے۔ جگر کے سدوں کے لیے مفید ہے اور خون کو صاف کرتا ہے۔ کھانسی میں مفید ہے۔ بلغم کو دور کرتا ہے۔

پستے کا استعمال حد اعتدال میں ہی مناسب ہے، وگرنہ خون گرم ہو کر پتی اچھل جاتی ہے، جس میں جسم پر خارش ہو کر ددوڑے پڑجاتے ہیں۔ 100 گرام پستے میں 594 حرارے (کیلوریز) ہوتے ہیں۔

ایک حالیہ تحقیق کے مطابق ماہرین طب و صحت کا کہنا ہے کہ پستہ جسم میں کولیسٹرول کی سطح کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ خون کے تھکے (کلاوٹ) ختم کرتا ہے اور شریانوں کے سکڑنے اور تنگ ہونے کے عمل کو بھی روکتا ہے۔ مٹھی بھر پستے روزانہ کھانے سے امراضِ قلب کے خطرے سے کافی حد تک محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

ماہرین نے ایک گروپ کو روزانہ تقریباً نوے گرام پستے کھلائے۔ ایک ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے مجموعی کولیسٹرول میں 8.4 فیصد کمی واقع ہوگئی، جبکہ مضر صحت کولیسٹرول بھی کم ہوا۔ جن غذاؤں میں پستہ شامل کیا جاتا ہے ان غذاؤں کے استعمال کرنے والوں میں مفید صحت کولیسٹرول کے مقابلے میں مضر صحت کولیسٹرول کی مقدار کم رہتی ہے جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ میوہ انسانی جسم کو امراض سے محفوظ رکھنے میں معاون ہے اور مدافعتی نظام کو مضبوط بناتا ہے۔

پستے میں بہت بڑی مقدار میں مانع تکسید اجزاء پائے جاتے ہیں، جو عام طور پر گہری کی سبز پتوں والی سبزیوں میں سوتے ہیں۔

❋

پانی کو پینے سے پہلے جراثیم اور گرد و غبار سے پاک کر لینا ضروری ہے....

پانی کو صرف دیکھنے سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ پانی بے ضرر ہے کہ نہیں، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بہتا ہوا تمام صاف پانی پینے کے لیے بے خطر ہے۔ یہ بات ہمیشہ درست نہیں ہوتی کہ مرض پیدا کرنے والے جراثیم، تیزی سے بہنے والے پانی میں بھی پائے جاتے ہیں اور ٹھہرے ہوئے پانی کے تالابوں میں بھی۔ پہاڑیوں سے پھوٹنے والے خوبصورت چشموں کا پانی، صاف بے رنگ، نظر آنے کے باوجود پیچش اور میعادی بخار کے جراثیم سے آلودہ ہو سکتا ہے، خصوصاً اگر چشموں والے علاقہ میں لوگوں کی آمدورفت بھی ہے۔

بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں، مثلاً طوفانی بارشوں، زلزلوں یا سمندری طوفان کے دوران جب فراہمی آب کی صاف نالیاں اور نکاسی آب کی گندی نالیاں ٹوٹ کر ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو جائیں اور گندے نالے ابل پڑیں، نتیجتاً صاف پانی کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ آلودہ پانی سے وبائیں پھیلتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں میں شعور

محمد زین حنیف

پیدا ہو کہ پینے کا پاک صاف پانی ان کا حق ہے۔

پینے کے پانی کو صاف کرنے اور انتہائی بے ضرر بنانے کا سب سے آسان مروج طریقہ یہ ہے کہ اس پانی کو اچھی طرح ابالا جائے اور پورے تین سے سات منٹ تک ابلنے دیں، پھر اس کو ڈھک کر ٹھنڈا ہونے دیں، جب تک یہ استعمال میں نہ آئے، اس کو محفوظ رکھیں۔

جب کسی کو پانی ابال کر پینے کا مشورہ دیا جاتا ہے تو بالعموم یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پانی کو ابال کر پینا

پانی میں کلورین کی موجودگی دانتوں کے لیے بہت مفید ہے۔

طویل عمل ہے، مگر یہ بات یاد رکھیں کہ پچاس فیصد بیماریاں آلودہ پانی کے پینے سے ہوتی ہیں۔

فلورین کی اہمیت

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ دانتوں کی مناسب نشوو نما اور صحت کے لیے فلورین عنصر کی ایک قلیل مقدار، جسم کی بافتوں (ٹشوز) میں ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ان علاقوں کے باشندوں کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے، جہاں کی آب رسانی میں کافی قدرتی فلورین موجود ہے اور جہاں بالکل موجودہ نہیں۔ جن آبادیوں میں، فلورین کی کافی مقدار موجود ہے وہاں کے بچوں میں دانتوں کی بوسیدگی کا نام و نشان نہیں ملتا ہے، اس کے برعکس جہاں کی آبادیوں میں فلورین موجود نہیں، وہاں کے بچوں کے دانتوں میں بوسیدگی (کیڑا لگنا) عام ہے۔ یہ بات اب معلوم ہو چکی ہے کہ قدرتی طور پر پانی میں موجود فلورین کا استعمال ضرورت سے زیادہ ہو جائے تو کوئی خاص ضرر نہیں پہنچتا، صرف دانتوں پر نشان پڑ جاتا ہے، جو بدنما معلوم ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ جن علاقوں کے گھریلو استعمال کے پانی میں فلورین کی قدرتی کمی ہے، وہاں فلورین کو پانی میں شامل کردیا جاتا ہے اور یہ مقدار انتہائی قلیل ہے، یعنی پانی کے ایک ملین حصوں میں ایک حصہ فلورین۔

بعض لوگ گھریلو، خصوصاً پینے کے پانی میں فلورین کی شمولیت پر اعتراض کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پینے کے پانی میں فلورین اور اس کے مرکبات کی موجودگی کی وجہ سے زہریلا پن پیدا ہو جائے لیکن یہ خدشہ بے جا ہے کیونکہ پانی میں فلورین کی شمولیت نقصان دہ نہیں ہوتی۔ پینے کے پانی میں فلورین کی شمولیت بالکل اسی طرح ہے، جس طرح بعض علاقوں میں آیوڈین کی غذائی قلت ہوتی ہے، جیسے کہ سمندر سے دور پہاڑی علاقے، وہاں اس کمی کی وجہ سے گردن کی رسولی عام ہے۔ اگر ان علاقوں میں استعمال کیے جانے والے نمک میں آیوڈین شامل کردی جائے، جیسا کہ ہر ترقی یافتہ ملک میں قاعدہ ہے، تو گردن کی رسولی کا سدباب ہو جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں جو مرکبات استعمال ہوتے ہیں۔ وہ انتہائی معمولی اور کم مقدار میں ہوتے ہیں اس مقدار میں زہریلے اثرات پیدا نہیں ہوسکتے۔

گھریلو پانی میں فلورین کی شمولیت کے بارے میں دو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ گھریلو پانی میں فلورین کی، فلورائیڈ کی شکل میں موجودگی (بحساب ایک حصے فلورین فی ایک ملین حصے پانی) سے دانتوں کی بوسیدگی میں تقریباً ستر فیصد کمی ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ گھریلو پانی میں فلورین کی موجودگی سے اس پانی کو پینے والوں کی صحت پر کوئی مضر اثرات رونما نہیں ہوتے۔

❄

ورزش

آپ کو صحت مند رکھتی ہے۔ بیماریوں سے محفوظ اور ڈاکٹر سے دور رکھتی ہے۔

دنیا بھر کے طبی ماہرین صحت مند رہنے اور بیماریوں سے بچنے کے لیے ورزش پر زور دے رہے ہیں۔ ان ماہرین کا کہنا ہے کہ جدید دور میں انسان کو کئی آسانیاں تو ملی ہیں لیکن ان سہولتوں نے انسان کی صحت کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ ورزش نہ صرف موٹاپے سے نجات دلاتی ہے بلکہ عمر کے ہر حصے میں حتیٰ کہ بڑھاپے میں بھی انسان کو صحت مند رکھتی ہے۔ ورزش کئی امکانی بیماریوں سے تحفظ فراہم کرتی ہے اور عمر رسیدگی کے نقصانات کم کرتی ہے۔ باقاعدہ ورزش کرنے والے لوگ عمر کے ہر حصے میں اپنے ہم عمروں سے بہتر زندگی گزارتے ہیں۔

آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ بچے ہر وقت کھیلتے کودتے رہتے ہیں اور کبھی چین سے نہیں بیٹھتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف توانا دکھائی دیتے ہیں بلکہ تندرست بھی رہتے ہیں۔ بڑے ہو کر یہی بچے سست پڑ جاتے ہیں کھیلنے کودنے کی عادت جاتی رہتی ہے اور اس بنا پر اپنی فرحت اور تازگی کھو دیتے ہیں۔ انسان اپنے اوپر بڑھاپا خود طاری کرتا ہے۔ جس طرح کسی مشین کو استعمال کرتے ہیں تو وہ چلتی رہتی ہے لیکن جب بند کر دیں تو اس میں زنگ لگ جاتا ہے۔ اسی طرح جب تک انسان چلتا پھرتا رہتا ہے تندرست رہتا ہے اور جیسے ہی اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑتا ہے تو بوڑھا ہو جاتا ہے۔

ورزش کے لیے رہنمائی ضروری ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اپنے موٹاپے سے نجات چاہتے ہیں یا پھر خود کو جسمانی طور پر قابل رشک بنانا چاہتے ہیں۔

ایک عام صحت مند فرد چہل قدمی، باغبانی، تیراکی یا سائیکلنگ وغیرہ سے خود کو صحت مند رکھ
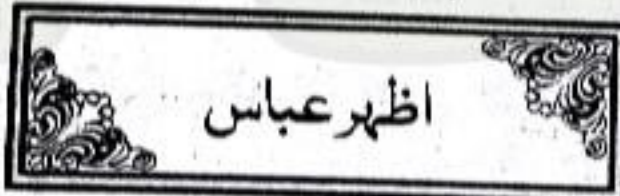
سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ ورزش کو وقتی طور پر نہ اپنایا جائے، چہل قدمی بھی شروع کی جائے تو معالج یا تربیت یافتہ شخص کے مشورے سے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ ادھیڑ عمری میں معالج کے مشورے سے چہل قدمی شروع کرتے ہیں اور ابتداء ہی میں انتہائی فاصلہ طے کر کے نہ صرف خود کو تھکا لیتے ہیں بلکہ پیدل نہ چلنے کی عادت کے باعث اپنے پیروں کو اکڑا لیتے ہیں۔ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ورزش سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔ ورزش ہمیشہ مرحلہ وار شروع کرنی چاہیے۔ اگر معالج نصف گھنٹے روز چہل قدمی کا مشورہ دے تو اس پر عمل ضرور کریں لیکن اس چہل قدمی کو مشقت نہ بنائیے، بلکہ ذہن کو ہلکا پھلکا رکھ کر چہل قدمی سے لطف اندوز

اظہر عباس

ہوں۔ ضروری نہیں کہ آپ پہلے ہی دن نصف گھنٹہ چہل قدمی کریں۔ اگر آپ پندرہ سے بیس منٹ میں تکان محسوس کرنے لگیں تو چہل قدمی کا سلسلہ بند کردیں۔ نئے ورزش کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اپنی ورزش کا وقت بڑھائیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر آپ ورزش کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اپنائیں تو اس سے نہ صرف آپ تندرست و توانا رہیں گے بلکہ کسی قسم کے جسمانی نقصان کا احتمال بھی نہیں رہے گا۔

❖ ....پاؤں کی جانب جھکیں اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر لگائیں۔ پھر سیدھے کھڑے ہوں اور بائیں طرف یہ عمل دہرائیں۔ خیال رہے کہ دونوں گھٹنے نہ مڑیں اور کہنیاں بھی نہ مڑنے پائیں۔ ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو زمین پر لگانے کی کوشش کریں۔

❖ .... عموماً خواتین کو بڑھے ہوئے پیٹ کے بہت سے مسائل درپیش ہوتے ہیں اور وہ اس سے نجات کے لیے طرح طرح کے ٹوٹکے استعمال کرتی رہتی ہیں۔ ایسی خواتین کو چاہیے کہ زمین پر بائیں طرف کی کروٹ پر لیٹ جائیں اور اپنا وزن بائیں کہنی پر ڈال لیں۔ اپنا دایاں گھٹنا پیٹ کے ساتھ لگائیں اور اب بائیں ٹانگ کو اٹھا کر سیدھا کریں۔ جہاں تک ہوسکے اپنا دایاں ہاتھ بھی دائیں ٹانگ کی طرف کھینچیں یہ عمل ایک سائیڈ پر تین مرتبہ دہرائیں پھر دوسری طرف بھی یہی عمل کریں۔

بائیں طرف لیٹ کر اپنا وزن بائیں کہنی پر ڈالیں اور دائیں ٹانگ اور دایاں ہاتھ دونوں اوپر کی طرف اٹھائیں اور کھنچاؤ محسوس کریں پھر دائیں طرف کی کروٹ پر لیٹ کر بائیں ٹانگ اور ہاتھ اوپر اٹھائیں۔

زمین پر بالکل سیدھا لیٹیں۔ پھر کمر کو اٹھا کر دونوں ہاتھوں پر رکھیں اور ٹانگوں کو اندر کی طرف کھینچ کر انگوٹھوں پر توازن قائم کریں۔ زمین سے صرف کہنیوں تک بازو اور پاؤں کی انگلیاں چھونی چاہئیں۔

❖ .... یہ ورزش رانوں اور پیٹ کے لیے نہایت مفید ہے۔ زمین پر سیدھی لیٹیں، کمر کو ہاتھوں پر رکھیں اور اپنا سارا جسم اوپر کو اٹھالیں۔ صرف کندھے زمین کو چھوئیں۔ بائیں ٹانگ کو سیدھا رکھیں اور دائیں ٹانگ کو موڑ کر پیٹ تک لائیں اور پاؤں کا رخ بائیں ٹانگ کے گھٹنے کی طرف رکھیں۔ اسی طرح دوسری ٹانگ کے ساتھ بھی یہی عمل دوہرائیں۔

یہ ورزش کمر، بازو اور رانوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ اگرچہ ذرا سی مشکل ہے لیکن کرتے رہنے سے آپ اس میں طاق ہو جائیں گی۔ دونوں ٹانگیں فاصلے پر رکھ کر زمین پر لیٹ جائیں۔ بایاں بازو سر کے اوپر لے جا کر دائیں طرف کو مڑ جائیں کہ کمر میں کھنچاؤ محسوس ہو۔ پھر دوسرا بازو اوپر لا کر بائیں طرف مڑ جائیں۔

پٹھوں کے لیے نہایت مفید ورزش

یہ ورزش پیٹ کے پٹھوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ اس کے لیے پہلے لیٹ جائیں پھر ہاتھ اور پاؤں دونوں کو کھینچتے ہوئے بیٹھنے کی کوشش کریں۔ پاؤں کے انگوٹھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک ہی رخ کی طرف کھینچیں۔ دو سیکنڈ تک رکیں پھر لیٹ جائیں اب دوبارہ رکیں۔ پہلے بائیں طرف کوشش کریں پھر دائیں طرف....!

اپنی بائیں طرف پر لیٹیں، سر اور کندھوں کو سیدھا رکھیں۔ اپنے جسم کا وزن بائیں ہاتھ پر رکھیں اور ہاتھ کو

بقیہ: صفحہ 175 پر ملاحظہ کیجیے

جسم کے عجائبات
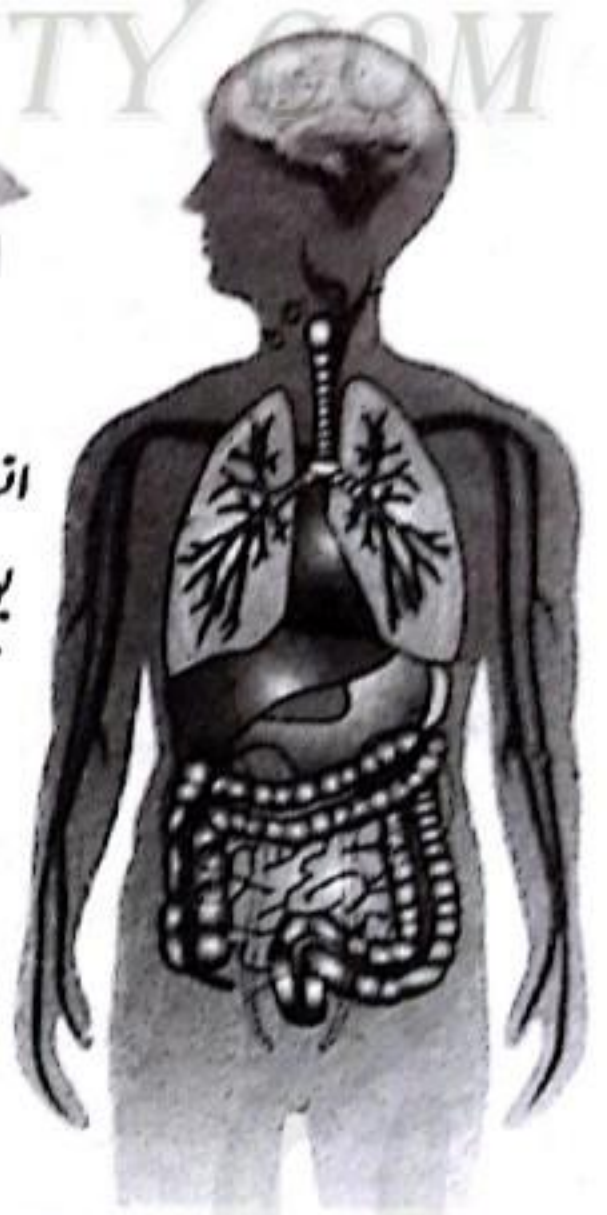
انسانی جسم بظاہر ایک سادہ سی چیز ہے مگر اس کے اندر ایک کائنات چھپی ہوئی ہے۔ یوں تو پورا جسم ایک قدرتی نظام کا پابند ہے مگر ہر عضو کا ایک اپنا باقاعدہ واضح نظام بھی ہے۔ ہر نظام ایک نہایت ہی حیرت انگیز طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔

"جسم کے عجائبات" کے عنوان سے محمد علی سید صاحب کی تحقیقی کتاب سے انسانی جسم کے اعضاء کی کہانی ان کی اپنی زبانی قارئین کی دلچسپی کے لیے ہر ماہ شائع کی جا رہی ہے۔

محمد علی سید

سائنس کے زمانۂ جاہلیت میں مجھے ایک قطعی ناکارہ چیز سمجھا جاتا تھا۔ پھر وقت بدلا اور میں میڈیکل ریسرچ کا سب سے اہم موضوع بن گیا۔ اب سائنس دانوں کا خیال ہے کہ میں الرجی، کینسر، جوڑوں کی بیماری، بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات اور کئی دوسرے امراض کے خاتمے میں ممکنہ طور پر بڑا اہم کردار ادا کر سکتا ہوں۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

جسم کے اس پیچیدہ نظام کو ہر وقت فعال و متحرک رکھنے کے لیے میں (یعنی آپ کا تھائی مس) اس فوج کے مختلف "یونٹوں اور چھاؤنیوں" مثلاً آپ کی تلی (Spleen) لمف نوڈیولز، ہڈیوں کے گودے، ایڈی نوائڈز (Adenoids)، ٹانسلز (Tonsils) ممکنہ طور پر آپ کے اپنڈکس اور آنتوں کے بعض حصوں سے مسلسل رابطے میں رہتا ہوں اور انہیں ضروری مدد فراہم کرتا رہتا ہوں۔

ٹانسلز، لمف نوڈیلز (Lymph Nodule) اور ایڈی نوائڈز (Adenoids) یہ سب آپ کے لمفیٹک نظام (Lymphytic System) کا حصہ ہیں۔ انہیں آپ سادہ زبان میں جسم کی اندرونی چیک پوسٹیں، سرحدی چھاؤنیاں یا پولیس چوکیاں بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ چیک پوسٹیں زیادہ تر آپ کی گردن، دونوں بغلوں اور پیٹ اور ران کے بیچ کے درمیان واقع ہیں۔ انہیں لمف گلینڈز کہا جاتا ہے اور یہ باریک باریک نالیوں کی مدد سے جسم کے دفاعی نظام سے

مربوط رہتے ہیں۔

میری اہمیت کا اندازہ آپ اس طرح بھی لگا سکتے ہیں کہ جب کوئی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس وقت میرا سائز اس کے دل بلکہ اس کے پھیپھڑے سے بھی زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ یہ بچہ جب بیماریوں کے جراثیم سے بھری ہوئی اس دنیا میں آتا ہے تو بیماریوں سے اپنا بچاؤ کرنے میں بالکل بے بس ہوتا ہے۔ یعنی بیماریوں کا لقمہ تر۔ ہاں اس وقت ماں کے خون کے ذریعے اس میں کچھ بیماریوں سے بچاؤ کا انتظام ضرور ہوتا ہے مگر مختصر اور عارضی۔ وراثت میں ملنے والے یہ دفاعی اجزاء بہت جلد ختم ہوجاتے ہیں اسی لیے اگر کوئی بچہ میرے بغیر دنیا میں آجائے تو ایک معمولی سا انفیکشن بھی اس کی زندگی کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ ایسے بچے جو میرے بغیر پیدا ہوں وہ چند ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ پاتے۔

اس کے برعکس جب آپ اس دنیا میں آئے تو میں آپ کے ساتھ تھا۔ ماں کے خون سے آپ کے اندر منتقل ہونے والے دفاعی اجزاء یعنی اینٹی باڈیز کے ختم ہونے سے بہت پہلے میں آپ کے جسم میں ایک بہت بڑی سریع الحرکت فوج تیار کرچکا تھا جو اس مملکت خداداد کا مکمل تحفظ کرنے کے لیے اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے بھرپور طریقے پر لیس تھی۔

آیئے آپ کو بتاؤں کہ یہ "سریع الحرکت فوج" کس طرح تیار ہوئی!

آپ کی ہڈیوں کے گودے میں موجود سفید خلیے جنہیں لمفوسائٹس کہا جاتا ہے اور جو اس وقت آپ کے جسم کے اندر اعلیٰ تربیت یافتہ کمانڈوز کی طرح اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں تو یہ لڑاکا سپاہی ہمیشہ سے ایسے نہیں تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو یہ لڑاکا خلیے تازہ بھرتی ہونے والے رنگروٹوں کی طرح تھے جنہیں ابھی ڈرل کرنے کا بھی تجربہ نہ ہوا ہو۔

ان ناتجربہ کار لڑاکا خلیوں کو جلد از جلد اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل بنا کر انہیں اس مملکت خداداد کی پہلے سے طے شدہ "جیو اسٹریجک" پوزیشنوں اور چھاؤنیوں کے لیے روانہ کرنا میری ہی ذمہ داری تھی۔ آپ کی تلّی اور لمفیٹک سسٹم کے مختلف "یونٹوں" کا شمار انہی فوجی چھاؤنیوں میں ہوتا ہے۔

جیسے ہی آپ اس دنیا میں آئے تو آپ کے دماغ کے حکم پر یہ سفید خلیے ہڈیوں کے گودے سے نکل کر آپ کے دوران خون کے ذریعے سفر کرتے ہوئے مجھ تک پہنچنا شروع ہوگئے اور میں نے انہیں مطلوبہ صلاحیتوں کے لیے تیار کرکے آپ کی تلّی اور لمفیٹک سسٹم کی جانب بھیجنا شروع کردیا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں نے ایک خاص ہارمون بھی پیدا کرنا شروع کردیا تھا۔ اس ہارمون کا کام تلّی اور لمفیٹک سسٹم کو زیادہ متحرک اور فعال بنانا تھا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں آپ کا اپنا ذاتی دفاعی نظام باقاعدہ شکل اختیار کرنے لگا۔ اس دن سے آج کے دن تک اس سارے نظام کو میں اسی خوش اسلوبی سے چلا رہا ہوں۔

جسم کے یہ لڑاکا خلیے یعنی لمفوسائٹس جنہیں میں اور ممکنہ طور پر آپ کی آنت بھی پیدا کرتی ہے، بڑی حیران کن صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ یہ خلیے بیک وقت چالاک جاسوس سفاک قاتل اور جانثار سپاہی ہوتے ہیں۔ لمفوسائٹس نامی یہ خلیے خون میں موجود سفید

خلیوں کی کل تعداد کے چوتھے حصے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ خون میں داخل ہونے والے ہر ممکنہ دشمن کو فوری طور پر شناخت کر لیتے ہیں۔ یہ دشمن فلو کا وائرس بھی ہو سکتا ہے اور انگلی میں چبھنے والا کانٹا بھی۔ لمفوسائٹس دوران خون کے ساتھ پیٹرولنگ کرتے رہتے ہیں اور اس طرح کے دشمن کو دیکھتے ہی خطرے کا الارم بجا دیتے ہیں۔

جسم کا الارمنگ اور کمیونی کیشن سسٹم کیمیکلز کے ذریعے کام کرتا ہے۔ اسے کمپلی مینٹ سسٹم کہا جاتا ہے۔ کمپلی مینٹ سسٹم کے تین درجے ہیں۔ خطرے کی مناسبت سے اس کا صرف ایک درجہ بھی متحرک ہو سکتا ہے اور زیادہ خطرے کی صورت میں دوسرا اور تیسرا درجہ بھی۔ یہ سمجھ لیں کہ بیرونی حملہ ہونے کی صورت میں جسم کا الارمنگ سسٹم خطرے کی شدت کی مناسبت سے تین مختلف طرح کے سائرن بجاتا ہے۔ جسم کی دفاعی فوج کی مختلف پلاٹون، بٹالینز ان سائرنوں کا الگ الگ مطلب جانتی ہیں۔

مثلاً اگر چھری سے انگلی کٹ جاتی ہے اور یہاں معمولی سا انفیکشن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ انفیکشن آپ کے لیے ممکن ہے معمولی ہو لیکن لمفوسائٹس نامی ان خلیوں کے لیے اس طرح کی کوئی چیز معمولی نہیں ہوتی۔ یہ خطرے کا الارم بجانے کے ساتھ ساتھ اینٹی باڈیز کو انتہائی برق رفتاری کے ساتھ حادثے کے مقام پر پہنچانا شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ لمفوسائٹس جو سب سے پہلے "جائے حادثہ" پر پہنچے تھے جسم کے دوسرے علاقوں میں پیٹرولنگ کرنے والے سفید خلیوں کو بھی سگنلز روانہ کرتے ہیں کہ وہ بھی اینٹی باڈیز کو یہاں لانا شروع کریں۔

اینٹی باڈیز جسم کے دشمنوں کے خلاف جسم کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں۔ ہر بیماری کے لیے ایک بالکل الگ اینٹی باڈی ہوتی ہے۔ مثلاً گل سوؤں (Mumps) کے لیے الگ اور کالی کھانسی کے لیے الگ۔ اس طرح ان کی کم و بیش دس لاکھ اقسام آپ کے جسم میں پائی جاتی ہیں۔ زخم کے ذریعے جسم میں داخل ہونے والا بیماری کا جرثومہ، وائرس، بیکٹریا، فنگس، اینٹی باڈیز نامی یہ ہتھیار ہر دشمن کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے بہترین صلاحیتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ یہ اینٹی باڈیز زخم کے ذریعے اندر آنے والے ہر دشمن پر حملہ آور ہو کر اسے سیکنڈوں میں موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

(جاری ہے)

بقیہ: ورزش

منہ کے سامنے رکھیں۔ اب اپنی سیدھی ٹانگ کو جہاں تک جا سکے اوپر لے جائیں اسی طرح دس بارہ مرتبہ کریں۔ یہی عمل دوسری طرف بھی دہرائیں۔

زمین پر الٹا لیٹیں، سر کو اٹھائیں اور دونوں بازوؤں کو آگے کی طرف باندھ لیں۔ اب کندھے سیدھے رکھیں۔ دونوں ٹانگیں اوپر کی طرف اٹھائیں۔ اس کے ساتھ اپنا اگلا جسم بھی تھوڑا سا اوپر اٹھائیں۔ ٹانگوں کو اوپر اٹھا کر اوپر نیچے ہلائیں۔ یہاں تک کہ آپ کچھ دنوں بعد دو مرتبہ بغیر ٹانگیں لگائے انکو ہلا سکیں۔ یہ ورزش کولہوں کے لیے مفید ہے۔ اگرچہ اسے کرنے کے لیے شروع میں آپ کو تھوڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

❄

ترجمہ: "ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے"۔

(سورۃ آلِ عمران: آیت 173)

کیفیاتِ مراقبہ

ترقی یافتہ ممالک میں مراقبے کے موضوع پر سائنسی بنیادوں پر تحقیقی کام شب و روز جاری ہے۔ جدید سائنسی آلات سے اَخذ کیے جانے والے نتائج سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مراقبے سے انسان کو ہمہ جہت فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ ان تحقیقی نتائج کے پیشِ نظر مغرب میں تو مراقبہ کو ایک ٹیکنالوجی کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ ان تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مراقبے سے ہماری عام زندگی پر بھی کئی طرح کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مراقبے کے ذریعے کئی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں سے نجات مل سکتی ہے، کارکردگی اور یادداشت میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔

ماضی میں مشرق کے اہلِ روحانیت نے ماورائی علوم کے حصول میں مراقبے کے ذریعے کامیابیاں حاصل کیں۔

ان صفحات پر ہم مراقبے کے ذریعہ حاصل ہونے والے مفید اثرات مثلاً ذہنی سکون، پرسکون نیند، بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت میں اضافہ وغیرہ کے ساتھ روحانی تربیت کے حوالے سے مراقبے کے فوائد بھی قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ نے مراقبے کے ذریعے اپنی شخصیت اور ذہنی کیفیت میں مثبت تبدیلی محسوس کی ہے تو صفحات کے ایک طرف تحریر کرکے روحانی ڈائجسٹ کے ایڈریس پر اپنے نام اور مکمل پتے کے ساتھ ارسال کردیجیے۔ آپ کی ارسال کردہ کیفیات اس کالم میں شائع ہوسکتی ہیں۔

کیفیات مراقبہ۔

روحانی ڈائجسٹ 1/7, D-1 ناظم آباد۔ کراچی 74600

کسی نے شاید ٹھیک ہی کہا ہے کہ غربت ایک بڑا مرض ہے۔ یہ مرض انسان کی صلاحیتوں کو اور اس کی خودداری کو تباہ کردیتا ہے۔ میری روداد بھی غربت اور بیکسی کے گرد گھومتی ہے۔ میں نے بارہ جماعت تک تعلیم حاصل کی ہے۔

میں نے ایک دور افتادہ دیہی علاقے میں آنکھیں کھولیں، آٹھ سال پہلے کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے میرے پاؤں کے انگوٹھے پر شاید کسی چیز نے کاٹ لیا یا کوئی زہریلا کانٹا چبھ گیا۔ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے مناسب علاج نہ ہوسکا۔ تین ماہ میں چلنے پھرنے سے عاجز آگئی۔ ماں نے اپنے کانوں کی بالیاں بیچ کر بابا کو پیسے دے کر مجھے ڈاکٹر کے پاس بھیجا۔ ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد بتایا کہ دائیں پاؤں کی انگلیوں میں زہر پھیل گیا ہے۔ ڈاکٹر نے پانچوں انگلیاں کاٹ دیں۔ پھر بہت دنوں تک پاؤں پر پٹیاں بندھی رہیں۔ میں اپنے پاؤں کو دیکھ کر بہت روتی مگر کرکچھ نہیں سکتی تھی۔ غربت اور صحیح خوراک اور علاج میسر نہ ہونے کے باعث زخم خراب ہوتا گیا۔ جو پیسہ تھا وہ گاؤں کے حکیم سے علاج کرانے پر خرچ ہوگیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ پھر دم درود کرے والے کو دیکھا۔ اس نے بتایا کہ مجھ پر سایہ ہے۔ کئی روز تک ان کا بھی علاج چلتا رہا مگر فائدہ نہ ہوا۔ یوں دو سال میرے عذاب میں کٹے۔ اس دوران میرے زخموں میں پیپ پڑگئی۔ بابا نے لوگوں سے ادھار لیا اور مجھے شہر کے بڑے اسپتال لے گئے۔ یہاں ڈاکٹروں نے بتایا کہ غلط علاج سے زہر پھیل گیا ہے اور اب پاؤں کاٹنا پڑے گا۔ فوری طور پر پاؤں نہ کاٹا تو باقی جسم میں زہر پھیل سکتا ہے۔ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا مگر امی میرے پاؤں کاٹنے کی خبر سے بہت اداس تھیں وہ مجھے چھوٹی تسلی بھی دے رہی تھیں لیکن آنکھوں نہ رکنے والے آنسو بتارہے تھے کہ بات کچھ اور ہے۔ دوسرے روز میرا پاؤں پیر آپریشن کے ذریعے جسم سے الگ کردیا گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں بہت روئی۔ امی سے کہا کہ اب اس ادھورے جسم کی کیا ضرورہے۔ اگر میں مر رہی تھی تو آپ لوگوں نے مجھے مرنے کیوں نہ دیا۔ بابا نے اور ڈاکٹر صاحب نے بہت سمجھایا۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے اللہ نے تمہیں نئی زندگی عطا کی ہے ان لوگوں کا تصور کرو۔ جن کے ہاتھ بھی نہیں ہوتے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ذہنی طور پر کافی مایوس ہو۔ اگر ہمت کرو تو اب بھی تم وہ تمام چیزیں حاصل کرسکتی ہوں جو دوسرے کرسکتے ہیں۔ میں نے روتے ہوئے کہا ڈاکٹر صاحب یہ اب ممکن نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے۔ بیٹا ہمت کرو اور اپنے اندر اعتماد پیدا کرو۔ اعتماد کامیابی کی کنجی ہے۔ شام کو میں اپنے ایک دوست سے تمہاری ملاقات کراؤں گا۔ وہ لوگوں کے کام آتے ہیں شاید تمہاری بھی کچھ مدد کرسکیں۔ شام کو ڈاکٹر صاحب کے دوست آئے۔ بہت شفقت سے ملے۔ میرا حوصلہ بڑھایا اور یہ بھی یقین دلایا کہ پاؤں کے زخم ٹھیک ہونے کے بعد مجھے مصنوئی پاؤں لگوا دیں گے اور انہوں نے کہا کہ تمہیں اعتماد کی سخت ضرورت ہے اگر تم مختلف مشقوں کے ساتھ مراقبہ کی مشقیں بھی کرو تو جس سے تم چلنے پھرنے کے قابل ہوجاؤں گی۔ تمہاری ذہنی کیفیت بہت جلد بہتر

ہو جائے گی۔ میں نے ان سے کہا میں تھوڑا پڑھی لکھی تو ہوں مگر مراقبہ کے بارے مجھے کچھ نہیں پتا....
کوئی بات نہیں میں آپ کو اس بارے میں تفصیل سے آگاہ کردوں گا۔ پھر انہوں نے مجھے مراقبہ کے بارے میں بتایا۔ میں نے کہا ایک مشق کے ذریعے میری معذوری کس طرح ٹھیک ہو گی۔ وہ بولے اعتماد کی بدولت۔

چند ماہ بعد اور وعدے کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے دوست نے مجھے مصنوعی ٹانگ لگوادی۔ وہ ایک رفاعی ادارے سے منسلک تھے۔ پھر انہوں نے مراقبہ کی مشقیں کرنے کی تاکید کی۔ مصنوعی پیر لگوانے کے بعد میں نے ہمت کرکے ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق مراقبہ کا آغاز کیا۔ مگر ذہنی سکون نہیں ملا۔ کئی روز تک مشق جاری رہی۔ ایک روز ان سے رابطہ کیا تو وہ مسکرائے دیکھو آپ نے اپنی بہتری کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ جلد ہی تم اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جاؤ گی۔

انہوں نے مراقبہ کے بارے میں مزید بتایا اور مراقبہ جاری رکھنے کو کہا۔

ایک روز مراقبہ میں بیٹھی تھی کہ پاؤں میں درد محسوس ہوا درد کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ منہ سے چیخ نکل گئی۔

ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ ایک باغ میں رنگ برنگی پھول کھلے ہوئے ہیں۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ میں نرم نرم سبز گھاس پر چل رہی ہوں۔

ایک روز مراقبہ میں خود کو ساحل سمندر پر پایا۔ صبح کا وقت ہے۔ سورج طلوع ہو رہا ہے پرندے ساحلی پٹی پر دور تک محو پرواز ہیں۔ میں پانی میں بیٹھی سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔

دوران مراقبہ خود کو کھیت میں پایا۔ چاروں طرف گندم کی فصل ہوا میں لہرا رہی ہے۔ برابر کے کھیت میں سورج مکھی کے پھول سورج کی جانب رخ کیے ہوئے ہیں۔ طوطے بڑی تعداد میں کھیت میں نظر آ رہے ہیں۔

ایک روز دیکھا۔ شام کا وقت ہے سخت سردی ہو رہی ہے گھر کے ایک کمرے میں کوئلوں کی انگیٹھی کے چاروں طرف تمام گھر کے افراد بیٹھے ہیں۔

آج صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ بارش کا یہ سلسلہ رات تک جاری رہا میں نے وقت سے کچھ پہلے ہی مراقبہ کا آغاز کر دیا۔ آج مراقبہ میں یکسوئی اور سکون مل رہا تھا۔

دیر تک مراقبہ جاری رکھا۔ مراقبہ کے بعد نیند کافی بہتر آئی۔

تقریباً تین ماہ بعد مراقبہ سے جینے کی آرزو پیدا ہوئی ہے۔ اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔ صحت بہتر ہونے سے مثبت سوچ پروان چڑھنے لگی ہے۔ اب میں گھر میں امی کا کام میں ہاتھ بٹاتی ہوں۔ کوشش کرتی ہوں کہ میرے رویے سے کسی کو یہ احساس نہ ہوں کہ میں معذور ہوں۔

حیرت انگیز طور پر میری ذہنی صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے۔ جب بابا اور اماں مجھے اعتماد سے چلتا پھرتا دیکھتی ہیں تو انہیں بہت خوشی ہوتی ہے۔

توحید و رسالت

پوری نوعِ انسانی میں ایک باہمی ربط اور تعلق ہے اور یہ ربط اور تعلق انسان کو یقین فراہم کرتا ہے کہ انسان مخلوق ہے، مخلوق سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی سرپرست ہے جس نے اسے پیدا کیا اور زندگی گزارنے کے لئے وسائل مہیا کئے۔

علمائے دین اور دنیا کے مفکرین کو چاہیے کہ وہ مل کر خالق اور مخلوق کے تعلق کو صحیح طرزوں میں سمجھنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلبی تعلق استوار کرنے کے لئے جدوجہد کریں، یہی وہ یقینی عمل ہے جس سے نوعِ انسانی کو ایک مرکز پر جمع کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت نوعِ انسانی مستقبل کے خوفناک تصادم کی زد میں ہے۔ دنیا اپنی بقا کی تلاش میں لرز رہی ہے۔ آندھیاں چل رہی ہیں، سمندری طوفان آ رہے ہیں، زمین پر موت رقص کر رہی ہے۔

انسانیت کی بقا کے ذرائع توحید باری تعالیٰ کے سوا کسی اور نظام میں نہیں مل سکتے۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لئے پھلوں کو نکالا، پس تم اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو۔ (سورۃ البقرہ۔21-22)

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟''.....

آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرو حالانکہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہے''۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد اوّل صفحہ نمبر 180)

اللہ تعالیٰ کو یکتا اور وحدہٗ لاشریک ماننا، اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت اور ختمِ نبوت کو زبان اور دل سے قبول کرنا ایک مسلمان کے لئے لازم ہے۔ عقیدۂ توحید و رسالت اور ختم نبوت میں گہرا تعلق ہے اور ان عقائد میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

از طرف: ایک بندۂ خدا

قرآن پاک رشد وہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے جو ابد تک ہر دور اور ہر زمانے میں انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ یہ ایک مکمل دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے۔ قرآنی تعلیمات انسان کی انفرادی زندگی کو بھی صراطِ مستقیم دکھاتی ہیں اور معاشرے کو اجتماعی زندگی کے لیے رہنما اصول سے بھی واقف کراتی ہیں۔

بیع

عربی زبان میں بیع کے لغوی معنی کوئی شے قیمت لے کر دینے، بیچنے، فروخت کرنے کے ہیں، عربی میں اس کی ضد شراءؔ یعنے خریدنے کے ہیں۔ خرید و فروخت کے علاوہ یہ لفظ باہم معاہدہ کرنے، کسی بات کو ماننے تسلیم کرنے اور بیعت کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

دو یا دو سے زیادہ افراد کے آپس میں مالی لین دین کی ایک اہم قسم خرید وفروخت ہے جس کے لیے قرآن میں تجارت اور بیع وشراء کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لغوی لحاظ سے بیع کے معنی "بیچنے" کے ہیں۔ بیچنے والے کو "بائع" اور جو چیز بیچی جائے اس کو "مبیع" کہا جاتا ہے، جبکہ شراء کے معنی خریدنے کے ہیں اور خریدنے والے کو "مشتری" کہا جاتا ہے۔

بیع کا معروف معنی ہے بیچنا ہیں لیکن یہ خریدنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں اشیا کا لین دین اشیا کے بدلے ہی ہوتا تھا یعنی بارٹر سسٹم رائج تھا، اس طریقہ میں ہر شخص گویا فروخت کنندہ بھی ہوتا تھا اور خریدار بھی، اس سے بیع کے لفظ میں دونوں معنی پیدا ہوگئے۔

اسلامی فقہ کے نزدیک لین دین کے وہ تمام معاملات جو کسی معاوضہ کی اساس پر طے پاتے ہیں، بیع کہلاتے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں بیع کے معنی کچھ یوں ہیں: تجارت کی نیت اور غرض سے ایک قابلِ قیمت چیز کا دوسری قابلِ قیمت چیز کے ساتھ، جانبین کی مکمل مرضی کے ساتھ تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ)...."بیع کا معنی ہے قیمت کے

عوض چیز کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔" (فتح الباری)

قرآن مجید میں یہ لفظ بَیع، بِیعٌ، یبیعکم، بایعتم، یبایعتم، یبایعتک، یبایعون، یبایعونک، فبایعهن، تبایعتم کی صورت میں 15 مرتبہ آیا ہے۔

ترجمہ: " مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خریدو) فروخت (اَلْبَيْعَ) ترک کردو۔ اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔[سورۂ جمعہ (62) آیت: 9-10]

اس آیت میں کسب معاش کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے بذاتِ خود تجارت کی ہے۔ اکثر صحابہ کرام نے بھی تجارت کو بطور پیشہ کے اختیار فرمایا ہے۔ اہل ایمان کی تجارتی مصروفیات اور ان کا بیوپار انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرسکے۔ قرآن کریم نے ان کے بارے میں یوں گواہی دی ہے:

ترجمہ: "(یعنی ایسے) لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت (بَيْعٌ)۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔[سورۂ نور (24) آیت:37]

شرعی اصولوں کے مطابق تجارت کے اہم اصول یہ ہیں کہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سودی نظام کو ممنوع قرار دیا ہے....

ترجمہ: " جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت (اَلْبَيْعُ) بھی (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ خرید و فروخت (اَلْبَيْعَ) کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔[سورۂ بقرہ (2) آیت: 275]

خرید و فروخت کے کچھ آداب بھی ہیں جن سب سے اہم ہے لین دین میں گواہ اور لکھنے کی تاکید.... تاکہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور یہ لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنیں۔

ترجمہ: " مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے.............اور جب خرید و فروخت (تَبَايَعْتُمْ) کیا کرو تو بھی گواہ کرلیا کرو اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں) کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔[سورۂ بقرہ (2) آیت: 282]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ بھی حکم دیتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کسب حلال سے کمائیں اس میں سے بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں۔

ترجمہ: " اے ایمان والو.... اللہ کے دیے ہوئے مال سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، اس دن

سے پہلے (زادِ راہ جمع کرلو) جس دن (یعنی روزِ قیامت) نہ کوئی سودا (بَيْعٌ) کام آسکے گا، نہ کوئی دوستی اور سفارش کچھ کام آسکے گی۔ [سورۂ بقرہ (2) آیت: 254]

ترجمہ: "(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں اور اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ سودا (بَيْعٌ) ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی) ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے درپردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔۔ [سورۂ ابراہیم (14) آیت: 31]

لفظ بیعت "بیع" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے اِطاعت کرنا، عہد کرنا اور سودا کرنا، خواہ یہ سودا جان و مال کا ہو یا کسی اور ذمہ داری کا۔

لغوی اعتبار سے بیعت قرارداد معاملہ کے وقت ہاتھ میں دینے کے معنی میں ہے، اس کے بعد اطاعت کے عہد و پیمان کے لیے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر اس کا اطلاق ہونے لگا، اور وہ اس طرح ہوتا تھا کہ جب کوئی کسی سے وفاداری کا اعلان کرنا چاہتا تھا اور اسے رسمی طور پر قبول کرنا اور اس کے فرمان کی اطاعت کرنا چاہتا تھا، تو اس سے بیعت کیا کرتا تھا، بیعت کرنے والا بعض اوقات جان کی حد تک اور کبھی مال و اولاد کی حد تک اس کی اطاعت کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کرتا تھا، اور بیعت لینے والا بھی اس کی حمایت اور اس کے دفاع کو اپنے ذمہ لیتا تھا۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو کسی کے ہاتھ بیچتا ہے تو پہلے اس چیز کی قیمت مقرر کی جاتی۔ اس کے بعد بیچنے والا کہتا ہے کہ میں نے اس قیمت پر اس چیز کو بیچا اور خریدنے والا کہتا کہ میں نے اسے خرید لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا۔ یہ علامت اس بات کی تھی کہ طرفین سے معاہدہ ہوا اور یہ معاہدہ اور وعدہ مکمل ہوگیا اور طرفین سے کوئی وعدہ خلافی نہ کرے گا۔ یہ عام دستور تھا کہ جس وعدہ کو مستحکم کرنا منظور ہوتا تو ہاتھ میں ہاتھ ملا کر وہ وعدہ کیا کرتے تھے۔ اسی ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام "بیعت" ہے۔

ترجمہ: "خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا (بَايَعْتُمْ) تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی۔ [سورۂ توبہ (9) آیت: 111]

ابنِ خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں کہتا ہے: "جب لوگ کسی امیر سے بیعت کرتے تھے تو تاکید کے لیے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے تھے، اور یہ کام بیچنے اور خریدنے والے کے کام کے مشابہ تھا"۔

آغازِ اسلام میں جب قبیلہ اوس اور خزرج حج کے موقع پر مدینہ سے مکّہ آئے تو انہوں نے عقبہ میں پیغمبر اسلام ﷺ بیعت کی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر مسلمانوں سے تجدید بیعت کی، کہ اُن سے ایک موقع حدیبیہ میں "بیعتِ رضوان" کا تھا اور اس سے زیادہ وسیع وہ بیعت تھی جو فتح مکّہ کے بعد انجام پائی۔

ترجمہ: ''جو لوگ تم سے بیعت (یُبَایِعُونَکَ) کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت (یُبَایِعُونَ) کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے'' ۔[سورۂ فتح (48) آیت: 10]

ترجمہ: ''(اے پیغمبر ﷺ) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت (یُبَایِعُونَکَ) کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) انکے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔[سورۂ فتح (48) آیت: 18]

پیغمبر اسلام ﷺ عورتوں کی بیعت کو بھی قبول کرتے تھے، لیکن وہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کے طریقہ سے نہیں ہوتی تھی۔

بیعت کے ضمن میں کسی کام کو انجام دینے یا کچھ کاموں کو ترک کرنے کی شرط بھی ہوتی، جیسا کہ رسول ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عورتوں سے بیعت لیتے وقت شرط کی کہ وہ شرک نہ کریں، اور بے عقلی سے آلودہ نہ ہوں، چوری نہ کریں اور اپنے بچّوں کو قتل نہ کریں وغیرہ۔

ترجمہ: ''اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت (یُبَایِعْنَکَ) کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت (فَبَایِعْهُنَّ) لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو۔ بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔[سورۂ ممتحنہ (60) آیت: 12]

اہل تصوف کے نزدیک بھی بیعت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

''بیع'' کے ایک معنی کلیسا اور گرجا گھر کے بھی ہیں، یہ بیعۃ کی جمع ہے۔ چونکہ گرجا گھروں میں پادری اور رؤساء عیسائی بچوں کو عیسائیت میں داخل کرنے کے لیے ایک طرح کی بیعت کرتے ہیں جسے بپتسمہ کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: ''اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا (یعنی قوموں کی فتح و شکست کا عمل جاری نہ رہے) تو (راہبوں کے خلوت خانے) صومعہ اور (عیسائیوں کے) گرجے (بِیَعٌ) اور یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ویران ہو چکی ہوتیں اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔'' [سورۂ حج (22) آیت: 40]

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات واحادیثِ نبوی آپ کی روحانی اور علمی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔

ان صفحات پر روحانی سائنس سے متعلق آپ کے سوالوں کے جوابات محقق نظریہ رنگ و نور الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی پیش کرتے ہیں۔ اپنے سوالات ایک سطر چھوڑ کر صفحے کے ایک جانب خوشخط تحریر کر کے درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔ برائے مہربانی جوابی لفافہ ارسال نہ کریں کیونکہ روحانی سوالات کے براہِ راست جوابات نہیں دیے جاتے۔ سوال کے ساتھ اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور تحریر کریں۔

روحانی سوال وجواب-1/7,D-1، ناظم آباد۔ کراچی74600

سوال: شک کیا ہے؟.... اسے سالکینِ تصوّف کے لئے زہر کیوں کہا گیا ہے؟

(اریب احمد۔ کراچی)

جواب: ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے۔ کائنات اور ہمارے درمیان جو مخفی رشتہ ہے وہ بھی خیال پر قائم ہے۔

روحانیت میں خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن، ہر لمحہ ہمیں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوش پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہمیں اطلاع ملتی ہے کہ ہم ایک بچہ ہیں۔ پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ یہ دور جوانی کا ہے اور پھر یہی اطلاع بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ زندگی کو لمحہ بہ لمحہ فیڈ کرنے والی اطلاع یا خیالات کے اندر شکست و ریخت کو کم سے کم کیا جائے۔ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قوت ارادی کی کمزوری کی سب سے بڑی وجہ دماغ میں شک کی موجودگی ہے۔ آدمی زندگی کے تمام مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں طے کرتا ہے یعنی ایک سیکنڈ کے بعد دوسرا سیکنڈ ایک منٹ کے بعد دوسرا منٹ وغیرہ۔

وسوسوں اور شک کی بنا وہم اور یقین پر ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جن کو آدمی دشواری، مشکل، پریشانی، بیماری، بیزاری، بے عملی، بے چینی وغیرہ وغیرہ کہتا ہے۔ دوسری طرف وہ ایک چیز کا نام رکھتا ہے.... سکون.... یہی وہ سکون ہے جس میں وہ ہر قسم کی آسانیاں تلاش کرتا ہے۔

آدمی کے دماغ کا محور وہم اور شک پر ہے۔ یہی وہ وہم اور شک ہے جو اس کے دماغ کے خلیوں میں ہر وقت عمل کرتا رہتا ہے۔ جس قدر اس شک کی زیادتی ہو گی اسی قدر دماغی خلیوں میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہو گی۔ یہی وہ دماغی خلئے ہیں جن کے زیر اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں اور اعصاب کی تحریکات ہی زندگی ہیں۔

آدمی ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اور ان کی جگہ مفروضہ خوبیاں بیان کرتا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کی زندگی گزارنے میں اسے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایسی مشکلات جن کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ اب قدم قدم پر اسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عمل تلف ہو جائے گا اور بے نتیجہ ثابت ہو گا۔ بعض اوقات یہ شک یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی تلف ہو رہی ہے۔

یہ محض اتفاقیہ امر ہے کہ دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو۔ جس کی وجہ سے یہ شک سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن جس قدر شک اور بے یقینی دماغ میں کم ہو گی اسی مناسبت سے آدمی کی زندگی کامیاب گزرے گی اور جس مناسبت سے بے یقینی اور شک زیادہ ہو گا۔ زندگی ناکامیوں میں بسر ہو گی۔

روشنیاں ہی آدمی کی زندگی ہیں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ روشنیوں کے عمل سے ناواقفیت اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے منحرف کرتی ہے۔ جہاں تک انحراف واقع ہوتا ہے وہاں تک شک اور وہم بڑھتا ہے اور ایمان اور یقین ٹوٹ جاتا ہے۔

یاد رکھئے روحانیت اور دیگر تمام مخفی علوم میں یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ہر ارادے اور عمل کے ساتھ یقین کی روشنیاں بھی کام کرتی ہیں۔۔۔ روحانیت میں یقین کی تعریف یہ ہے:

"یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو۔"

ارادہ یا یقین کی کمزوری دراصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔ جب تک خیالات میں تذبذب رہے گا یقین میں کبھی بھی پختگی نہیں آئے گی۔ مظاہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں۔ کیونکہ کوئی خیال یقین کی روشنیاں حاصل کر کے ہی مظہر بنتا ہے۔

قرآن میں ہے:

"لاریب ہے یہ کتاب اور اس کو ہدایت دیتی ہے جس کا یقین غیب پر ہے۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں کہی ہیں۔

"لاریب" کہہ کر "ریب" یعنی شک کی نفی کر دی۔ اب صرف غیب باقی رہ گیا جس کو یقین کا درجہ حاصل ہے....

ماہرین روحانیت نے جو اسباق سالکوں کے لئے مرتب کئے ہیں ان سب کا منشاء دراصل یقین کو پختہ کرنا ہے۔ مسلسل ارتکاز توجہ اور مشق سے کسی ایک نقطہ پر خیالات کی روشنیاں اس حد تک مرکوز رہیں کہ شک اور بے یقینی یقین کی روشنیوں کا درجہ حاصل کرلیں تو خیال اور ارادہ کے تحت اس کا مظہر بننا ضروری ہو جاتا ہے۔
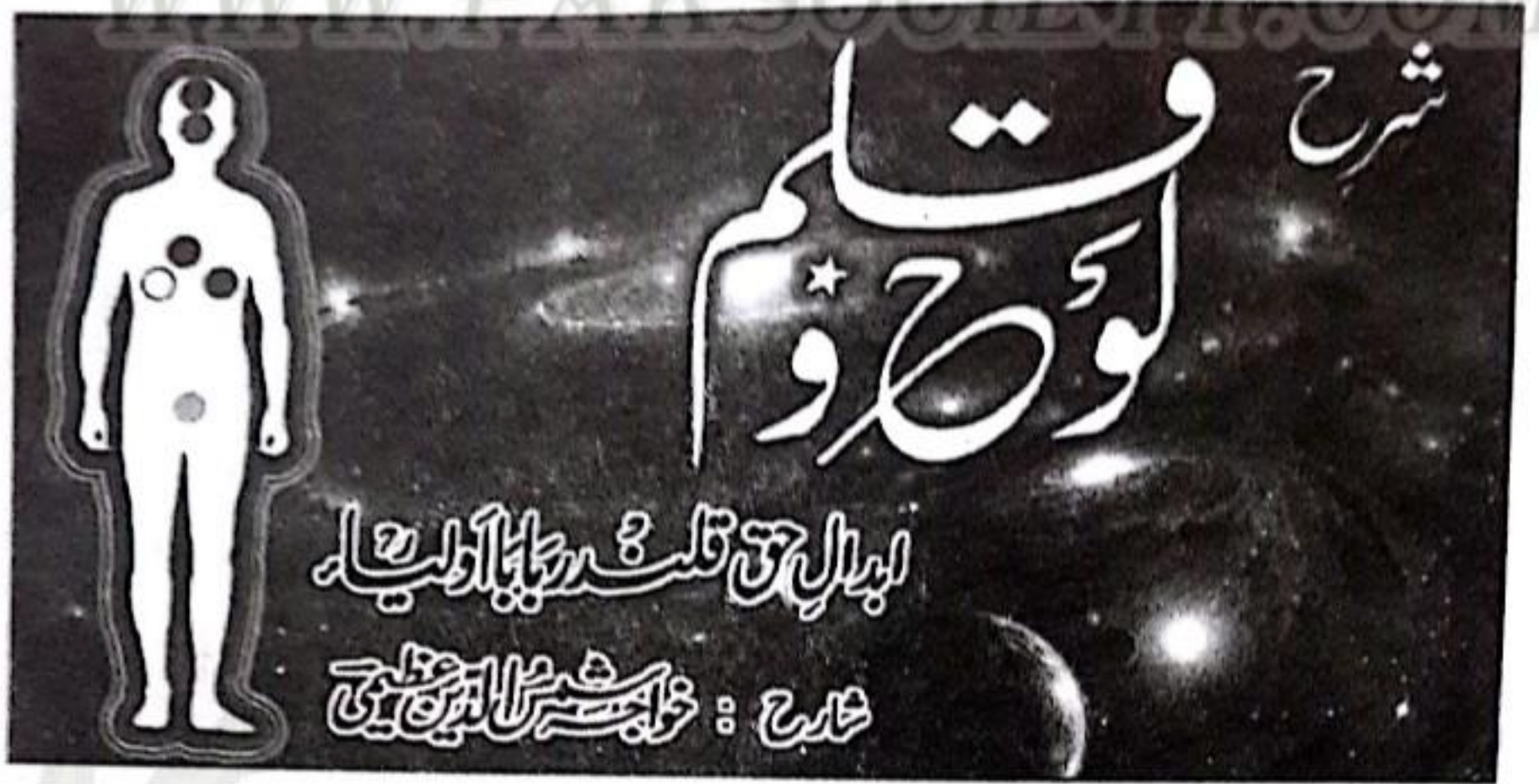
لیکچر 40

انسان روحانیت کہاں سے سیکھے....؟

حضور قلندر بابا اولیاء کی تصنیف کتاب لوح و قلم نوع انسان کے لیے ماورائی علوم کا ورثہ ہے۔ اس روحانی ورثہ سے استفادہ کر کے نوع انسانی اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصورات سے آگاہ کیا ہے۔ جتنے بھی اعمال و حرکات ہیں اس میں نوع انسانی اور تمام نوعیں مشترک ہیں۔ لیکن ان اعمال میں اچھائی اور برائی کا تصور صرف نوع انسانی کو منتقل ہوا۔ زندگی کے جتنے تقاضے ہیں، جتنے جذبات واحساسات زندگی بنتے ہیں وہ دوسری نوعوں میں بھی ہیں۔ انسان اور دوسری نوعوں میں یہ فرق ہے کہ انسان کے پاس علم (Knowledge) دوسری نوعوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ انسان اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ زندگی اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اطلاع بذات خود نہ بری ہے نہ اچھی ہے۔ اطلاع میں معانی پہنانا اچھائی یا برائی ہے۔

ایک آدمی محنت مزدوری کر کے حلال ذرائع سے غذائی ضروریات پورا کرتا ہے۔ دوسرا آدمی چار سو بیسی کر کے غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔ محنت مزدوری

کتاب لوح وقلم روحانی سائنس پر وہ منفرد کتاب ہے جس کے اندر کائناتی نظام اور تخلیق کے فارمولے بیان کیے گئے ہیں۔ ان فارمولوں کو سمجھانے کے لیے سلسلہ عظیمیہ کے سربراہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے روحانی طلباء اور طالبات کے لیے باقاعدہ لیکچرز کا سلسلہ شروع کیا جو تقریباً ساڑھے تین سال تک متواتر جاری رہا۔ یہ لیکچرز بعد میں کتابی صورت میں شایع کیے گئے۔ ان لیکچرز کو روحانی ڈائجسٹ کے صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے تاکہ روحانی علوم سے دلچسپی رکھنے والے تمام قارئین حضرات وخواتین ان کے ذریعے آگاہی حاصل کرسکیں۔

میں وقت لگانا پڑتا ہے اور دماغی صلاحیتیں استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ چوری کے لیے بھی وقت لگتا ہے اور محنت کرنا پڑتی ہے۔ دونوں اعمال کا صلہ یہ ہے کہ روٹی کھانے کے بعد جسم میں انرجی پیدا ہوتی ہے خون بنتا ہے اور خون کی ترسیل سے زندگی کا چراغ جلتا ہے۔ اگر تصورات میں برائی کے معانی پہنائے گئے ہیں تو ضمیر ملامت کرتا ہے اور اگر اطلاع میں اچھائی کے معانی پہنائے گئے ہیں تو ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔

نوع انسانی کے علاوہ دوسری کوئی مخلوق ضمیر سے واقف نہیں ہے۔ دوسری مخلوق نہیں جانتی کہ ضمیر کا مطمئن ہونا یا ضمیر کا ملامت کرنا کیا معانی رکھتا ہے۔ جب انسان اطلاعات میں معانی پہنا کر اپنی زندگی کا محاسبہ کرتا ہے تو یہ محاسبہ اسے مطمئن کردیتا ہے یا بے چین کردیتا ہے۔ اطمینان آدم زاد کو روح سے قریب کرتا ہے۔ بے چینی اور ضمیر کی ملامت آدم زاد کو روح سے دور کردیتی ہے۔ جب انسان اطمینان قلب کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو کسی نہ کسی مرحلے میں اسے اپنی روح کا سراغ مل جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ زندگی کا دارومدار اطلاع پر ہے اور اطلاع کا تعلق روح سے ہے۔ جب تک روح اطلاعات فراہم کرتی رہتی ہے۔ زندگی زندگی رہتی ہے اور جب روح اطلاعات کا سلسلہ منقطع کردیتی ہے تو زندگی موت میں بدل جاتی ہے۔ روح کی قربت کے بعد آدم زاد کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ روح کیا ہے....؟

انسان سمجھنا چاہتا ہے کہ میں کیا ہوں کائنات اور خالق کائنات سے میرا کیا رشتہ ہے۔ اس کے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ خالق اور مخلوق کے رشتہ کی تلاش میں جدوجہد کرنا روحانیت ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی کتاب لوح و قلم کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

کائنات میں انسان واحد مخلوق ہے جو علمی اور ذہنی طور پر خالق کائنات اللہ کا تعارف حاصل کرسکتی ہے۔ نوع انسانی کائنات میں وہ مخلوق ہے جو کائناتی امور میں کارکن کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایڈمنسٹریشن کے ذریعے کائناتی نظام کو متحرک کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں صرف نوع انسان کو یہ نعمت عطا کی ہے کہ کائنات اور کائنات کی تخلیق سے متعلق فارمولوں کا علم انسان کو منتقل کردیا۔ جب کوئی بندہ اللہ کی نیابت اور انتظامی امور کے میکانزم کو سمجھ لیتا ہے تو کائنات پر بفضل ربی اس کی حکمرانی قائم ہوجاتی ہے۔ کائنات سے مراد جمادات، نباتات، حیوانات، فرشتے اور دوسری مخلوقات ہیں۔ کتاب ”لوح و قلم“ ہمیں راستہ دکھاتی ہے کہ ہم بحیثیت انسان اللہ کی ایسی مخلوق ہیں کہ اگر ہم اللہ کے دیے ہوئے وصف کو جو روح کے رشتہ سے ہمارا ورثہ ہے تلاش کرلیں تو کائنات میں ایک ممتاز رکن بن جائیں گے۔

لوح و قلم کا طالب علم اور لوح و قلم کا سمجھنے والا بندہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوجاتا ہے کہ یہ کائنات ادراک کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ادراک اطلاع ہے۔ اس اطلاع یا روشنی کا تعلق براہ راست اللہ سے ہے۔ سننا دیکھنا محسوس کرنا چھونا سب اس وقت تک ہے جب تک انسان کے اندر روح ہے۔ روح آپ کو اطلاعات منتقل کرتی رہتی ہے اور جب روح دیکھنے، سننے، چھونے اور محسوس کرنے کی اطلاعات فراہم نہیں کرتی تو ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ محسوس کرسکتے ہیں۔

❁

لفظ "تصوف" سے ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔
تصوف ایک علم ہے۔اس علم کی تشریحات وقت کے ساتھ ساتھ مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں کیں۔
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف دنیا بیزاری کا نام ہے۔
جب انسان کو کوئی کام نہ ہو اور اس کے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کی سکت نہ ہو تو ایک طرف کونے میں بیٹھ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے یا جنگل میں جھونپڑی ڈال لیتا ہے، روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتا ہے اور کاہل الوجود بن جاتا ہے۔
عیسائی تصوف، یہودی تصوف، ہندو تصوف۔ اتنی زیادہ اس کی Branches کھول دی گئی ہیں کہ تصوف کا لفظ معمہ بن گیا ہے۔
اگر ہم کیمسٹری پڑھیں تو کیمسٹری کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہندو کیمسٹری ہے، یہودی کیمسٹری یا عیسائی کیمسٹری ہے۔ اسی طرح ڈاکٹری ہندو نہیں ہوتی، ڈاکٹری یہودی یا عیسائی نہیں ہوتی ہے۔
میڈیکل سائنس جو بھی پڑھے گا ڈاکٹر بن جائے گا۔ انجینئرنگ کے علوم پڑھ کر آدمی انجینئر بن جاتا ہے۔ کوئی سائنس پڑھے گا تو سائنٹسٹ بن جائے گا۔

اس طرح کوئی صاحب ایمان آدمی تصوف پڑھتا ہے تو صوفی بن جاتا ہے۔
عزیز دوستو!
تصوف ایک علم ہے اور اس کے بہت سارے شعبے ہیں۔ ان شعبوں کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تصوف کا مطلب ہے "تزکیۂ نفس"۔ تزکیۂ نفس سے مراد ہے اپنے نفس کی اصلاح اس طرح کی جائے کہ شریعت کے مطابق آدمی عزت و توقیر کے ساتھ زندگی گزارے۔
تصوف ایسا علم ہے جس کو سیکھنے کے بعد انسان اپنی باطنی زندگی سے واقف ہو جاتا ہے۔
ہر انسان کی زندگی دو رخوں پر چل رہی ہے۔ آپ بیداری کی حالت میں باشعور ہیں، چل پھر رہے ہیں، کھا

تصوف ایک علم ہے اور اس کے بہت سارے شعبے ہیں۔

روح کہاں ہے....؟ میرے اور آپ کے اندر ہے۔ ہم جب تک اس روح کو تلاش نہیں کریں گے.... اپنے اندر نہیں جھانکیں گے۔

تصوف ایسا علم ہے جس کو سیکھنے کے بعد انسان اپنی باطنی زندگی سے واقف ہو جاتا ہے۔

رہے ہیں، علم سیکھ رہے ہیں۔ جتنی شعوری استعداد ہے اس کے مطابق آپ علم سیکھ رہے ہیں۔ زندگی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بیداری کی زندگی کلیتاً خود مختار زندگی نہیں ہے۔ زندگی روح کے تابع ہے۔ جب تک گوشت پوست کے جسم کو روح سنبھالے رہتی ہے۔ گوشت پوست کا جسم چلتا پھرتا رہتا ہے اور جب روح اس جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو گوشت پوست کا جسم بے کار اور مردہ ہو جاتا ہے۔

انسان چل پھر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر روح ہے۔ اگر انسان کے اندر روح نہیں ہوگی تو انسان چل پھر نہیں سکتا۔ روح کا رشتہ ٹوٹ جانے سے تمام صلاحیتیں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔

جب بھی کوئی نیا علم انسان سیکھتا ہے تو اس کے شعور پر الگ سے وزن پڑتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا تو آدمی کہتا ہے یہ کیا بات ہوئی۔ لیکن اگر اس کو بار بار دہرایا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

نفسیاتی حوالہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر انسان شعور اور لاشعور میں زندہ ہے۔ شعور جب نہیں رہتا تو آدمی نہیں رہتا۔

آپ ایم۔اے کے طالب علم ہیں آپ کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ جب شعور ہی سب کچھ ہے تو لاشعور کی کیا حیثیت ہے؟ اور ہم لاشعور سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟ اس کے لئے قدرت نے انتظام کیا ہوا ہے۔ ہر آدمی جو اس دنیا میں موجود ہے وہ سوئے گا بھی اور جاگے گا بھی۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ آدمی ساری زندگی جاگتا رہے اور ایسا بھی ممکن نہیں کہ آدمی ساری زندگی سوتا رہے۔ اگر آپ زیادہ دیر جاگیں گے، نیند پوری نہیں ہوگی۔ بیمار ہو جائیں گے۔ نفسیاتی مریض بن جائیں گے۔ نیند کی گولیاں کھانی پڑیں گی۔ ساری زندگی کوئی آدمی سو نہیں سکتا اور ساری زندگی جاگ نہیں سکتا۔ اللہ نے رات کس لئے بنائی ہے؟ اس لئے کہ ہم سوئیں، آرام کریں۔ دن اس لئے بنایا ہے کہ ہم کام کریں۔ جب ہم سوتے ہیں، ذرا غور سے سننے کی بات ہے۔ جب ہم سوتے ہیں تو کیا ہمارے ہاتھ پیر کام کرتے ہیں؟ کیا ہم سوتے ہوئے کھانا کھاتے ہیں؟ یا سوتے ہوئے کوئی وزن اٹھاتے ہیں؟ آپ کا جواب ہوگا.... نہیں۔

لیکن اس "نہیں" کے پیچھے ایک اور سوال ہے کہ ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟

ہر آدمی خواب کیوں دیکھتا ہے؟ خواب ہر آدمی دیکھتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ خواب کسی کو یاد رہتے ہیں اور کسی کو یاد نہیں رہتے۔

تصوف لاشعوری دنیا کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ لاشعور میں غیب کی دنیا سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے: "جس نے اپنی نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

روح کہاں ہے؟.... میرے اور آپ کے اندر ہے۔ ہم جب تک اس روح کو تلاش نہیں کریں گے.... اپنے اندر نہیں جھانکیں گے۔ خالصتاً اللہ کی عبادت نہیں کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرز فکر کے مطابق زندگی نہیں گزاریں گے۔ ہم روح سے واقف نہیں ہو سکیں گے۔

❄

جنوری 1990ء کے شمارے کا سرورق

اس ماہ کے مضامین میں سوچ، حضرت قلندر بابا اولیاءؒ، ایک روشن نام، تشریح، رباعیات قلندر بابا اولیاءؒ، گنجینہ علم عرفان اور گوالا زندہ ہو گیا۔ مکتوب حضرت قلندر بابا اولیاءؒ، حضرت ابراہیمؑ، ذہنی سکون کا مرکز، بنتِ رسولؐ حضرت رقیہؓ، خاتونِ اول، مجرم، سائنس اور یونانی فلسفہ، صدر مملکت کا ایمان افروز خطاب، محفل میلاد النبیؐ جبکہ سلسلہ وار مضامین میں نور الٰہی نورِ نبوت، آواز دوست، صاحب خلق عظیم، گیارہ ہزار فریکوئنسی، پیراسائیکالوجی، پراسرار آدمی، اللہ رکھی، محفل مراقبہ اور آپ کے مسائل شامل تھے۔ اس شمارے سے منتخب کردہ تحریر ''سوچ'' قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے دی جارہی ہے۔

سوچ

خواجہ شمس الدین عظیمی

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ انفرادیت سے آزاد ہو جاؤ۔

انفرادیت سے آزاد ہو کر اپنے ذہن کو اجتماعی بنالو۔

جب آپ اجتماعی ذہن بنالیں گے تو چونکہ آپ کا ذہن لامحدود دائرے میں داخل ہو گیا ہے اب کوئی آدمی برا کہے گا تو آپ کو برا نہیں لگے گا۔ اس لئے کہ برا محسوس کرنا انفرادی سوچ ہے۔ آپ کی کوئی آدمی تعریف کرتا ہے، آپ خوشی سے پاگل یا دیوانے نہیں ہو جائیں گے یا تکبر نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہ انفرادی سوچ ہے جو خوشامد کو پسند کرتی ہے۔ اجتماعی سوچ میں خوشامد نہیں ہے۔ جب تک آپ کے اندر اخلاص پیدا نہیں ہو گا آپ اجتماعیت میں داخل نہیں ہو سکتے اور اخلاص جب پیدا ہو گیا تو کوئی برا کہے کوئی اچھا، اس کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔

میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک اخبار میں، میں کالم لکھا کرتا تھا۔ وہاں ایک جنرل منیجر صاحب تھے۔ تنخواہ کا مسئلہ تھا مجھے اس زمانہ میں دو سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ میں نے کہا میری تنخواہ بڑھاؤ یہ بہت کم تنخواہ ہے۔ قصہ مختصر ایک دفعہ ان کے یہاں ڈائریکٹران (Directors) کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ میں اس کمرے میں چلا گیا۔ غصے میں بغیر اجازت کے اور میں نے کہا۔ میرا فیصلہ ہو جائے، اگر کالم لکھوانا ہے آپ کو لکھوائیں، میری تنخواہ بڑھائیں۔ دو سو

روپے میں گزارا نہیں ہوتا۔

یہ بات غصے میں ہو گئی جو نہیں ہونی چاہئے تھی۔

اس پر جنرل منیجر نے سخت سست کہا۔ میں نے بھی انہیں سخت سست کہا۔ انہوں نے کہا میں آپ کا کالم ختم کر دوں گا۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی کرسی چھین لوں گا.... اور میں آپے سے باہر ہو گیا۔

دل میں یہ تھا کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے جا کر عرض کروں گا وہ ایسا کر دیں گے۔ میں اخبار سے نکلا اور سیدھا حیدری (جگہ کا نام) پہنچا۔ غصے کے مارے بُرا حال تھا۔ حضور قلندر باباؒ نے کہا۔ کیا بات ہے بیٹھیں۔ پانی پلوایا۔ ابھی میں کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ خواجہ صاحب....! بات یہ ہے کہ آپ نے جو حرکت کی ہے بہت غلط ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

میں نے صفائی پیش کی کہ فلاں صاحب نے یوں کہا۔

انہوں نے کہا کہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ یہاں زمین پر ہو رہا ہے یا کائنات میں ہو رہا ہے۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے یا کسی بندے کے حکم سے ہو رہا ہے....؟

میں نے کہا کہ اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ کہنے لگے اللہ نے آپ کو جنرل منیجر کی کرسی پر کیوں نہیں بٹھا دیا۔ آپ کو کالم نویس کیوں بنایا۔ آپ کون ہوتے ہیں غصہ کرنے والے۔ اگر آپ میں صلاحیت ہوتی تو آپ جنرل منیجر ہوتے۔ یہ کون سا طریقہ ہے....؟ وہ بہت زیادہ ناراض ہو گئے۔

میں نے سوچا کہ بات ہی الٹی ہو گئی واقعی غلطی میری تھی۔ بات سیدھی تھی کہ جب اللہ ہی سب کچھ کر رہا ہے تو مجھے جنرل منیجر کیوں نہیں بنایا۔ مجھے اللہ نے جنرل منیجر کے ماتحت کیوں کیا۔ میں دو دن تک دفتر نہیں گیا۔ شرمندگی کی وجہ سے کہ غلطی میری تھی۔ دو دن کے بعد پھر گیا تو جنرل منیجر نے مجھے دیکھا۔ میں شرم کے مارے آنکھ نہیں اٹھا سکا کیونکہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے میری طرف بڑھے اور ہاتھ پکڑ کر مجھے کمرے میں لے گئے اور کنڈی لگا دی۔ انہوں نے کہا کہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ اس روز آپ نے کیا آپ کی غلطی تھی لیکن بعد میں، میں نے محسوس کیا کہ غلطی میری بھی تھی۔ میں ڈائریکٹران کی میٹنگ میں کہہ دیتا کہ ان کا کیس ہے نظر ثانی کرو۔ اگر وہ بڑھاتے پیسے بڑھ جاتے نہ بڑھاتے نہ بڑھتے۔ میرا کیا حرج تھا۔ بھئی میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ جناب! میں اپنے پیر و مرشد کے پاس گیا تھا۔ مجھے الٹی بہت ڈانٹ پڑی ہے۔ جناب میں بہت شرمندہ ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔

گلے ملے اور بات صاف ہو گئی۔ مجھے انہوں نے ناشتہ پر بلایا، میں نے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگے اس کا مطلب ہے کہ آپ کا دل صاف نہیں ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔ ناشتہ کیا، ناشتہ کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا۔ سنائیں۔

انہوں نے بتایا کہ جس دن یہ واقعہ ہوا رات کو مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ پھر سوچا کہ میں نے غلطی نہیں کی۔ غلطی خواجہ صاحب کی ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں سو گیا۔ رات کو ڈھائی بجے کے قریب کروٹ جو لی تو ہاتھ سن ہو گیا۔ میں نے کہا اب کیا ہو گا۔ میں نے بیوی کو آواز دی کہ میرا ہاتھ فالج زدہ ہو گیا۔ بہت مالش کی۔ میں رونے لگا، بچوں کا کیا ہو گا۔ روتے

روتے آپ کا خیال آیا۔ ذہن میں یہ بات آئی کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

بیوی سے کہا نفل پڑھ کر دعا استغفار کرو۔ پھر آ کر بیوی نے سکائی کی تو ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔

حضور قلندر بابا فرماتے ہیں کہ فقیر کی عجیب شان ہے۔ میں نے کہا کیا شان ہے؟ فرمایا۔ لوگ بے وقوف بناتے ہیں، آخر تک بنتا رہتا ہے۔ فقیر یہ سمجھتا ہے کہ مجھے بیوقوف بنا کر یہ خوش ہو رہا ہے تو چلو اسے خوش ہونے دو، بیوقوف بنتا چلا جاتا ہے تاوقتیکہ وہ بندہ خود ہی بھاگ جائے، اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ حضور ﷺ نے اس بات کو اس طرح فرمایا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ دیکھتا تو وہ عام انسانوں کی طرح ہے لیکن اس کے دیکھنے میں اور عام انسانوں کے دیکھنے میں فرق ہے۔ عام انسان کی آنکھوں پر شعور کا چشمہ لگا ہوا ہے۔ محدود شعور کا چشمہ اور مومن کی آنکھ پر اللہ کے نور کا چشمہ لگا ہوا ہے لیکن وہ اللہ کے نور سے جو کچھ دیکھتا ہے اس پر اتراتا نہیں ہے اور نہ اس کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بھی فرمایا جو آدمی تمہاری تعریف کر رہا ہے وہ اس لئے تمہاری تعریف کر رہا ہے یا تو اسے تمہاری ذات سے کوئی توقع ہے کہ اس کا کوئی کام ہو جائے گا یا اس کا کوئی کام ہو گیا ہے۔ اس نے ایک توقع قائم کر لی کہ مجھے اس آدمی سے کسی بھی وقت ایک ہزار روپے مل جائیں گے چونکہ اس نے توقع قائم کی ہوئی ہے۔ اس بنیاد پر وہ اس کی خوشامد بھی کرے گا۔ اگر اس کی توقع پوری نہیں ہوتی تو وہی آدمی جو آپ کی تعریف کر رہا ہے، برائی کرے گا۔ کسی آدمی کا اچھا سمجھنا یا برا کہنا دونوں زائد باتیں ہیں۔ آپ اس کی خدمت میں لگے رہیئے۔ وہ آپ کو اچھا کہتا رہے گا۔ آپ اس کی خدمت سے انکار کر دیجئے وہ آپ کو برا کہے گا۔ اگر آپ اس کی تعریف اور برائی سے بے نیاز ہو جائیں تو آپ کے پاس آنا جانا چھوڑ دے گا۔

حضور قلندر بابا فرماتے ہیں کہ کسی کی تعریف سے کیا خوش ہونا اور کسی کی برائی سے کیا دل برا کرنا۔

ایک اور واقعہ سنیئے۔ ایک صاحب سے منہ زوری ہو گئی لڑائی ہو گئی۔ میں حضور قلندر بابا کے پاس گیا حضور فلاں صاحب سے لڑائی ہو گئی۔ اس نے مجھے یوں کہا، یوں کہا۔ قلندر بابا نے کہا۔

ٹھیک ہے.... آپ یہاں بیٹھیں۔ اس نے آپ کو برا کہا۔ جس وقت اس نے آپ کو گالی دی اس وقت آپ کا وزن کتنا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک من بیس سیر تھا۔ گالی دینے کے بعد وزن تلوایا تھا کیا ایک سیر کم ہو گیا۔ میں نے کہا، جی نہیں۔ انہوں نے کہا خواہ مخواہ ہی تھک رہے ہو۔

بعد میں فرمایا، غور کریں کہ جس وقت اس نے گالی دی اس وقت تو آپ کا وزن کم نہیں ہوا۔ وہ گالی دے کر بھول بھی گیا اب آپ کے اندر جتنی دیر تک انتقامی جذبہ عود کرتا رہے گا آپ کا وزن کم ہوتا رہے گا۔ وزن گالی سے نہیں گھٹا۔ وزن انتقام کے جذبے سے کم ہوا، تکلیف بھی ہوئی اور وزن بھی گھٹا اور وہ آرام سے سو رہا ہے۔

فرمایا کوئی اچھا کہے یا برا کہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ عبوری چیزیں ہیں۔ انہیں کبھی خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔ بس اپنی طرف سے جس کے ساتھ اچھائی ہو سکے کرو۔ جو کچھ آپ کر سکتے ہیں کر دیں۔

MIND DELTA
6انچ اور 12انچ اونچائی کے گتے سے تیار شدہ اہرام دستیاب ہیں۔
اس کے علاوہ ہر سائز میں اہرام آرڈر پر مِل سکتے ہیں۔
مزید معلومات اور آرڈر کے لیے
MIND DELTA
HAJI MEHARBAN ROAD,
OPP: DCO HOUSE,
JEHLUM. 49600
TEL: 0544-624091
0321-5448008
روحانی ڈائجسٹ
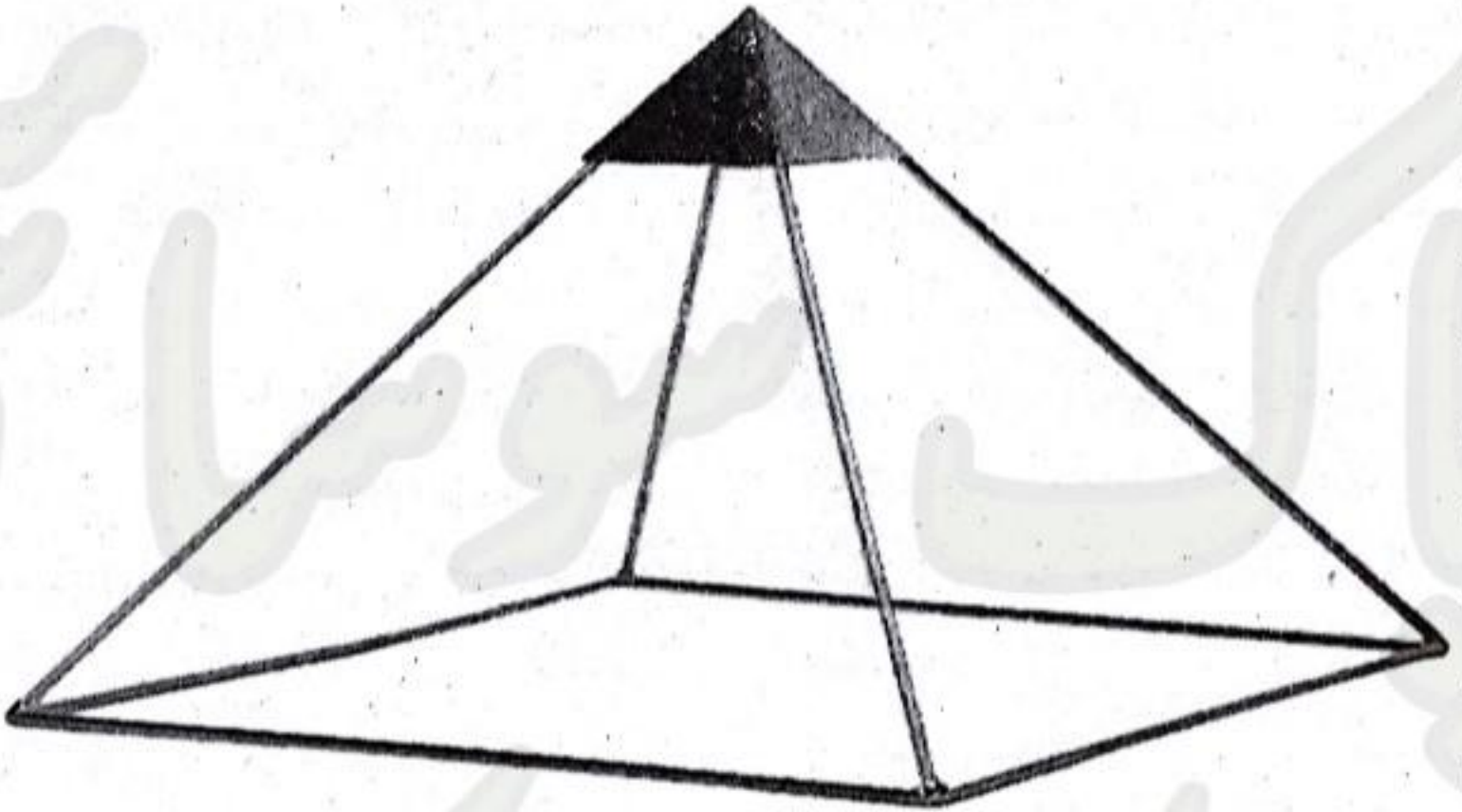
یہ ہے پاکستان

حسنِ فطرت کا ناقابلِ فراموش مرقع.... سرکنڈل
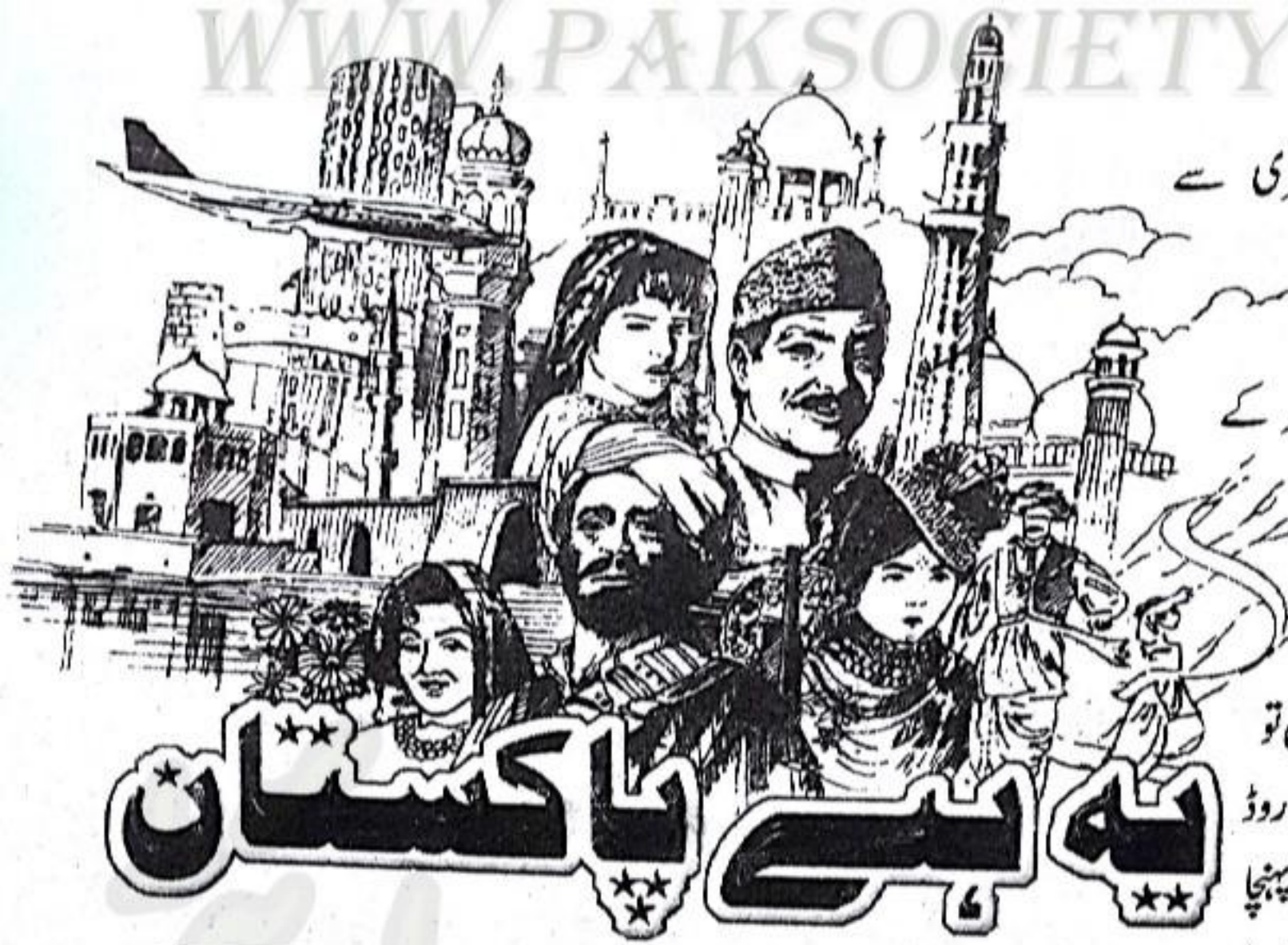
سرکنڈل، مری سے اٹھائیس کلومیٹر اور راولپنڈی سے ترپین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اگر آپ مری سے سرکنڈل جانا چاہیں تو لوئر ٹوپہ۔ سائن روڈ آپ کو سرکنڈل پہنچا دے گی اور دوسرا راستہ اختیار کریں تو براستہ گلہڑہ گلی بھی پہنچا جاسکتا ہے۔

سرکنڈل کی جانب پہلا قدم ہی آپ کو حسن فطرت کے رازوں سے آشنا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ عین ممکن ہے، بڑی بڑی نیکریں پہنے، گلے میں کیمرے ڈالے اور کانوں میں واک مین لگائے، سامان خورد و نوش اٹھائے اور بھی بہت سے ملکی و غیر ملکی، بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے سیاح آپ کو جاتے ہوئے ملیں۔

سرسبز و شاداب اس سرزمین میں قدم رکھنے سے پہلے آپ کو دریائے چارہان پار کرنا ہوگا۔ برسات

کے غول دکھائی دیں، وہاں ناشپاتی کے باغ ہیں۔ یہاں کی ناشپاتی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ ایک کلوگرام میں تقریباً تین ہی آتی ہیں۔
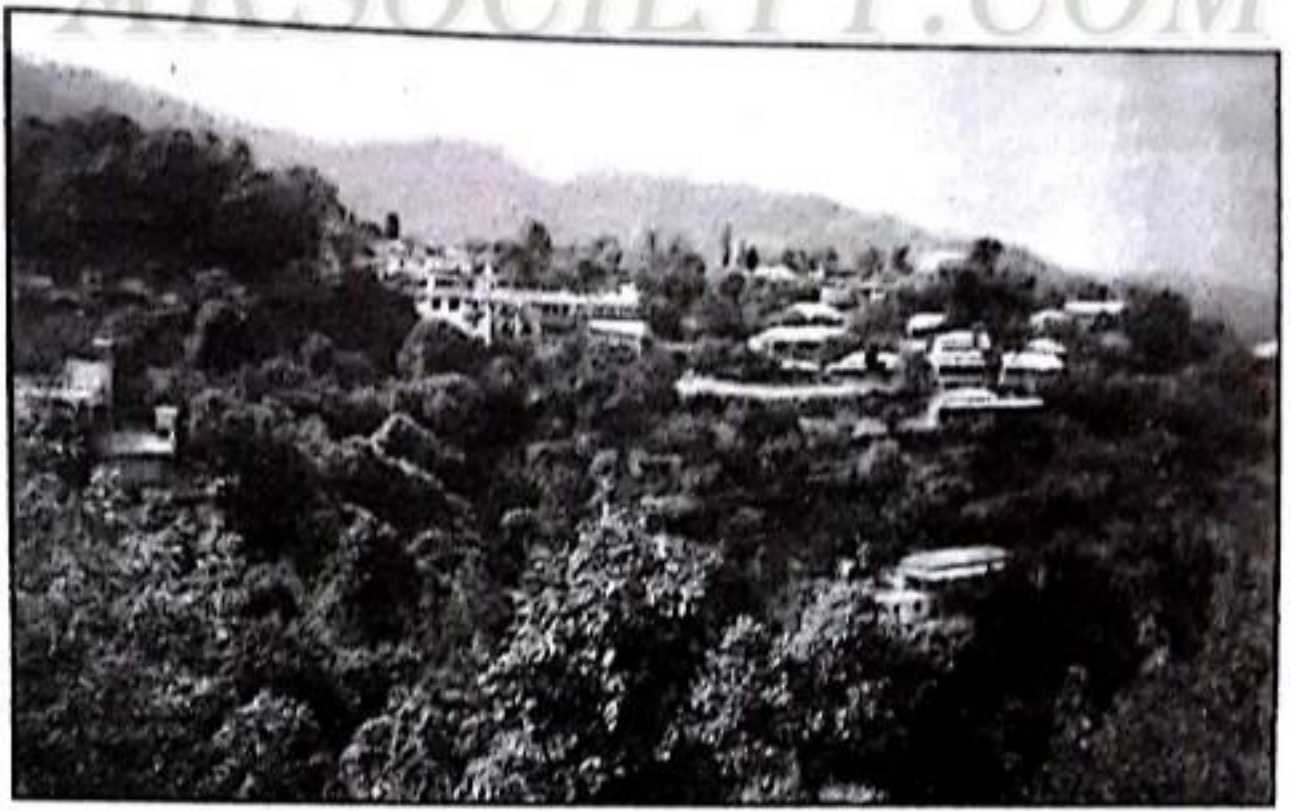
یہاں کیلے کی بھی نایاب اقسام موجود ہیں۔ یہاں بادام بھی آپ میں حاضر دماغی لانے کے لیے موجود ہیں۔ اصلاح معدہ کی غرض سے دو تین آلو بخارے بھی کھا سکتے ہیں۔ جبکہ گولڈن امری سیب بھی موجود ہیں۔

سرکنڈل ایک ایسا جنکشن ہے، جہاں سے قریب ہی واقع چند اور خوبصورت جگہوں کو راستے نکلتے ہیں۔ یہاں آپ مقامی لوگوں سے رہنمائی بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ آٹھ منٹ کی پیدل مسافت پر ریتیلی پٹڑی واقع ہے۔ آسان لفظوں میں اسے ریت کا ٹیلا ہی سمجھ لیں۔ یہ ریت گرم نہیں ہوتی، اور دھوپ میں انتہائی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے، جبکہ یہاں سے نیچے بہت خوبصورت مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ ریت، دھوپ کی چمک سے کسی ہیرے کی مانند رنگ برنگی روشنی منعکس کرتی ہے۔ اس کا نظارہ آپ کے لیے ایک منفرد تجربہ ہوگا۔

اس سے ذرا نیچے ڈونگا جبر کی وسیع و عریض چراگاہیں ہیں، جہاں گائیں اور دوسرے جانور گھاس چرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے پچھواڑے دور حد نگاہ تک پتریا نہ کی برف پوش چوٹیاں نظر آتی ہیں۔

اب آپ واپس پیچھے آئیں اور سرکنڈل سے شمالی کے موسم میں بارش کے دوران اسے عبور کرنا مشکل ہوتا ہے، تاہم بقیہ دنوں میں بہت آسانی رہتی ہے۔

سرکنڈل میں فن تعمیر کے شاہکار دیکھنے ہوں تو مقامی مسجد کے علاقے میں چلے جایئے، جہاں پتھر کو پہلے موٹی چھینیوں سے کاٹا گیا ہے، پھر تیز دھار چھینیوں سے ان کی نوکیں بنائی گئیں، اور بعد ازاں گول منہ والی چھینیوں سے، ابھرے ہوئے حصے برابر کرکے ایک ایک پتھر دو دو دن میں تیار ہوا، تب کہیں اسے دیواروں میں چنا گیا ہے۔ بعض تعمیرات میں تو زندہ دلان نے پتھر پر کمال مہارت سے بیل بوٹے بھی بنا ڈالے، جو اس وقت صرف لال قلعہ، نولکھا محل لاہور اور بھارت کی چند تعمیرات میں ہی نظر آسکتے ہیں، غرض یہاں کی دیگر دلچسپیوں کے ساتھ یہاں تعمیر کے اعلیٰ شاہکار بھی یادگار ہیں۔

یہاں سے دائیں جانب پھلوں سے لدے باغات بھی آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔ مری کے بلند ترین خرامانی کے اسی فٹ تک بلندی والے درخت یہیں پر ہیں۔ ساتھ ہی بگوشے کے درخت ہیں۔ ان کے نیچے سے گزرتے وقت پکے ہوئے پھل آپ پر گریں گے۔ اسی طرح جہاں آپ کو شہد کی مکھیوں کے غول
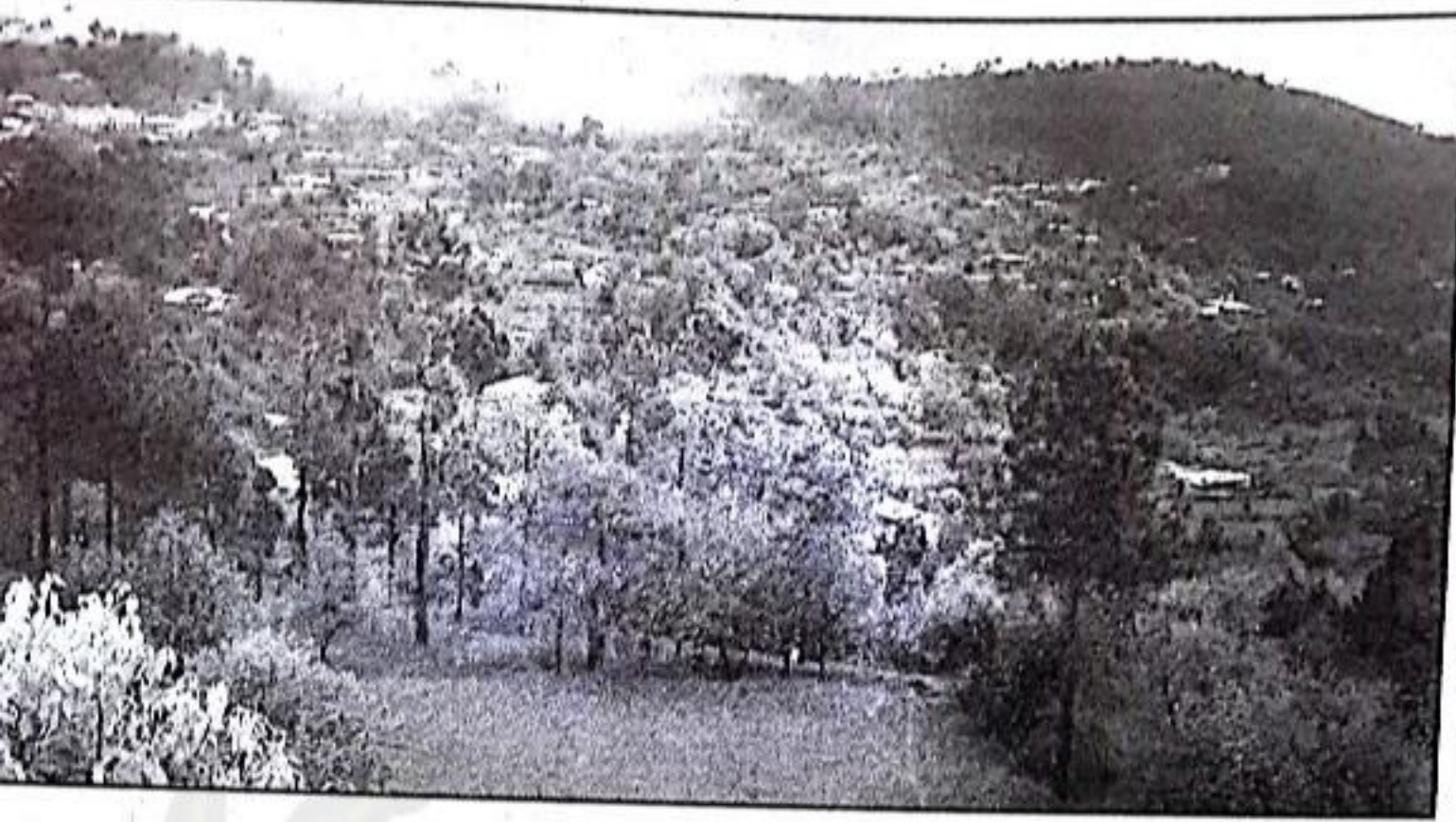
سمت آجائیں، جہاں ایک بلند چٹان نظر آئے گی جو تین اطراف سے دریا کے پانی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ جبکہ چوتھی سمت سے اس پر چڑھا جاسکتا ہے۔ ڈیڑھ سو فٹ بلند اس چٹان سے آپ، اپنے آپ سے عقبی علاقے کا نظارہ کرسکتے ہیں۔ دریا کے بہاؤ سے بھی محظوظ ہوسکتے ہیں اور فوٹو گرافی بھی کرسکتے ہیں۔

یہاں آپ کو تیز گڑگڑاہٹ بھی سنائی دے گی۔ یہ یہاں کی پن چکیاں ہیں۔ دریا سے خاص مقدار میں پانی کو چوڑی نالی کے ذریعے لاکر، بلندی سے چکی، کے گول پتھروں سے متصل، لکڑی کے بڑے پنکھے پر پھینکا جاتا ہے۔ پنکھے کی تیز حرکت جہاں ان چکیوں کو چلاتی ہے، وہاں پانی کے کرسٹل نما ٹکڑے، پنکھے کی طاقت سے دور دور تک جاکر گرتے ہیں۔

یہاں سے چند سو فٹ کے فاصلے پر "بریتی" کا مقام ہے جہاں سالانہ بل فائٹنگ کے مقابلے ہوتے ہیں۔ مقامی دلچسپی کا یہ کھیل بہت قدیم ہے۔ یوں تو بل فائٹنگ کا اپنا ایک طریقہ کار اور قوانین ہیں۔ لیکن یہاں بل فائٹنگ اور بھی پُرخطر ہے۔ محض خالی ہاتھوں، تن تنہا رہ کر، غصہ سے پھنکارتے ہوئے بیل (بل) کو حملہ کے دوران قابو میں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ مقابلے اپنے اندر بہت سنسنی رکھتے ہیں۔ بریتی سے دائیں ہاتھ، تھوڑے ہی فاصلے پر "مہوکھل" کی چھوٹی سی وادی ہے، جہاں میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں۔

سرکنڈل ہنر مندوں کی سرزمین ہے۔ یہاں آپ کو مقامی ساختہ اعلیٰ معیار کا مچھلی پکڑنے کا سامان مل سکتا ہے۔ یہاں کے کاریگر آپ کے لیے آلات موسیقی بھی بناتے ہیں، جن میں ستار، بانسری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ یہاں سے سستے داموں انجیر کا تحفہ، تازہ اور خشک حالت میں لاسکتے ہیں۔ اخروٹ، شہتوت، کیلا، انار دانہ، لوکاٹ، اور کچنار کی کلیاں آپ کے لیے یادگار سوغات ثابت ہوں گی۔ زیتون کے درخت سے بنی چھڑیاں اور گندم کے پتوں سے بنی چنگیریں، یہ سبھی سوغاتیں بہت پسند کی جانے والی اور تحفے میں دیے جانے کے لائق ہیں۔

سرکنڈل آنے کے لیے جون تا اگست اور مارچ، اپریل بہت مناسب وقت ہے۔ ان دنوں، یہاں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی ہوتی ہے، البتہ یہاں سردیوں میں بارہ بجے دھوپ نکلتی ہے۔ بے شک فطرت کا حسن ہمالیہ کی چوٹیوں پر اترتا ہے۔ مگر اصل میں وہ ہمالیہ سے اتر کر سرکنڈل ہی میں ڈیرہ جماتا ہے۔

بچوں کا
روحانی ڈائجسٹ
متعال عامر۔ کراچی
حمائل خان۔ کراچی
علی حسین۔ کراچی
عیشال عامر۔ کراچی

بنی کے دوست

اریبہ نور۔ کراچی

کسی جنگل میں ایک بہت بڑے گھنے درخت کے نیچے ایک خرگوش نے اپنا مکان بنا رکھا تھا۔ اس خرگوش کا نام بنی تھا۔ ایک دن بنی کی آنکھ کھلی تو دن خاصا چڑھ چکا تھا۔ یوں بھی گرمی کا موسم تھا۔ بنی نے سوچا کہ اسے جلدی جلدی ناشتا کر کے بازار چلے جانا چاہیے تاکہ سودا سلف لے آئے گرمی بڑھ گئی تو گھر سے باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ بنی نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر رات کے بچے ہوئے کھانے سے ناشتہ کیا، سودا لانے کی ٹوکری سنبھالی اور ٹوکری ہاتھ میں لے کر بازار جانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ خرگوش اچھلتا ہوا اپنے گھر سے تھوڑی دور پہنچا تھا کہ اسے ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

"بھائی بنی.... بھائی بنی!"

بنی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ اس نے اوپر دیکھا، نیچے دیکھا ادھر دیکھا، ادھر دیکھا لیکن آواز دینے والا نظر نہ آیا۔

"میں یہاں ہوں۔" آواز دوبارہ سنائی دی۔ بنی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ آواز تو قریب ہی اگی ہوئی لمبی لمبی گھاس میں سے آرہی ہے۔ اس نے گھور کر دیکھا تو وہاں چوہے میاں آنکھوں پر چشمہ لگائے کندھے پر ایک تھیلا لادے کھڑے تھے۔

"آہا! چوہے میاں۔ آپ کہاں....؟" بنی نے کچھ خوشی اور کچھ حیرت سے پوچھا۔

"میں نے سوچا، بنی سے ملے ہوئے کئی دن ہو چکے ہیں اس لیے چلا آیا، لیکن تم تو کہیں جا رہے ہو....؟" چوہے میاں نے کہا۔

"ہاں! ذرا بازار تک ارادہ ہے۔ آج کتنی گرمی ہے۔ سچ مچ جھلسا دینے والی گرمی سوچا کہ جلدی سے سودا لے آؤں، گرمی بڑھ گئی تو بازار تک پہنچنا بھی مشکل ہو جائے گی۔"

"ہاں! واقعی گرمی تو بہت ہے۔ تھوڑی دیر اور ہو گئی تو سچ مچ یہ گرمی جھلسا دے گی۔" چوہے نے بنی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے پوچھا، "کہو تو میں بھی ساتھ چلوں....؟"

"ضرور.... ضرور۔ بھلا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے....؟" بنی نے کہا پھر دونوں دوست بازار کی طرف چل دیے۔ بنی اچھلتا کودتا ہوا جا رہا تھا اور چوہے میاں کبھی دوڑتے اور کبھی چھلانگیں لگاتے۔ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں پھر ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

"بھائی بنی! آداب۔ چوہے میاں۔ آداب"

بنی اور چوہے میاں کو ایسا محسوس ہوا جیسے آواز ان کے پیروں کے نیچے ہی سے آئی ہو، اس لیے پہلے تو انہوں نے نیچے دیکھا، پھر دائیں جانب اور پھر بائیں جانب، لیکن انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

"میں یہاں ہوں" آواز دوبارہ سنائی دی۔ اب انہیں آواز کی سمت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اس سمت میں غور سے دیکھا تو لمبی گھاس کے درمیان میں انہیں ایک ننھا منا خوبصورت لال

رنگ کا پرندہ نظر آیا۔ اس پرندے کو اس کے رنگ کی وجہ سے "لال" ہی کہتے ہیں۔

"واہ بھائی لال!" تم تو بڑی سایہ دار جگہ تلاش کر کے بیٹھے ہو۔ بنی اور چوہے میاں نے ایک ساتھ کہا۔

"ہاں بس! گرمی سے گھبرا کر ذرا دیر کے لیے یہاں رک گیا تھا۔" لال نے جواب دیا۔

"واقعی گرمی بہت زیادہ ہے۔ سچ مچ جھلسا دینے والی گرمی۔" بنی نے جواب دیا۔

"آپ لوگ کہاں جا رہے تھے....؟" لال نے پوچھا۔

"سودا لینے بازار جا رہے تھے۔ گرمی زیادہ ہے نا! اس لیے سوچا تھا کہ جلدی سے سودا لے آئیں۔" بنی اور چوہے میاں نے جواب دیا۔

"میں بھی سودا لینے ہی کے لیے گھر سے نکلا ہوں۔ کہو تو تمہارے ساتھ ہی چلا چلوں!"

لال نے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ دو سے تین بھلے" بنی نے کہا۔

بنی اچھلتا کودتا، چوہے صاحب بھاگتے، چھلانگیں لگاتے اور لال صاحب کبھی پیدل چلتے اور کبھی اڑتے ہوئے بازار کی سمت بڑھنے لگے۔ ابھی تینوں بازار کے قریب پہنچے ہی تھے کہ انہیں بھائی ہرن مل گئے۔ انہوں نے آواز دے کر تینوں کو روکا اور پوچھنے لگے کہ وہ تینوں کہاں جا رہے ہیں۔

"جھلسا دینے والی گرمی پڑ رہی ہے۔ اس لیے بازار جا رہے ہیں تاکہ اس سے پہلے کہ گرمی بڑھے اور ہمیں سچ مچ جھلسا دے ہم سودا لے کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔" بنی، چوہے صاحب اور لال نے ایک ساتھ کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے کہو تو میں بھی تمہارا ساتھ دوں....؟" بھائی ہرن نے پوچھا۔

"اس سے اچھی بات کیا ہو گی۔ ضرور چلو۔" تینوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چاروں بازار میں پہنچ چکے تھے۔

بنی نے اپنے لیے تازہ تازہ سبزیاں خریدیں، کچھ لیموں لیے اور شکر بھی خریدی۔ چوہے صاحب نے اپنے لیے پھل اور باجرے کے دانے خریدے۔ بھائی ہرن نے اپنے لیے خشک میوہ اور تھوڑا سا بھوسا خریدا۔

ابھی وہ سب سامان خرید کر دکان سے باہر نکلے بھی نہیں تھے کہ انہیں ایک زور دار کڑک سنائی دی۔ بنی نے کہا، "یہ تو بجلی کی کڑک ہے۔"

چاروں جلدی سے دکان کے باہر آئے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ کالے کالے بادلوں نے سورج کو چھپا دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بادل زور سے گرجتا بھی تھا اور بجلی بھی چمک رہی تھی۔

"بارش ہونے والی ہے۔ جب ایسے بادل چھاتے ہیں تو بارش ضرور ہوتی ہے۔" چوہے نے کہا۔

"چلو جلدی کرو۔" بھائی ہرن گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا "تم تینوں میری پیٹھ پر چڑھ جاؤ۔" وہ تینوں ہرن بھائی کی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔ ہرن بھائی قلانچیں بھرنے لگے۔

اسی وقت بوندیں بھی پڑنے لگیں۔ بنی، چوہا اور لال تینوں بھائی ہرن کی پیٹھ پر بیٹھ کر بارش تیز ہونے سے پہلے ہی اپنی اپنی منزل کو پہنچ گئے۔

❖

پرندوں کا اتفاق

ننھی چڑیا زور زور سے رو رہی تھی اس کی مما صبح دانے کی تلاش میں گئی تھی اور واپس نہیں آئی تھی۔

عقاب ننھی چڑیا کو روتا دیکھ رہا تھا۔ اسے اس پر بہت ترس آیا پوچھنے لگا ''کیوں رو رہی ہو.....؟''

ننھی چڑیا نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا ''میری مما صبح سے دانے کی تلاش میں نکلی تھی اور ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں۔''

عقاب نے یہ سنا تو اس کے آنسو پونچھے، پھر کہا ''میں تمہاری مما کو تلاش کرنے جاتا ہوں''

یہ کہہ کر عقاب اڑا تو اسے جنگل میں ایک شکاری کی گاڑی نظر آئی۔ جس میں ایک پنجرہ رکھا تھا۔ ننھی چڑیا کی ماں اسی پنجرے میں قید تھی۔ عقاب نے آکر پہلے تو ننھی چڑیا کو تسلی دی۔ پھر جنگل کے تمام پرندوں کو جمع کر کے چڑیا کے بارے میں بتایا کہ اسے ایک شکاری پنجرے میں بند کر کے شہر لے جا رہا ہے۔ عقاب نے پرندوں سے کہا۔

''آج اگر ہم سب نے چڑیا کو شکاری کے پنجرے سے نہیں چھڑایا تو ایک دن وہ ہم سب کو بھی پنجرے میں بند کر کے شہر لے جائے گا اور کسی چڑیا گھر کے حوالے کر دے گا۔''

لیکن ہم چڑیا کو چھڑانے پنجرے تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں....؟ فاختہ نے سوال کیا۔

عقاب نے کہا ''اس کے پاس گولیوں بھری بندوق ہے ہمیں سارا کام ہوشیاری سے کرنا ہوگا، کسی کو نقصان پہنچانے کے بجائے چڑیا کو آزاد کرانے کے بارے میں سوچنا ہے۔

طوطا جو بہت دیر سے بیٹھا سوچ رہا تھا ایک دم بولا ''میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔''

کوئل نے کہا ''وہ ترکیب کیا ہے....؟''

طوطے نے کہا ''ہمیں کوئی نوکیلا پتھر شکاری کی گاڑی کے ٹائر کے نیچے رکھنا ہوگا تاکہ ٹائر پنکچر ہو جائے۔ شکاری ٹائر تبدیل کرنے گاڑی سے اترے گا ٹائر بدلنے میں اس کے کچھ وقت لگے، اس وقت میں ہم میں سے ایک پرندہ پنجرہ اپنی چونچ میں دبا کر لے اڑے گا۔''

سارے پرندے پہاڑی پر چلے گئے انہیں وہاں ایک نوکیلا پتھر مل گیا۔ باز نے وہ پتھر چونچ میں پکڑا اور اسے راستے پر رکھ دیا۔ جہاں سے شکاری کی گاڑی خراماں خراماں آرہی تھی جیسے ہی گاڑی کا اگلا ٹائر نوکیلے پتھر پر چڑھا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ شکاری نے غصے سے سر پیٹ لیا اب ٹائر بدلنے میں آدھا گھنٹہ ضائع ہو جائے گا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے اترا اور ڈگی کھول کر پنکچر کا سامان اور اپنا ٹائر نکالنے لگا۔ پھر جب اس نے گاڑی کا ٹائر بدلنا شروع کیا تو شاہین نے لپک کر چڑیا کا پنجرہ چونچ میں دبا کر باہر نکال لیا وہ پنجرے کو لے کر اونچا اڑا۔ تمام پرندے خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے اس کے پیچھے اڑ رہے تھے شاہین نے عقاب کے حکم پر پنجرے کو پتھریلی زمین پر گرا دیا۔ پنجرہ نیچے گرا تو اس میں لگا تالا ٹوٹ گیا اور چڑیا آزاد ہو کر ان سب کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ اتنے میں ننھی چڑیا بھی آگئی اور اپنے مما سے لپٹ کر رونے لگی۔

عقاب نے کہا بیٹی! رو مت اب ہم تمہاری مما کو شکاری سے آزاد کرا لائے ہیں۔

چچا عقاب! میں رو نہیں رہی یہ تو خوشی کے آنسو ہیں، آپ تمام پرندوں کے اتحاد اور محبت کی وجہ سے میری مما آج آزاد ہو کر میرے پاس موجود ہیں آپ سب کا بہت شکریہ۔''

سچ ہے جہاں محبت اور اتفاق ہو وہاں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

رنگ بھریں
تصویر دیکھ کر سامنے دیئے گئے خانوں میں کا اس تصویر کا مکمل عکس بنائیں....
مصوّر بنیں
کاکروچز تک پہنچنے میں "اوگی" کی مدد کریں
راستہ تلاش کریں
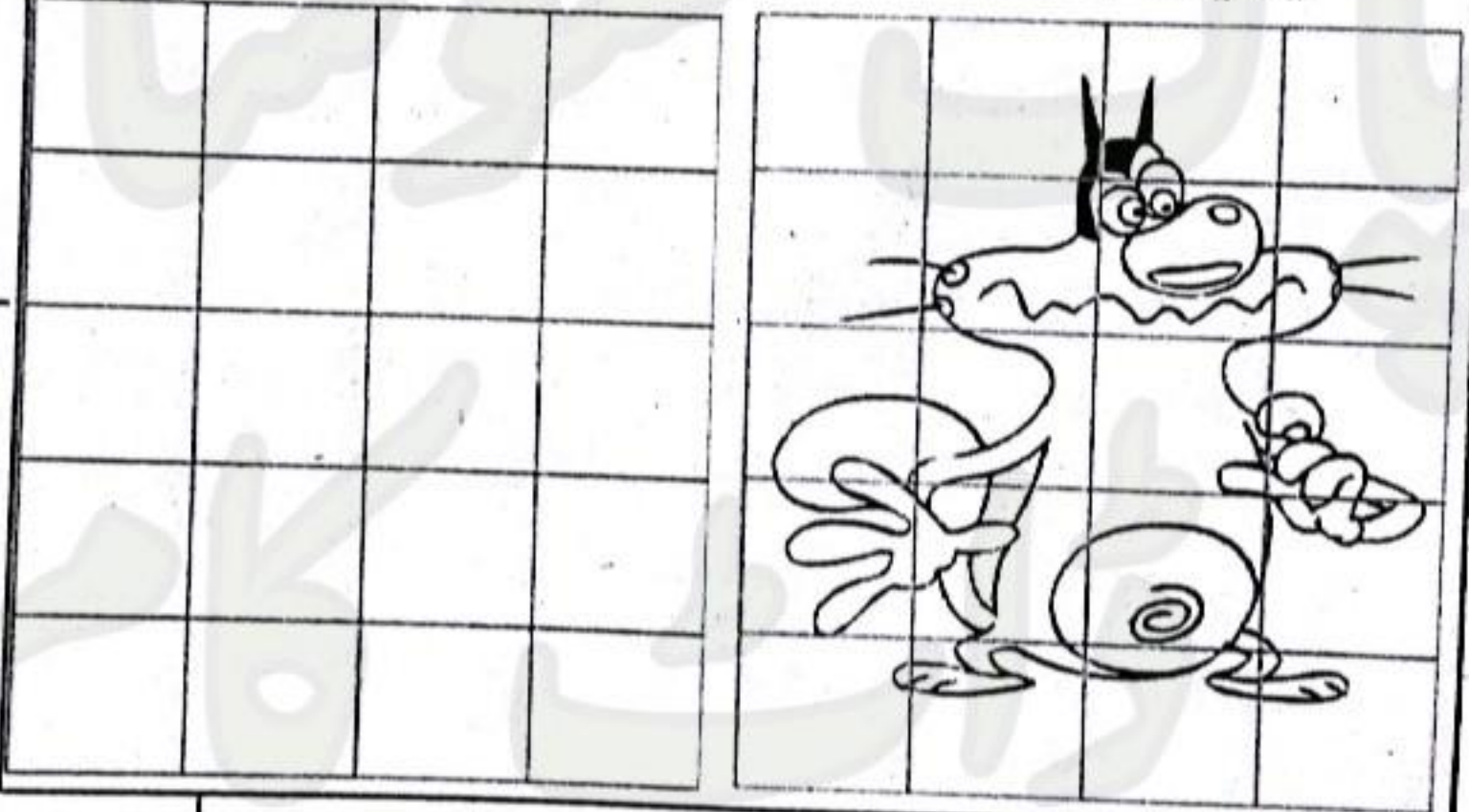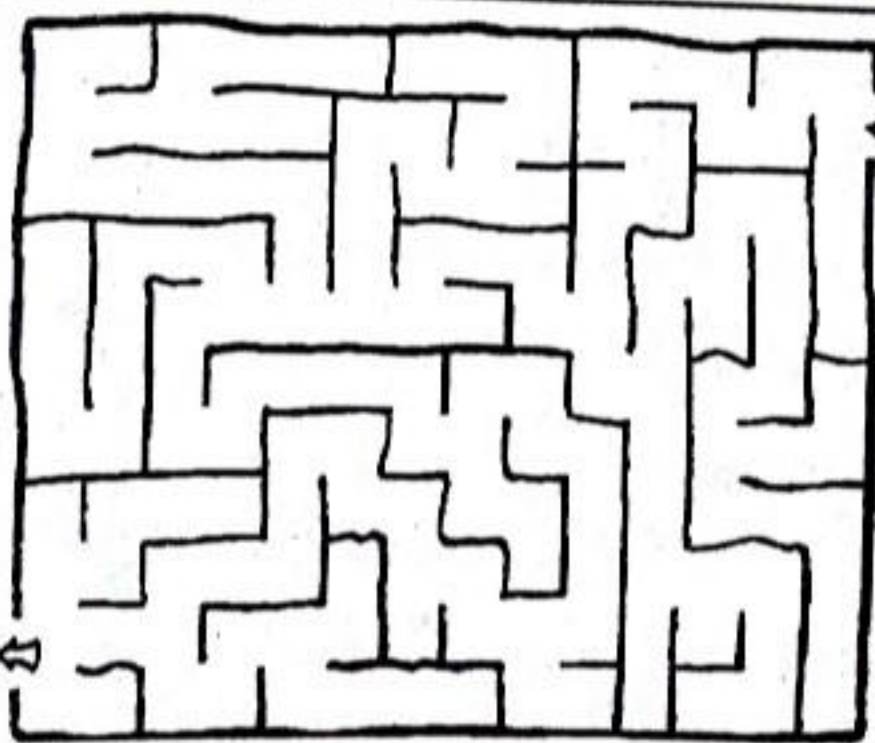
مسکرائیے....

☺.... ایک مریض جس کے گلے کا آپریشن ہوا تھا، نرس کو بلا کر اس سے کہا: نرس! کیا تم ایک گلاس پانی پلا سکتی ہو....؟

نرس بے رخی سے بولی: کیا تم کو سخت پیاس لگی ہے....؟

مریض بولا: نہیں! دراصل میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کہیں میرا گلا تو لیک نہیں کر رہا۔

(مرسلہ: سعدیہ مبین۔ کراچی)

☺.... ماں: بیٹا! میں نے تمہیں رضوان کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا تھا۔ برے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہیے۔

بیٹا: امی میں کیسا بچہ ہوں....؟

ماں: تم تو بہت اچھے بچے ہو۔

بیٹا: تو رضوان تو میرے ساتھ کھیل سکتا ہے نا....؟

(مرسلہ: مصباح شیخ۔ کراچی)

☺.... ایک پریشان حال آدمی شناختی کارڈ کے دفتر میں کارڈ بنوا رہا تھا کہ اس سے شناختی علامت پوچھی گئی۔

اس نے جواب دیا: لکھ دیں پیشانی پر پریشانی کے آثار۔

(مرسلہ: محمد حیدر شاہد۔ راولپنڈی)

☺.... ایک بہت موٹا آدمی گدھے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔

دوسرے آدمی نے اس سے کہا: کہاں جا رہے ہوں....؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے گدھے پر گینڈا بیٹھا ہوا ہے۔

اس آدمی کو بہت غصہ آیا اور اس سے کہا: شکر ہے کہ میں گدھے پر بیٹھا گینڈا تو لگ رہا ہوں، اگر آپ اس گدھے پر بیٹھ جائیں تو ایسا لگے گا کہ جیسے ایک گدھا دوسرے گدھے پر بیٹھا ہے۔

یہ بات سن کر پہلے شخص نے کہا: بھائی میں تو مذاق کر رہا تھا۔

موٹے آدمی نے کہا: مگر میں تو مذاق نہیں کر رہا ہوں۔

(مرسلہ: نیہا جبار۔ کراچی)

☺.... ایک استاد اپنے طالب علموں کا زبانی امتحان لے رہا تھا۔

اس نے طالب علم سے پوچھا: تم دن میں کتنی گولیاں اس شخص کو دو گے جس شخص کو دل کا دورہ پڑا ہو۔

طالب علم نے جواب دیا: چار۔

ایک منٹ بعد طالب علم نے دوبارہ کہا: سر! کیا میں اپنا جواب بدل سکتا ہوں....؟

استاد نے کہا: ہاں ضرور۔

اس کے بعد استاد نے اپنی گھڑی دیکھ کر کہا: مگر مجھے افسوس ہے کہ تمہارا مریض چالیس سیکنڈ پہلے مر چکا ہے۔

(مرسلہ: مہتاب خان۔ کوئٹہ)

☺.... دو دوست اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں لاہور جانا پڑا۔ ٹرین میں بہت بھیڑ تھی اور رات کا وقت تھا۔ انہوں نے ڈبے میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر شور مچانا شروع کر دیا کہ ڈبے میں سانپ گھس آیا ہے۔

یہ سن کر تمام مسافر نیچے اتر گئے اور یہ دونوں بستر لگا کر سو گئے۔ صبح ان کی آنکھ کھلی تو ڈبے کے پاس کھڑے ہوئے قلی سے پوچھا: کیا لاہور آ گیا....؟

قلی بولا: ارے میاں! کل رات اس ڈبے میں سانپ نکل آیا تھا اس لیے اس ڈبے کو ٹرین سے علیحدہ کر دیا تھا۔

(مرسلہ: طوبیٰ دانش۔ کراچی)

☺

مرکزی مراقبہ ہال

محفلِ مراقبہ

سرجانی ٹاؤن کراچی میں جذبہ خدمتِ خلق کے تحت جمعے کے روز خواتین و حضرات کو بلا معاوضہ روحانی علاج کی سہولت مہیا کی جاتی ہے۔ خواتین و حضرات کو جمعے کی صبح 7:45 بجے ملاقات کے لئے نمبر دیئے جاتے ہیں اور ملاقات صبح 8 سے 12 بجے دوپہر تک ہوتی ہے اور ہفتے کی دوپہر 3:45 بجے نمبر دیئے جاتے ہیں اور ملاقات 4 بجے سے شام 7 بجے تک ہوتی ہے۔ ہر ہفتے، بعد نمازِ جمعہ عظیمیہ جامع مسجد سرجانی ٹاؤن میں اجتماعی محفلِ مراقبہ منعقد ہوتی ہے جس میں درود شریف، آیت کریمہ کا ختم اور اجتماعی مراقبہ کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ جمعے اور ہفتے کے علاوہ خواتین و حضرات ملاقات کے لئے زحمت نہ کریں۔ محفلِ مراقبہ میں دعا کے لئے اپنا نام، والدہ کا نام اور مقصدِ دعا تحریر کر کے ارسال کیجیے۔ جن خوش نصیبوں کے حق میں اللہ رحیم و کریم نے ہماری دعائیں قبول فرمائی ہیں وہ اپنے گھر میں محفلِ میلاد کا انعقاد کرائیں اور حسبِ استطاعت غریبوں میں کھانا تقسیم کریں۔

کراچی: - آئشہ احمد۔ آمنہ بیگم۔ آمنہ شاکر۔ آمنہ احمد۔ آمنہ طاہر۔ آمنہ خان۔ آئشہ حسن۔ آصف علی۔ آصف محمود۔ احسان اللہ خان۔ احسان ریاض۔ احسن ریاض۔ احمد فیصل۔ اختر حسین۔ ارسلان ضمیر۔ ارسلان خان۔ ارم خالد۔ ارم علی۔ اسماء ارم۔ اسماء شفیق۔ اسمٰعیل فاروقی۔ اشتیاق شاہد۔ اشفاق احمد گوندل۔ اشفاق احمد۔ آصف صدیقی۔ اعجاز اعوان۔ اعظم علی۔ آفتاب احمد۔ آفتاب شاہ۔ افسری بیگم۔ افشین الطاف۔ افضل خان۔ اکبر علی۔ اکرم دلاور۔ امتیاز احمد۔ امتیاز علی۔ امتیاز محسن۔ امیر الدین۔ انجم صدیق۔ انجم شاکر۔ انعم نور۔ انور جہاں۔ انیقہ بانو۔ انیلہ رفیق۔ انیلہ حسن۔ انیلہ ریاض۔ ایمن خان۔ ایوب شیخ۔ بختاور بانو۔ بشریٰ آفتاب۔ بشریٰ امجد۔ بشریٰ فیاض۔ بلال حامد بٹ۔ بلال قریشی۔ بلقیس بی بی۔ بلقیس اشتیاق۔ بی بی خدیجہ۔ پرویز انور۔ پروین اختر۔ تابش بشیر۔ تاج الدین۔ تحسین سمیع۔ تحسین فاطمہ۔ تنزیلہ صبا۔ تنویر اختر۔ تہمینہ انور۔ تہمینہ مقصود۔ تیمور خان۔ ثاقب سہروردی۔ ثروت سلطانہ۔ ثروت شہزاد۔ ثریا ارشد۔ ثریا بی بی۔ ثمینہ منظور۔ ثمینہ شمشیر۔ ثوبیہ پرویز۔ جاوید اصغر۔ جاوید جلیل۔ جمشید اقبال۔ جمیلہ بیگم۔ جمیلہ بانو۔ جمیلہ اختر۔ جویریہ سحر۔ جیا محمود۔ حاجی مراد۔ حاجی یعقوب۔ حافظ اشفاق گوندل۔ حافظ جمال۔ حبیب احمد۔ حسن فاروق۔ حسین محمد۔ حفصہ احمد۔ حفیظاں بی بی۔ حمیرا جبین۔ حمیرا رئیس۔ حمیرا شاہنواز۔ حنا شاکر۔ خالدہ جاوید۔ خاور اسلم۔ خضری شاہد۔ خلیق الزماں۔ دانش حسن۔ دانش علی۔ دانش عاصم۔ درخشاں انجم۔ درخشاں مقصود۔ دروانہ بنتِ غازی۔ دلاور غفور۔ ذکیہ رخسانہ۔ ذیشان کمال۔ ذیشان احسن۔ رئیس النساء بیگم۔ راجہ عبدالمالک۔ راجہ علی۔ راحت اخلاق۔ راحیلہ نسرین۔ راشد محمود خان۔ رانی۔ رحمت بی بی۔ رخسانہ بی بی۔ رخسانہ یاسمین۔ رخشندہ ظفر۔ رضوان احمد۔ رضوانہ ناز۔ رضوانہ ناصر۔ رضیہ اقبال۔ رفعت مقصود۔ رفعت عابد۔ رفعت ہما۔ رقیہ فردوس۔ رمشا احمد۔ رمیز یاسر۔ روبینہ اسلم۔ روبینہ اکرم۔ روبینہ ذوالفقار۔ روبینہ یاسمین۔ روبینہ اسلم۔ روزینہ اشرف۔ رونی شاہ۔ ریاض ضمیر۔ ریحان علی۔ ریحانہ خانم۔ ریحانہ ملک۔ ریحانہ ناز۔ ریحانہ یاسمین۔ ریحانہ جاوید۔ زاہد حسین۔ زاہدہ سعید۔ زاہدہ لطیف۔ زاہدہ پرویز۔ زبیدہ ناز۔ زبیدہ علی۔ زر قا خان۔ زرینہ احمد۔ زرین صدیقی۔ زلیخا تبسم۔ زنیرہ خالد۔ ذوالفقار شاہد۔ زینب عادل۔ سائرہ بی بی۔ ساجد اقبال۔ ساجدہ وسیم۔ ساجدہ امین۔ ساجدہ بیگم۔ سارہ عادل۔ سجاد شاہد۔ سحر انور۔ سعد قریشی۔ سعدیہ افتخار۔ سعدیہ ماہین۔ سعدیہ ناز۔ سعید احمد۔ سعیدہ بی بی۔ سکینہ بانو۔ سلطانہ ولی۔ سلطان علی۔ سلمان خان۔ سلمان سعد۔ سلمان علی۔ سلمٰی بیگم۔ سلیم آفاق۔ سلیمان اعظم۔ سمیرا انصاری۔ سمیرا کنول۔ سنبل فاطمہ۔ سنبل ریاض۔ سنیلا اطہر۔ سید احمد علی۔ سید آصف علی۔ سید امان علی۔ سید امجد حسین۔ سید

توصیف حیدر۔ سید حسن جاوید۔ سید خرم عالم۔ سید راشد علی۔ سید شاہد احمد۔ سید شہاب احمد۔ سید عارف علی۔ سید عرفان جعفری۔ سید عرفان علی۔ سید عظمت علی۔ سید علی سجاد۔ سید فارعہ علی۔ سید فواد احمد۔ سید مرشد حسن۔ سید نعمان علی۔ سیدہ قمر النساء۔ سیدہ یاسمین۔ شائستہ ارم۔ شاذیہ تیمور۔ شازیہ سعید۔ شاذیہ عادل۔ شازیہ عامر۔ شازیہ مقبول۔ شازیہ نور۔ شان عباس۔ شاہد انور۔ شاہد بشیر۔ شاہدہ بیگم۔ شاہدہ پروین۔ شاہدہ عاشق۔ شاہدہ محمود۔ شاہدہ نسرین۔ شاہدہ۔ شبانہ کنول۔ شبانہ ناز۔ شبانہ سلیم۔ شبنم مجید۔ شرف الدین۔ شعیب خان۔ شعیب ماجد۔ شکیل خان۔ شکیلہ پروین۔ شکیلہ طاہر۔ شمس الدین۔ شمس النساء۔ شمشاد۔ شمشیر انور۔ شمیم احمد صدیقی۔ شمیم سعیدہ۔ شوکت حسین۔ شہریار۔ شہزاد عبدالرحمن۔ شہزاد مختار۔ شہناز غنی۔ شیخ کامران عزیز۔ شیخ کامران عزیز۔ شیر علی خان۔ شیرین۔ صائمہ ایوب۔ صائمہ راشد۔ صائمہ زرین۔ صائمہ صدف۔ صائمہ ناظم۔ صائمہ نورین۔ صابرہ بیگم۔ صبا پرویز۔ صبا حیدر۔ صدف حسن۔ صدف زبیر۔ صلاح الدین۔ صنوبر اقبال۔ صوفیہ بانو۔ طارق سعید۔ طارق مجید۔ طارق سلیم۔ طارق محمود۔ طارق وسیم۔ طاہرہ احمد۔ طاہرہ افشین۔ طاہرہ بیگم۔ طلعت ریاض۔ طلعت حبیب۔ طیبہ طاہر۔ ظفر اقبال۔ ظہیر الحسن شاہ۔ عائشہ عابد۔ عائشہ ناصر۔ عائشہ واجد۔ عابد عباس۔ عارف علی۔ عارفہ بیگم۔ عارفہ تبسم۔ عارفہ سلطانہ۔ عاشق علی۔ عاصم رضا۔ عاصم قریشی۔ عاطف سلمان۔ عالیہ شاہد۔ عامر احسن۔ عامر خان۔ عامر مرزا۔ عبدالرحمان۔ عبدالرزاق۔ عبدالعلیم۔ عبدالغفار۔ عبدالواجد۔ عبدالولی۔ عتیق الرحمن۔ عثمان طیب۔ عدیلہ ندیم۔ عرفان جعفری۔ عرفان منیر۔ عروج راشد۔ عشرت شاہد۔ عصمت معراج۔ عطیہ حامد۔ عظمیٰ پروین۔ عظمیٰ توصیف۔ عظمیٰ عزیز۔ عظمیٰ عمران۔ عظمیٰ کامران۔ علی احمد۔ علی اظہر۔ علیم الدین۔ ام کلثوم۔ عمران خان۔ عمران عباس۔ عنایت بیگم۔ عنبرین صدیقی۔ عینی زاہد۔ غزالہ پروین۔ غزالہ فاروق۔ غضنفر علی۔ غلام اکبر۔ غلام دستگیر۔ غلام سول۔ غلام صفدر۔ غلام علی۔ غیور حسین۔ فائزہ نذیر۔ فائزہ یوسف۔ فائزہ احمد۔ فائزہ علی۔ فاطمہ بیگم۔ فاطمہ عادل۔ فراز حسین۔ فرح راشد۔ فرح سلطانہ۔ فرح عالم۔ فرح فاطمہ۔ فرح ناز۔ فرحان علی۔ فرحانہ فرحان۔ فرحت حسین۔ فرحت ناز۔ فرحت جبین۔ فرخ احمد۔ فرخ جمال۔ فردوس شاہ۔ فرزانہ انعام۔ فرزانہ۔ فریحہ جمیل۔ فرید حسین۔ فریدہ بانو۔ فریدہ جمال۔ فضل معبود۔ فقیر حسین۔ فواد عالم۔ فوزیہ شبنم۔ فہمیدہ جلیل۔ فہیم بلوچ۔ فہیم نعیم۔ فیصل شیخ۔ فیصل عامر۔ فیضان علی خان۔ قاسم محمود۔ قاضی شیر محمد۔ قرۃ العین۔ قیصر سلطانہ۔ کاشف۔ کامران اعجاز۔ کرن جاوید۔ کریم جمال۔ کلثوم انور۔ کلثوم بانو۔ کنول ریاض۔ کوثر اقبال۔ لائبہ عادل۔ لبنیٰ اشفاق۔ لبنیٰ نور۔ ماجد عزیزی۔ ماجد محمود۔ ماجدہ ناز۔ ماریہ محمود۔ ماہ نور علی۔ مجاہد حسین۔ مجیب احمد۔ محبوب عالم۔ محسن سکندر۔ محمد ابراہیم۔ محمد احسن۔ محمد احمد۔ محمد اسلم۔ محمد اسمٰعیل۔ محمد آصف۔ محمد اطہر۔ محمد آفتاب۔ محمد افضل خان۔ محمد افضل شاہد۔ محمد افضل علی۔ محمد اکرم۔ محمد امین۔ محمد انس۔ محمد انور الدین۔ محمد اویس۔ محمد عبدالغفور۔ محمد پرویز۔ محمد جنید۔ محمد حسن شاہ۔ محمد حسن عظیم۔ محمد حسین علی۔ محمد حنیف۔ محمد خالد خان۔ محمد رضوان۔ محمد رفیق۔ محمد زبیر خان۔ محمد ساجد لطیف۔ محمد سراج۔ محمد سرور شاکر۔ محمد سلطان۔ محمد سلیم خان۔ محمد سلیمان۔ محمد شاہد۔ محمد شفیق۔ محمد ظفر۔ محمد عارف۔ محمد عامر۔ محمد عثمان۔ محمد فیروز۔ محمد علی۔ محمد عمر۔ محمد عمران۔ محمد منیب خان۔ محمد ناصر۔ محمد نبیل مصطفی۔ محمد ندیم خان۔ محمد کلیم۔ محمد نعیم۔ محمد نوید احمد۔ محمد ہاشمی۔ محمد یاسر۔ محمد یوسف۔ محمد یونس۔ محمد اعظم۔ محمد حنیف۔ محمود عالم۔ محمود یاسر۔ مدثر عالم۔ مراد خان۔ مرزا زاہد بابر۔ مرزا عمیر حفیظ۔ مریم نبیل۔ مسز ادریس۔ مسز کاظمی۔ مسعود احمد۔ مسعود کمال۔ مشتاق احمد۔ مصدق خان۔ مصطفیٰ مظہر۔ مصطفیٰ علی۔ مطلوب حسین۔ معزم حیدر۔ مقبول عالم۔ مقصود احمد۔ مقصود عالم۔ ملیحہ احمد۔ ملیحہ خان۔ ملیحہ سعید۔ ممتاز اظہر۔ منصور۔ منظور عالم۔ منور بابر۔ منور سلطانہ۔ منیبہ ہاشمی۔ منیزہ سلیم۔ موسیٰ خان۔ مہر النساء۔ مہرین اشہد۔ میرا جبین۔ میر ظہیر الدین۔ میمونہ طاہر۔ نازش افروز۔ نازش جمال۔ ناصر عزیز۔ ناہید اکرم۔ نبی طاہر۔ نبیل خان۔ نبیلہ تبسم۔ نجمہ عرفان۔ ندا ظہور۔ ندیم راشد۔ نزہت آراء۔ نسرین اختر۔ نسرین خاور۔ نسرین جاوید۔ نسرین حیدر۔ ناصر فہد۔ نسیم احمد۔ نسیم اختر۔ نسیم صنوبر۔ نسیم مسعود۔ نصرت ارشد۔ نصیر الدین۔ نعمان خان۔ نعیم بلوچ۔ نعیمہ عظیم۔ نعیمہ وحید۔ نغمہ ریاض۔ نفیس احمد۔ نگہت سیما۔ ناہید آفریدی۔ نمرہ کنول۔ نمرہ نواز۔ نواز شاہ۔ نور الحق۔ نور جہاں۔ نوشین۔ نوید احمد۔ نوید سعید۔ نوید فیض۔ نوید فیصل۔ نہال احمد صدیقی۔ واجد حنفی۔ واصف حسین۔ وجیہہ خان۔ وحید انور۔ ڈاکٹر فہمیدہ۔ ہما نفیس۔ ہمایوں خورشید۔ ہمایوں عظیم۔ یاسمین۔ یاسمین۔ یوسف۔

حیدر آباد: -اجمل۔ احمد سعید۔ احمد کبیر۔ احمد نسیم۔ احمد۔ احمد علی۔ اختر محمد۔ ارجمند۔ ارسلان۔ ارشاد۔ ارشد علی۔ ارم۔ اسد۔ اسماء۔ اصرار حسین۔ آصف قریشی۔ آصف۔ اعظم۔ افتخار احمد۔ افشین۔ اقبال علی۔ اقبال۔ اقراء۔ اکبر بھائی۔ امبرین۔ امجد محمود۔ امیر بیگم۔ امیر۔ آمنہ۔ انجم سعید۔ انیلا۔ بدر علی۔ بشریٰ شاہد۔ بشریٰ سعید۔ بشریٰ ریاض۔ بہاؤ الدین۔ تابندہ۔ تجمل حسین۔ تصور جمیل۔ تنویر۔ توصیف۔ ثاقب۔ ثروت۔ ثریا بانو۔ ثمینہ نور۔ ثمینہ۔ ثناء فاطمہ۔ ثناء فیصل۔ ثناء گل۔ ثناء نور۔ ثناء۔ جان محمد۔ جاوید۔ جعفر۔ جنید۔ جہانزیب۔ حارث۔ حافظ نسیم۔ حافظ۔ حسیب عالم۔ حسین

بخش۔ حسین۔ حسین۔ حسینہ۔ حافظ عارف۔ حفظہ۔ حمید۔ حمیرا۔ حیدر علی احمد۔ حیدر۔ خادم علی۔ خالدہ۔ خرم شہزاد۔ خرم۔ خلیل۔ خواجہ رابعہ۔ دانش۔ درخشاں۔ دلاور حسین۔ دلشاد۔ رابعہ۔ راحت فاطمہ۔ راحیلہ۔ راشدہ۔ رحمان۔ رحمت۔ رحیم۔ رخسانہ احمد۔ رسول بخش۔ رضا علی۔ رضوانہ طاہر۔ رضیہ مجید۔ رفیق شکور۔ روبینہ غوری۔ روبینہ اشرف۔ ریاست علی۔ ریاست خان۔ ریحانہ علی۔ زاہد محمود۔ زرینہ عاشر۔ زوبیہ جبین۔ زہرہ حیدر۔ ساجدہ شفیق۔ سجاد احمد۔ سدرہ کاظمی۔ سدرہ شاہد۔ سعدیہ مصور۔ سلمان رفیع۔ سلمان فاطمہ۔ سلمٰی علی۔ سمیع اللہ۔ سمیع غفور۔ سونیا علی۔ سید امجد علی شاہ۔ سید کاشف۔ سید محمد منور۔ سیدہ عبرین بانو۔ سیما اکبر۔ سیما۔ شائستہ رضا۔ شاہ زیب۔ شاہد جمال۔ شاہدہ نسرین۔ شاہدہ بانو۔ شرمین کنول۔ شگفتہ عابد۔ شائلہ فاروق۔ شمس الدین۔ شمع حیدر۔ شمیم جہاں۔ شہزاد خالد۔ شہناز خالد۔ صائمہ مجید۔ صادق وحید۔ صباء علی۔ صدف نفیس۔ صغیر حسن۔ صفیہ اختر۔ صفیہ بیگم۔ صنوبر شفیق۔ ضمیر خان۔ ضیاء خالد۔ طارق جمیل۔ طاہر محمود۔ طاہر احمد۔ طاہرہ طفیل۔ عارف جمیل۔ عاصمہ بی بی۔ عامر اسد۔ عامر سمیع۔ عامر ضیاء۔ عامر اسد۔ عبد الغفور۔ عبداللہ۔ عبدالعلیم غوری۔ عبدالغفور۔ عبدالغنی۔ عبدالکریم۔ عبدالوحید۔ عبرین۔ علی اکبر۔ علی حماد۔ علی رضوان۔ علی نواز۔ علیشا زاہد۔ عمران خان۔ غلام علی۔ غلام فاطمہ۔ فاطمہ علی۔ فرحان احمد۔ فرحان طاہر۔ فرخندہ حامد۔ فرزانہ جمشید۔ فرقان علی۔ فرقان حنیف۔ فضیلہ شہباز۔ ملک محمد۔ فہیم اختر۔ کلیم اللہ۔ کنزہ محمود۔ کنول مجید۔ کنول علی۔ کوثر پروین۔ کوثر ضمیر۔ کوثر شاہد۔ کوثر شہناز۔ گلزار مجید۔ لائبہ قمر۔ لاریب فیاض۔ لبنیٰ رضا۔ ماریہ انجم۔ ماریہ کاشف۔ ماریہ فاضل۔ متین احمد۔ متین علی۔ محمد محسن۔ محمد ارشد۔ محمد اسلم۔ محمد اعظم۔ محمد امان اللہ۔ محمد امجد۔ محمد انور۔ محمد جاوید۔ محمد جمیل۔ محمد جنید۔ محمد جواد۔ محمد حیات۔ محمد دانش۔ محمد زبیر۔ محمد شاہد۔ محمد شعیب۔ محمد طارق۔ محمد علی۔ محمد علیم۔ محمد عمار۔ محمد عمران۔ محمد فیصل۔ محمد گل۔ محمود حسین۔ مشتاق احمد۔ مصطفیٰ حیدر۔ مطلوب الحق۔ مقصود حسن۔ منصور رضیہ۔ منصور مرزا۔ منور سلطانہ۔ منیر خالد۔ مہوش خان آفریدی۔ ناصر نعمان۔ ناہید اختر۔ نجمہ اکبر۔ نزہت حسین۔ نسرین جمال۔ نسیم احمد۔ نعیم احمد۔ نفیسہ بیگم۔ نور العین۔ نور النساء۔ نور جہاں۔ نور محمد۔ نور نظر۔ نورین اختر۔ نورین۔ نوشابہ قیوم۔ نوشین اکبر۔ نوید اقبال۔ نیاز احمد۔ واثق علی۔ واصف علی۔ وحید علی۔ ہاجرہ بی بی۔ ہارون اشرف۔ ہما نفیس۔ ہمزا طاہر۔ یاسر عرفان۔ یاسمین کوثر۔ یمنیٰ شاہزیب۔ یعقوب ابراہیم۔

لاہور:۔ ابوبکر۔ احمد اقبال۔ احمد حسن۔ اسلم شاہد۔ ارشد۔ احمد علی۔ ارم۔ اسد۔ اسماء جاوید۔ اسماء حنین۔ اشتیاق۔ اشرف۔ اصغر۔ آصف۔ آصفہ۔ اعجاز احمد۔ اقبال۔ اکرام اللہ۔ آمنہ بی بی۔ آمنہ۔ انعم رضا۔ انیلہ بٹ۔ باسط اقبال۔ بشریٰ۔ بلال صابر۔ پاکیزہ۔ پروین۔ تنویر۔ ثمن۔ ثمینہ۔ ثناء۔ ثوبیہ۔ جاوید۔ جاوید۔ جہانگیر۔ حنا عمر۔ حیدر علی۔ خالدہ۔ خلیل احمد۔ داؤد۔ دعا فاطمہ۔ دل نواز۔ ذیشان۔ راحیل احمد۔ رضوان۔ رفعت۔ رقیہ۔ رملہ اشرف۔ روبینہ۔ زاہد حسین۔ زاہد محمود۔ زاہد۔ زاہدہ بیگم۔ زاہدہ۔ زینت۔ سائرہ بانو۔ سائرہ۔ ساجدہ بیگم۔ سبحان جاوید۔ سدرہ۔ سعدیہ۔ سلمان۔ سلمٰی اشفاق۔ سمرا۔ سمیرا۔ سہیل احمد۔ سید واصف علی۔ شائستہ جبیں۔ شاذیہ۔ شاہد رحمان۔ شاہد رسول۔ شاہد محبوب۔ شاہدہ۔ شبانہ۔ شبیر حسین۔ شکیل۔ شگفتہ۔ شمائلہ۔ صائمہ۔ سحر جاوید۔ ضمیر الحق۔ طاہرہ علیم۔ طارق لطیف۔ طفیل۔ ظفر احمد۔ ظہور۔ عائشہ۔ عابدہ بیگم۔ عاشر۔ عاشق حسین۔ عاصم۔ عامر محمود۔ عباس۔ عثمان۔ عرفان۔ عرفان عظیمی۔ عرفان محمود۔ عرفان علی۔ عرفان ماجد۔ عروسہ۔ علی۔ عمر۔ عمران افضل۔ عمران۔ غزالہ۔ غلام عباس۔ غلام محمد۔ فائزہ۔ فاروق احمد۔ فاطمہ۔ فریدہ جاوید۔ فہد۔ قدوسیہ۔ قرۃ العین۔ کائنات۔ کامران۔ کامران۔ مائرہ۔ مبارک علی۔ مبشرہ۔ محمد احمد۔ محمد ارشاد خان۔ محمد اسلم۔ محمد اصغر۔ محمد بابر۔ محمد راشد۔ محمد زبیر۔ محمد شہزاد۔ محمد عرفان۔ محمد علی۔ محمد عمر۔ محمد عمران۔ محمد مجاہد۔ محمد نواز۔ محمد نور۔ محمد وقاص۔ مدثر بٹ۔ مدثر حسین۔ مریم۔ مظہر اقبال۔ ملک عاصم سعید۔ ملک وحید۔ منظور احمد۔ منیر احمد۔ مہرین ناصر۔ مہک۔ مہناز۔ مہوش۔ میاں مشتاق احمد۔ نجمہ۔ نسرین۔ نصرت۔ نعمان۔ نعیم احمد۔ نعیم علی۔ نعیم۔ نورین۔ نوید احمد۔ نوید حسین۔ نیلم۔ وسیم اسلم۔ وقاص۔ یحییٰ۔ یوسف۔ یمنیٰ علی۔ یعقوب علی

راولپنڈی/اسلام آباد :۔ آصف جاوید۔ آصفہ خان۔ آصف عباس۔ اویس محمد ملک۔ بشیر بیگم۔ بلاول حسین۔ بہروز حیدر۔ بینش حسن۔ بینش عامر۔ تاج۔ تنویر اقبال۔ ثریا۔ ثوبیہ تبسم۔ حافظ مہناز۔ حسن اختر۔ حمیدہ۔ حمیرا۔ خالد محمود اعوان۔ خالدہ بی بی۔ خالدہ بیگم۔ خورشید بی بی۔ خورشید بی بی۔ یوسف۔ خورشید بیگم۔ دانیال۔ محمد ذوالفقار۔ ذیشان محمد ملک۔ راحیمہ بی بی۔ رافع۔ راؤ محمد اقبال۔ رحمت بی بی۔ رحیم جان۔ رضیہ بیگم۔ اجمل۔ رقیہ بی بی۔ اشرف روبینہ۔ ریحانہ بی بی۔ ریحانہ۔ زبیدہ بی بی۔ زبیدہ۔ زینب بی بی۔ سائرہ۔ سبط الحسن۔ سبین۔ سحرش شہزاد۔ سرداراں بانو۔ سرداراں بی بی۔ سرور جان۔ سعدیہ۔ سکندر اعوان۔ سکندر خان۔ سکینہ بی بی۔ سلطانہ بیگم۔ سلمان حیدر۔ سنیہ حیدر۔ شازیہ۔ شانزہ کنول۔ شائستہ۔ شاہداں بی بی۔ شبانہ رشید۔ شبانہ۔ شبیر۔ شبیہہ کمال۔ شرجیل۔ شفقت۔ شگفتہ ناز۔ شمسہ بی بی۔ شمسہ حسن۔ شمیم اختر۔ شمیم۔ شہناز بلوچ۔ شیداں بی بی۔ صائمہ ملک۔ صائمہ۔ صدیقہ بیگم۔ صفورہ بیگم۔

صفیہ بیگم۔ طاہر سعید۔ طاہر محمود۔ ظہیر عباس بٹ۔ عابدہ پروین۔ عاشق حسین بٹ۔ عاصمہ طاہر۔ عامر حسین بٹ۔ عامر حسین قریشی۔ عائشہ اقبال۔ عائشہ حسن۔ عائشہ مسعود۔ عبد القادر۔ عبدالرزاق۔ عبد العزیز۔ عبد القدیر۔ عبدالمجید۔ عبیدہ اللہ۔ عدنان۔ عذرا سلطانہ۔ عذرا۔ عصمت حسین۔ علی حسن۔ عمران جاوید۔ عمران۔ فاطمہ تبسم۔ فائزہ مجاہد۔ فائزہ۔ فتح بی بی۔ فرح اقبال۔ فرحت یاسمین۔ فوزیہ اشرف۔ فیروزہ بی بی۔ قدسیہ۔ قمر عباس بٹ۔ قمر فاروق۔ قیصرہ بی بی۔ کاشف جاوید۔ کاشف۔ کامران جاوید۔ گل فرین۔ ماہ رخ۔ مبارک الٰہی۔ محمد اذکار۔ محمد اشرف۔ محمد افضل۔ محمد اقبال۔ محمد ذیشان۔ محمد رفیق۔ محمد شہباز۔ محمد عابد۔ محمد عابد۔ محمد علی بٹ۔ محمد عمر۔ محمد فراحت۔ محمد مختار۔ محمد نذیر۔ محمد یعقوب۔ محمد یوسف۔ محمودہ بیگم۔ مختار ملک۔ مسرت۔ مسعودہ۔ مسعود احمد گل۔ مصباح۔ مظفر بی بی۔ مظفر بیگم۔ ممتاز بیگم۔ منیر احمد۔ موحد۔ مومنہ احمد۔ مہوش شاہد۔ ناظمہ طاہر۔ ناصر خان۔ ناہید حمید۔ نجیب۔ ندیم احمد۔ ندیم حمید۔ نساء بی بی۔ نسرین بی بی۔ نسرینہ۔ نسیم اختر۔ نسیم بیگم۔ نصرت بی بی۔ نصرت پروین۔ نصرت کمال۔ نعمان حسن۔ نعیم احمد۔ نعیم حمید۔ نقاش حسن۔ نگہت ملک۔ نور جہاں۔ نوشابہ خان۔ نوید حمید۔ نوشین بی بی۔ فائزہ اکرام۔

فیصل آباد:- آسیہ سرفراز۔ آفتاب جمال۔ اللہ بخش۔ احمد حسین۔ احمد سلمان۔ احمد مسعود۔ ارشد فیاض۔ ارم خوشنود۔ ارم شاہین۔ اریبہ اسد۔ اسماء مسعود۔ افشاں صادق۔ اقراء اختر۔ ام حبیبہ۔ ام کلثوم۔ انجم بلال۔ انجم سرفراز۔ انجم۔ انور خان۔ انور منصور۔ باسط عزیز۔ بشریٰ جاوید۔ بشریٰ شیخ۔ پروین اختر۔ تحریم شیخ۔ تنویر احمد۔ جابر حفیظ۔ جاوید اقبال۔ جمیل اختر۔ حاجی عزیز۔ حریم شیخ۔ حمیرا یاسمین۔ خالد محمود۔ خالد محمود۔ خرم سرفراز۔ خوشنود احمد۔ ذکیہ۔ ذوالفقار علی۔ ذیشان فاروقی۔ رئیسہ خاتون۔ راج بیگم۔ راحت حسین۔ راشد گل۔ راشد منیر۔ رضوان احمد۔ رضوان۔ رفعت شاہین۔ رقیہ شاہین۔ روبینہ شاہین۔ زاہد وسیم۔ زاہدہ یاسمین۔ زرافشاں۔ زرین تاج۔ زیب النساء۔ ساجد جاوید۔ ساجد حسین۔ ساجد علی۔ ساجد منیر۔ سرفراز اللہ خان۔ سرفراز خان۔ سعد حسین۔ سعدیہ کنول۔ سعید۔ شازیہ اعظم۔ شازیہ۔ شاہ میر۔ شاہد اقبال۔ شاہدہ یاسمین۔ شیراز عطاری۔ صفیہ۔ طارق محمود۔ طارق۔ عابدہ صادق۔ عاشر رفیق۔ عاطف اسماعیل۔ عامر اقبال۔ عباس فارقی۔ عبدالرزاق۔ عبدالرشید۔ عبدالسلام۔ عبدالمالک۔ عدنان۔ عدیل اختر۔ عذرا مقصود۔ عذرا۔ عرفات احمد۔ عرفان فاروقی۔ عظمیٰ نیاز۔ علی عمران۔ عمران۔ عنبر ارم۔ عنبرین اسلم۔ فدا۔ فرخ زوہیب۔ فیصل خوشنود۔ گلاب دین۔ گلزار بی بی۔ گلفرین ظہور۔ گلنار عظیم۔ لبنیٰ شاہین۔ محسن۔

محمد اختر۔ محمد ارشاد۔ محمد اسلم۔ محمد آصف۔ محمد افضل۔ محمد اقبال۔ محمد شفیع۔ محمد شفیق۔ محمد شکیل۔ محمد صادق۔ محمد عثمان۔ محمد عزیز۔ محمد عظیم۔ محمد مسکین۔ محمد نعمان۔ محمد نواز۔ مدثر احمد۔ مریم جان۔ مسرت جہاں۔ مصباح۔ ملک عابد۔ مہرین شیخ۔ مہرین فاطمہ۔ میاں محمد۔ نازیہ حکیم۔ نازیہ کنول۔ نصیر احمد۔ نصیر الدین۔ نعمان۔ نکہت جبیں۔ نکہت طاہرہ۔ نور خانم۔ نورالبشر۔ نورین فاطمہ۔ نوشین اسلم۔ نوید اسلم۔ نوید حسین۔ نویدہ۔ وقار احمد۔ وقار احمد۔ وقار عدیل۔ یاسمین اختر۔

ملتان:- آپا منظور النساء۔ ارسلان۔ ارشد۔ ارم۔ اسد۔ اسلم۔ آصف۔ افروز۔ اقبال۔ امام الدین۔ امان اللہ۔ آمنہ۔ امیر گل۔ امیر۔ انیلا۔ بشیر۔ ثمینہ۔ جان محمد۔ جعفر۔ حاجی غلام رسول۔ حافظ قربان۔ حسن بخش۔ حسن علی۔ حسین علی۔ حلیم۔ حماد۔ خدیجہ۔ دانش نیاز۔ دلنواز۔ دین محمد۔ ذوالفقار۔ رابعہ رضوانہ۔ راحیلہ۔ رخسانہ۔ رضیہ۔ رمضان۔ روشن۔ ریحانہ۔ ریشم۔ ساجد۔ سبحان بیگم۔ سجاد حسین۔ سجاد علی۔ سعید۔ سکندر۔ سلیم خان۔ سلیم۔ سلیمان۔ سمیر۔ سمیع اللہ۔ سمیع۔ سوحیل۔ سونیا۔ شائستہ۔ شازیہ۔ شاہد علی۔ شاہنواز۔ شبیر۔ شمائلہ۔ شمشاد۔ شہناز۔ صبور۔ صدوری۔ الطاف۔ عائشہ۔ عابد جتوئی۔ عابدہ۔ عامر۔ عبدالغنی۔ عبد القدیر۔ عبد المالک۔ عثمان۔ عطاء اللہ۔ علی گوہر۔ عمار۔ غزل۔ غوث بخش۔ فاضل۔ فاطمہ۔ فرزانہ ارشد۔ قرۃ العین۔ کائنات۔ گل شیر۔ ماروی۔ ماریہ۔ مبارک علی۔ مجتبیٰ شاہ۔ محسن عباسی۔ ملک طاہر۔ منظور احمد۔ منظور۔ منور۔ مہران۔ میر زادی۔ نازیہ۔ ناہید۔ نعیم۔ نواب خاتون۔ نور محمد۔ نوید۔ نیاز محمد خان۔ نیک محمد۔ وحید۔ وزیران۔ وقار۔ ہدایت خاتون۔ ہیر۔ یاسمین۔

گجرات:- آغا شاہد۔ ارشاد بی بی۔ امتیاز۔ بابر صدیق۔ بلقیس اختر۔ تنویر المصطفیٰ۔ تنویر حسین۔ جاوید اقبال۔ جاوید اقبال۔ جاوید۔ جمال بی بی۔ حافظ محمد اصغر۔ حسین بی بی۔ حکیم محمد ارشد۔ خورشید بی بی۔ داؤد احمد۔ رابعہ بی بی۔ راشد محمود۔ رضوان صاحب۔ رضیہ بیگم۔ رفعت زاہد۔ زرینہ اختر۔ سائرہ۔ ساجدہ۔ سارہ۔ سرداراں بی بی۔ سعید اختر۔ سعیدہ بانو۔ سکینہ بی بی۔ سلیم احمد۔ شاہ بیگم۔ شاہد صدیق۔ شریف بی بی۔ شمائلہ جبین۔ شمیم ہارون۔ شہناز کوثر۔ شہناز۔ صفدر حسین۔ صفیہ بیگم۔ صفیہ۔ طاہر اصغر۔ طیبہ عنصر۔ ظفر اقبال۔ ظہیر اقبال۔ عالیہ بانو۔ عارفہ جبین۔ عامر شاہ۔ عبد الغفار۔ عنبرین۔ غلام فاطمہ۔ فیاض حسین۔ قمر سلطانہ۔ کاشف مجاہد۔ مبشر حسین۔ محمد اشرف۔ محمد شفیق۔ محمد عامر۔ محمد کاشف۔ محمد نواز۔ محمد یوسف۔ محمد یونس بٹ۔ مدیحہ شاہانہ فاروق۔ مرزا بشیر احمد۔ مسز پروین۔ مقبول احمد۔ مقصودہ۔ ملک محمد انوار۔ منظور بی بی۔ نایاب۔ نجمہ النساء۔ ندیم اختر۔ نذیر بی بی۔ نفیسہ بی بی۔ نگہت بی بی۔ نوید اختر۔ ڈاکٹر سلیم۔ ڈاکٹر غلام ربانی۔ ڈاکٹر مریز۔ ہارون جلیل۔ یاسر اقبال۔

عاشق علی۔ عبدالحفیظ۔ عبدالرؤف۔ عبدالسلام۔ عامر خان۔ عبید علی۔
عبید محسن۔ عدیل عارف۔ عذرا محمد گلزار۔ عرفان چیمہ۔ عزیز۔ علی
رضا۔ علی رضا۔ عمر۔ غوث اختر۔ فرحت جہاں۔ فرحت بی بی۔ فریدہ
جلال۔ فریدہ اوصاف۔ فقیر محمد اعجاز۔ فوزیہ زاہد۔ فہد۔ فہیم حسن۔
فیصل۔ قاضی توقیر۔ قاضی ظفر۔ قاضی ظفر۔ قاضی عادل عباس۔
قاضی مسعود عباس۔ قاضی مشرف۔ قاضی نادر۔ قاضی نادر۔ کاشف
عظیم۔ کاشف کلیم۔ کرن نبیل۔ کرنل نذر حسین۔ لالہ رخ۔ محمد
ابراہیم۔ محمد ارشاد۔ محمد ارشد۔ محمد اسحاق۔ محمد اسلم شاہد۔ محمد اسلم
بیگ۔ محمد افضل۔ محمد اقبال۔ محمد انور کمال۔ محمد انور۔ محمد
بخش۔ محمد حسین۔ محمد رضا فریدی۔ محمد رضوان۔ محمد زاہد۔ محمد سعید
اظہر۔ محمد شاہد سمیر۔ محمد شہزاد۔ محمد صادق۔ محمد طاہر۔ محمد طاہر
رضوان۔ محمد طاہر جاوید۔ محمد عارف۔ محمد عاصم۔ محمد عظیم۔ محمد علی
رضا۔ محمد علی۔ محمد عمیر۔ محمد عمیر فیاض۔ محمد فیاض شاہ۔ محمد فیصل۔ محمد
گلزار۔ محمد ندیم۔ محمد نعیم۔ محمد یعقوب۔ مشتاق خان۔ معاذ صدیقی۔
ملک عابد شاہ۔ ملک عابد۔ ملک کاشف۔ ملک کاشف۔ ملک محمد حنیف۔
منشی نور۔ منشی یونس۔ منشی یاور۔ منیر احمد۔ مہر سکندر۔ مہر محمد حسین۔
میاں احمد بخش۔ میاں اطہر۔ میاں ساجد حسام۔ میاں محمد نواز۔ نازش
جمیل۔ نازش علی۔ ناصر علی۔ ناصر جمال۔ نجمہ وحید۔ ندیم قادری۔
نزہت یٰسین۔ نزہت ریاض۔ نسرین جمیل۔ نسرین حیدر۔ نمرہ خان۔
نمرہ گل۔ نوازش علی۔ نومی احمد۔ وہاب ریاض۔ وہاب خلیل۔ ڈاکٹر
غلام علی۔ ڈاکٹر محمد ارشاد۔ یاسین۔ یونس۔

اٹک: -آصف۔ آفتاب احمد۔ آفتاب جمال۔ آفتاب حسین۔
آفتاب۔ احسان الدین۔ احمر شاہ۔ ارشد عمران۔ ارم خوشنود۔ اریبہ
نوید۔ افشاں۔ انجم بلال۔ انور مقصود۔ اویس مریم۔ ایمن شاہد۔ بشیر
احمد۔ بیگم عبدالرازق۔ پروین اختر۔ تنویر احمد۔ تنویر نذیر۔ جویریہ
شاہین۔ حاجی خوشنود احمد۔ حاجی عبد الرزاق۔ حاجی
عبدالعزیز۔ احمد نواز۔ حمید احمد۔ حمیرا یاسمین۔ رئیسہ خوشنود۔ راج
بیگم۔ روبینہ نصیر۔ زاہدہ یاسمین۔ زاہدہ وسیم۔ سجاد۔ سعید احمد۔ سعید
خان۔ سعیدہ بی بی۔ سہیل خوشنود۔ شازیہ۔ شاہد محمود۔ شاہدہ یاسمین۔
شبنم وسیم۔ شکیل احمد۔ شمع بی بی۔ شہباز۔ شیراز اجمل۔ صائمہ شیراز۔
صادق۔ صغراں بی بی۔ طارق سعید۔ طارق محمود۔ طیبہ۔ عابد علی شاہ۔
عابدہ صادق۔ عباد الدین۔ عباس علی فاروقی۔ عبدالرشید۔ عبد الوحید۔
عذرا بی بی۔ عذرا مقصود۔ عظمت سلطان۔ عظیم صدیقی۔ عنبرین اسلم۔
فیصل سلطان۔ فیصل خوشنود۔ کاشف عظیم۔ گلناز عظیم۔ اللہ بخش۔
ماہین۔ مبارک علی۔ مبشر عالم۔ محمد احمد سلمان۔ محمد ارسلان۔ محمد اسلم
ملک۔ محمد آصف صادق۔ محمد اعظم۔ محمد انور جاوید۔ محمد حسین۔ محمد
سلیم۔ محمد سلیم حیدر۔ محمد صادق۔ محمد فرحان شاہد۔ محمد قیوم۔ محمد
مسکین۔ محمد نعمان صادق۔ محمد عثمان صادق۔ محمود عالم۔ محمود۔ مدثر
عالم۔ مدیحہ وقار۔ مریم مشتاق۔ مریم عمیر۔ مصباح وقاص۔ ملک
گلاب دین۔ نادر اعجاز۔ نادیہ انور۔ نازیہ بی بی۔ ناصر اویس۔ ندیم
اویس۔ نسیم فردوس۔ نصیر الدین۔ نفیس احمد۔ نگہت عباس۔ نور البشر۔
نوید اسلم۔ نویدہ خوشنود۔ واجدہ فاریہ۔ وسیم صدیق۔ ہاجرہ شیراز۔

جہلم: -اسامہ گلزار۔ اسامہ احمد۔ اقبال بیگم۔ حبیب احمد۔
حماد۔ حنا خاتون۔ راشد محمود۔ ربیعہ طارق۔ رخشندہ تنویر۔ زریدہ کوثر۔
سجاد حسین۔ سلمان احمد۔ سلیمہ بی بی۔ سید قمرالنساء۔ سید منظور حسین
شاہ۔ شگفتہ بیگم۔ صائقہ نئیر۔ طاہر۔ ظہیر حسین۔ عابدہ شاہین۔ عالیہ
کوثر۔ عثمان احمد۔ عدیل احمد بٹ۔ عدیل احمد۔ عظمت علی شاہ۔ فرحت
یاسمین۔ فریدہ خانم۔ فریدہ کوثر۔ فہمیدہ بیگم۔ قاری ارشاد حسین ڈار۔
کلثوم بی بی۔ محفوظ بیگم۔ محمد اصغر۔ محمد امین۔ محمد سعید۔ محمد عظیم۔ محمد
قمر۔ محمد مسعود۔ محمد یاسر محمود۔ محمد آصف۔ محمد یعقوب۔ مدیحہ طارق۔
مس مقصودہ۔ مقبول بیگم۔ منیر حسین۔ نائلہ حنیف۔ ناہید اختر۔ نعمان
احمد۔ نقوی۔ نوید احمد۔ ولایت بیگم۔ ڈاکٹر تنویر حسین۔

شیخوپورہ: -امتیاز ربانی۔ بشریٰ سلطانہ۔ بلال سعید۔ پروین
اختر۔ تنویر۔ جمیلہ اختر۔ جنت بی بی۔ جنید۔ حسن بی بی۔ خاور۔ دیبا۔
رخسانہ۔ رضیہ پروین۔ رضیہ ظفر۔ رفعت رشید۔ رمضان۔ زبیدہ۔
فوزیہ۔ سحر انجم۔ سمیرا مبشر۔ سمیرا نیاز۔ شازیہ۔ شکیلہ صدیق۔ شہناز
اختر۔ صائمہ زریں۔ عابدہ شفیق۔ عارفہ محمود۔ عظمیٰ شہزادی۔ فرحانہ
بتول۔ فرحانہ یاسمین۔ کاشفہ مزمل۔ کوثر النساء۔ لبنیٰ اشرف۔ محمد
احتشام۔ محمد اسحاق۔ محمد شفیق۔ محمد وقار احمد۔ مسرت فزا۔ مسرت
ہاشمی۔ نادیہ اشرف۔ نازیہ جاوید۔ ناصرہ تبسم۔ نوید سعید۔

شاہ کوٹ: -امت الرشید۔ انوری یعقوب۔ پروین اختر۔
پروین۔ تسنیم اختر۔ ثناء۔ جمیلہ اختر۔ جنت بی بی۔ چندہ گلشن۔
زبیدہ۔ سحر انجم۔ سفینہ بی بی۔ سمیرا نیاز۔ شازیہ اشرف۔ شازیہ انجم۔
شائلہ نورین۔ شہناز اختر۔ عابدہ شفیق۔ عارفہ محمود۔ عظمیٰ اشرف۔
عظمیٰ شہزادی۔ کوثر النساء۔ لبنیٰ اشرف۔ مسرت افزاء۔ نادیہ پروین۔
یاسر حسین۔ فہمیدہ علی۔

کوٹ ادو: -اشرف علی۔ اقصیٰ اشرف۔ اکبر علی۔ امان اللہ۔
امتیاز علی۔ بابر حسین۔ بشریٰ بابر۔ ثنا ستار۔ جاوید اقبال۔ چوہدری اصغر
علی۔ حجاب فاطمہ۔ راشد تاج محمود۔ رفعت بی بی۔ روبینہ شاہین۔ سعدیہ
حمید۔ سکینہ بی بی۔ شکیل احمد۔ شائلہ بابر۔ شمیم اختر۔ صابرہ بی بی۔ ظفر
اقبال۔ عاقب ستار۔ عباس علی۔ عبدالحفیظ۔ عبدالحمید پاشا۔ عبدالحمید
کرمانی۔ عبدالرحمن۔ عبدالستار خان۔ عبدالطیف۔ عبدالقاسم۔ عطا
محمد۔ غلام مصطفیٰ۔ فیصل شہزاد۔ قیصر امین۔ محفوظ الرحمن۔

حدیثِ قدسی ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اے آدم کے بیٹے خرچ کر، کہ میں بھی تیرے اوپر خرچ کروں“.... پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے رات دن کے خرچ کرنے سے کچھ کم نہیں ہوتا“۔

(مسلم شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:

تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے۔

خدا کے نزدیک محبوب وہ ہے

جو عیالِ خدا کو نفع پہنچائے۔

(طبرانی)

حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ:

لوگوں کے لیے وہی

پسند کر جو اپنے لیے

پسند کرتا ہے تو، تو کامل

مسلمان ہے۔(بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے:
ملزم کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جانا اس سے
بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں کسی بے گناہ کو
نشانہ بنا ڈالے۔ (ترمذی)
مراقبہ ہال سیالکوٹ (برائے خواتین)
نگران: طاہرہ شمیم
محلہ محمد پورہ، شہباز کالونی، نزد آغا خان قبرستان،
سیالکوٹ پوسٹ کوڈ 51310
فون: 0322-7414780

والدین میری شادی نہیں کرنا چاہتے.....!!

☆☆☆

سوال: میری عمر تیس سال ہوگئی ہے۔ میں ایک بڑی کمپنی میں ممتاز پوزیشن پر کام کرتی ہوں۔ میں اپنے گھر سے دور ایک دوسرے شہر میں رہتی ہوں۔ ایک خاتون کا دوسرے شہر میں تنہا رہنا کافی مشکل ہے۔ ہمارے ہاں خواتین کو مختلف لوگوں کی جانب سے طرح طرح کی باتوں کا سامنا رہتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مجھے غیروں کی طرف سے نہیں بلکہ زیادہ تر خود اپنے گھر والوں کی طرف سے مخالفتوں، الزام تراشیوں اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ بیٹیاں باپ سے بہت اٹیچ ہوتی ہیں اور والد بھی بیٹیوں سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ میرے والد مجھ سے ہمیشہ ناراض رہے اور جہاں ہو سکا میری مخالفت کی۔

میرے والد معروف اصطلاح میں ایک شوقین مزاج مرد رہے ہیں۔ میں میٹرک میں تھی جب میں نے اپنے والد کو ایک خاتون کے ساتھ نامناسب حالت میں دیکھا۔ یہ بات میں نے اپنی امی کو بتائی۔

میری بات سن کر میری امی نے کہا کہ بیٹا میں تو کب سے صبر کئے بیٹھی ہوں لیکن اب تیرے والد اتنے بے باک ہوگئے ہیں کہ اپنے بچوں سے محتاط رہنا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔

اس واقعہ کے بعد سے میرے والد مجھ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے۔

انٹر میں میرے بہت اچھے نمبر آئے لیکن انہوں نے مجھے آگے پڑھانے سے انکار کر دیا لیکن اس وقت میری والدہ نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔

میرا داخلہ آئی۔بی۔اے میں ہوگیا۔

اب میرے والد نے میرے تعلیمی اخراجات اٹھانے سے انکار کر دیا۔ میری والدہ نے اپنے بھائی یعنی میرے ماموں سے ادھار لیا، کچھ میں نے ٹیوشن پڑھا کر

رقم جمع کی اس طرح سے میرا بی۔بی۔اے مکمل ہوا۔

بی۔بی۔اے کے بعد مجھے کراچی میں ایک اچھی ملازمت مل گئی۔ ملازمت ملنے کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنے ماموں کا ادھار واپس کرنا چاہا لیکن میرے ماموں نے کہا اس رقم کو میری طرف سے گفٹ سمجھو۔ میرے ماموں پہلے بھی کئی مرتبہ میری سرپرستی کرتے رہے ہیں۔ میں اپنی آدھی تنخواہ امی کو دینے لگی ہوں۔ اب میرے والد نے میری والدہ کو پیسے دینے بند کردیئے۔

میرے والد نے میری ملازمت پر بھی سخت اعتراضات کئے۔

ایم۔بی۔اے کرنے کے بعد مجھے کراچی سے باہر ایک کمپنی میں بہت اچھی آفر آئی جو میں نے قبول کرلی۔ اب میرے والد نے ایک طوفان کھڑا کردیا۔

انہوں نے دوسرے شہر میں رہنے کو میری آزاد خیال بتایا۔ انہوں نے یہ بھی کہا اسے غیر مردوں کے ساتھ دن رات گھومنے کا شوق ہے اور بھی بہت کچھ کہا۔

آئی بی اے میں تعلیم کے دوران ہی میرے رشتے آنے لگے تھے۔ اس وقت میں شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بی بی اے کرنے کے بعد بھی میرے لیے رشتے آئے لیکن اب میرے والد میری شادی کے معاملے میں بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ میرے لیے کئی رشتے آئے لیکن میرے گھر والوں کے سرد رویے کی وجہ سے وہ لوگ آگے نہیں بڑھے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ اب میری والدہ بھی میری شادی کے معاملے میں ٹال مٹول سے کام لے رہی ہیں۔

ایک صاحب جن کی عمر تقریباً چالیس سال ہے۔ انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔ ایک سینئر پوزیشن پر کام کرتے ہیں۔ ان صاحب نے مجھے پرپوز کیا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ میری شادی میرے والدین کی جانب سے طے ہو لیکن میرے والدین میرے کسی رشتے پر غور ہی نہیں کرتے۔ اگر میں نے اپنی شادی کا فیصلہ خود کرلیا تو میرے والد طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ وہ تو ابھی بھی کہتے ہیں کہ یہ دوسرے شہر اسی لیے گئی ہے کہ اس پر کوئی روک ٹوک نہ ہو اور یہ آزادانہ زندگی بسر کرے۔ اپنی شادی کا فیصلہ میں نے خود کرلیا تو میرے والد ساری عمر مجھے طعنے دیتے رہیں گے۔

جواب: رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورہ یوسف (12) کی آیت 67 میں سے

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیجیے۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اللہ تعالیٰ کے اسماء یَا عَزِیۡزُ یَا نَصِیۡرُ کا ورد کرتی رہیں۔

آپ نے بتایا ہے کہ آپ کے ماموں آپ کے بہت کام آتے رہے ہیں۔ اگر آپ کے والد آپ کی شادی کے معاملات میں دلچسپی نہیں لے رہے تو آپ ماموں سے رابطہ کیجیے، انہیں صورت حال سے آگاہ کیجیے۔ توقع ہے کہ آپ کے ماموں کی سرپرستی میں یہ کام انشاء اللہ خیر خوبی سے انجام پاجائے گا۔

ایک ہزار حضیر ہے اور ملائکہ عنصری

میں نے مرشد کو نہیں

مرشد نے مجھے ڈھونڈا....

☆☆☆

سوال: میری تعلیم تو واجبی سی ہے۔ میں نے صرف مڈل تک اسکول میں پڑھا ہے لیکن میرا روحانی علم بہت

عظیمی ریکی سینٹر.............تاثرات

(محمد ریاض.... کراچی)

تقریباً پانچ سال سے ڈسٹ الرجی میں مبتلا تھا۔ کئی علاج کروائے مگر خاص افاقہ نہیں ہوا بلکہ تکلیف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ گھر میں ڈسٹنگ سے مجھے سخت الرجی ہو جاتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں، ناک سے پانی بہنے لگتا، سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی، سر درد ہو کر بخار کی کیفیت رہتی۔

الرجی سے صحت کے ساتھ ساتھ پڑھائی بھی بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ اس مرض نے بے خوابی کا مریض بھی بنا دیا تھا۔ ایک روز میں نے عظیمی ریکی سینٹر سے رابطہ کیا۔ یہاں میرے تمام حالات جاننے کے بعد ریکی کے سیشن دیئے گئے۔ چند سیشن سے ہی الرجی میں کافی افاقہ ہوا۔ بے خوابی دور ہونے سے سر درد اور بخار کی کیفیت میں بھی کمی آئی ہے۔

وسیع ہو چکا ہے۔ شادی کے بعد مجھے روحانیت سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ میرے شوہر ایک بزرگ سے بیعت ہیں۔ شوہر کی زبانی ان کے پیر صاحب کی کئی کرامتیں اور ان بزرگ کے اعلیٰ مقامات کے بارے میں سنا۔

میں نے سوچا کہ مجھے روحانیت کے موضوع پر کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ مجھے ہاتھ دکھانے کا بھی بہت شوق رہا ہے چنانچہ میں نے پہلے دست شناسی اور پھر حاضرات اور عملیات پر کئی کتابیں پڑھیں۔

میرے شوہر بتاتے تھے کہ ان کے پیر صاحب بہت بڑی ہستی ہیں اور کئی جنات اور ہمزاد ان کے تابع ہیں۔ شوہر کی باتیں سن کر میں نے جنات اور موکلات کے موضوع پر بھی کتابیں پڑھیں۔

میں ملیر میں ایک بزرگ کے مزار پر ہر جمعرات کو حاضری دیتی تھی۔ اس دوران مجھے صاحب مزار کے ساتھ ساتھ کئی فرشتوں اور دوسرے بزرگوں کی زیارتیں بھی ہونے لگیں۔ بعد میں مزار پر حاضری کے علاوہ گھر میں بھی مجھے زیارتیں ہونے لگیں۔ میں مراقبہ میں بیٹھتی ہوں اور میرا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے۔

میرے شوہر نے مجھے کہا کہ میں ان کے پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤں لیکن میں نے انہیں بتایا کہ ابھی مجھے بیعت کا حکم نہیں ہوا ہے۔

پھر میں نے روحانی دنیا کے بارے میں چند اور کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان کتابوں سے مجھے مختلف نہروں اور ملائکہ کے مختلف طبقات کے بارے میں علم ہوا۔ مراقبے اور خواب میں پہلے میری ملاقاتیں بزرگوں اور فرشتوں سے ہوتی تھیں۔ ان کتب کے مطالعے کے کچھ عرصہ بعد خواب میں مجھے ملائکہ عنصری کی زیارتیں بھی ہونے لگیں۔

میں پابندی سے مراقبہ کرتی ہوں اور مختلف مشقیں کرتی ہوں۔ تقریباً بیس سال پہلے پھر میری ملاقات کراچی کے انتہائی مشہور روحانی ہستی سے ہوگئی۔ انہوں نے میری کیفیات سن کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور مجھے نئے انداز سے مراقبہ کرنے کے لیے کہا۔ میں ان بزرگ کی قیام گاہ نارتھ ناظم آباد جا کر کئی بار ان سے ملی اور انہیں اپنی کیفیات اور روحانی سفر کے بارے میں بتا کر ان سے رہنمائی لیتی رہی۔

بے شمار لوگ ان بزرگ سے ملاقات کے لیے اور بیعت ہونے کے متمنی رہتے تھے لیکن مجھ سے ان بزرگ نے خود ہی فرمایا کہ آؤ ہم تمہیں بیعت کرتے ہیں۔ دیکھیے.... !لوگ تو مرشد کو تلاش کرتے پھرتے ہیں لیکن مجھے میرے مرشد نے خود ڈھونڈ لیا یعنی میں نے مرشد کو نہیں بلکہ مرشد نے مجھے ڈھونڈا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ میں مراقبہ کے علاوہ کھلی آنکھوں سے بھی مشاہدہ کرتی ہوں۔ پاکستان اور ہندوستان میں بڑی بڑی روحانی ہستیاں گزری ہیں۔ میں جب چاہوں کسی بھی ہستی کے دربار میں جاکر ان سے مل سکتی ہوں۔

میری نظر کی بیداری کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ میں کھلی آنکھوں سے ایک ہزار حضیرے دیکھ لیتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصہ بعد میری سکت اور بڑھ جائے گی اور میں مزید حضیرے دیکھ سکوں گی۔

اوراد و وظائف اور مراقبوں کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ میں خلق خدا کی خدمت کے لیے روحانی علاج بھی کرتی ہوں۔ میرے پاس صرف عورتیں اپنے مسائل لے کر آتی ہیں۔ مردوں سے میں نہیں ملتی۔ بابا جی کی ہدایت کے مطابق میں انہیں دم کر دیتی ہوں یا تعویذ دے دیتی ہوں۔

محترم بھائی.... آپ کو یہ سب بتانے کا مقصد اپنا تعارف کروانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ کے والد محترم بابا جی سے کافی عرصے سے میری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔

گزشتہ چند ماہ میں جب بھی ملاقات کے لیے وقت مانگوں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ آج کل ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ انہیں صحت عطا فرمائے لیکن میرا ان سے ملنا بھی بہت ضروری ہے۔ آپ بتائیے کہ میں کیا کروں....!

جواب: آپ نے اپنے تحیّر خیز روحانی سفر اور بلند و بالا پروازں کے بارے میں بتایا۔ آپ کی ان باتوں سے آگہی کے دوران مجھے یہ خیال آتا رہا کہ میرے والد محترم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ایسی باتیں کرنے والے کئی لوگوں کو باقاعدہ نفسیاتی علاج کا مشورہ دیتے رہے ہیں۔

باباجی سے ملاقات سے پہلے مناسب ہو گا کہ آپ کسی سرکاری یا پرائیوٹ ہسپتال میں نفسیاتی ڈاکٹر کو دکھائیں۔ ان کی تجویز کردہ ادویات باقاعدگی سے لیں اور ان کے دیگر مشوروں پر بھی عمل کریں۔

☆☆☆

فصل پر بندش

سوال: میرے دادا کے انتقال کے بعد اُن کی زمین میرے والد اور ان کے تین بھائیوں میں تقسیم ہوئی۔ سب نے اپنے اپنے حصے پر زراعت شروع کر دی۔

میرے چھوٹے چچا نے کاشت کاری پر نہ تو زیادہ توجہ دی اور نہ کوئی خاص محنت کی۔ اس لیے ان کی فصل اچھی نہیں ہوئی۔ ہماری زمین پر فصل بہت اچھی ہوئی۔

چچا نے اپنے بھائیوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے مجھے ناقابل کاشت زمین دی ہے۔ چچا اپنے بھائیوں سے لڑنے لگے خاص کر میرے والد صاحب سے ان کی اکثر لڑائی ہوتی تھی۔

تین سال اچھی فصل کے بعد مسلسل دو بار ہماری فصل بہت خراب ہوئی۔ دوسری بار فصل کی خرابی کے بعد والد صاحب نے تمام زمین اچھی طرح صاف کروائی تو زمین کے ایک کونے سے چند تعویذ برآمد ہوئے

جنہیں والد صاحب نے نہر میں بہادیا۔

اب نئی فصل بونا شروع کی تو زمین کے مختلف کونوں سے پھر ایک ایک تعویذ ملا۔ پیش امام کو یہ تعویذات دکھائے تو انہوں نے کہا کہ کسی حاسد نے تمہاری فصل برباد کرنے کے لیے یہ تعویذ زمین میں دبادیئے ہیں۔

والد صاحب بہت پریشان ہوئے۔ صدقہ بھی دیا جس سے کچھ سکون ملا لیکن فصل پھر خراب ہونا شروع ہوگئی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے تعویذ کے عمل کا توڑ کروائیں اس کے بعد آپ کی فصل کو نشو نما ہوگی۔

برائے کرم آپ ایسا عمل بتائیں کہ بد عملیات کا اثر ختم ہوجائے اور ہماری زمین پہلے کی طرح زرخیز ہوجائے۔

جواب: کسی بڑے برتن میں پانی ڈال کر 101 مرتبہ سورہ نور (24) کی آیت 35

اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اس پانی پر سات مرتبہ دم کیا جائے، اس کے بعد یہ دم کیا ہوا پانی اس زمین پر یا فصلوں پر چھڑک دیا جائے۔ یہ عمل متواتر سات روز تک کیا جائے یعنی سات دن تک روزانہ 101 مرتبہ یہ آیات پڑھ کر پانی پر دم کردیا جائے اور یہ پانی زمین یا فصلوں پر چھڑکا جائے۔

متاثرہ زمین پر جاکر فجر کی نماز ادا کریں اور نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ النحل (16) کی آیت 10 تا 13

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً

سے لے کر

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر زمین پر چاروں طرف رخ کر کے دم کردیں۔

واضح رہے کہ یہ تلاوت گھر کے کسی فرد کی جانب سے ہو۔ یہ کام باہر کے کسی فرد پر نہ چھوڑا جائے۔

نظر بد اور عمل بد سے نجات اور حفاظت کے لیے صدقہ خیرات ایک مضبوط ڈھال کا کام کرتے ہیں۔ متاثرہ زمین پر متواتر سات روز تک روزانہ ایک اچھے صحت مند جانور کا صدقہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ بھی صدقہ خیرات کیا جائے۔ اپنے آس پاس ضرورت مندوں اور مستحقین کا خیال رکھیں۔ بہت سے سفید پوش گھرانے بہت زیادہ ضرورت مند ہوتے ہیں، لیکن وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ بہتر ہوگا کہ اپنے علاقے میں مستحقین کو ڈھونڈ کر انہیں مدد فراہم کی جائے۔ ایسے مستحق لوگوں میں رشتہ دار بھی ہوسکتے ہیں، پڑوسی اور دوسرے لوگ بھی ہوسکتے ہیں۔

خوشحال افراد کو خرچ کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتے داروں اور پھر پڑوسیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر ان میں کوئی مستحق ہو تو اس خرچ کی ابتداء ان سے کرنی چاہیے۔

بیٹا پیدا نہ ہوا تو....

☆☆☆

سوال: میری شادی کو آٹھ سال ہوگئے ہیں۔ میری چار بیٹیاں ہیں۔ چوتھی بیٹی کی پیدائش کے بعد شوہر مجھ سے ناراض ہوگئے کہ تم بیٹیاں ہی پیدا کررہی ہو، بیٹا کیوں نہیں پیدا کرتی۔

اب انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر اس مرتبہ بیٹا نہیں ہوا تو میں دوسری شادی کرلوں گا۔ مجھے بہت کم توجہ دینے لگے ہیں۔ زیادہ تر بیٹے کے بارے میں بولتے رہتے ہیں۔

بیٹا یا بیٹی اللہ کی دین ہے۔ میں اس میں کیا کر سکتی ہوں۔ میرے والدین حیات نہیں ہیں۔ ایک ضعیف خالہ ہیں جنہوں نے مجھے پال پوس کر میری شادی کی ہے۔

اگر شوہر نے دوسری شادی کر لی تو میں چار بیٹیوں کو لے کر کہاں جاؤں گی۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد 300 مرتبہ اسم الٰہی

یَا اَوَّلُ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر پانی پر دم کر کے میاں بیوی دونوں پئیں۔ یہ عمل کم از کم تین ماہ تک جاری رکھیں۔

رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورہ انبیاء (21) کی آیت 89 میں سے

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اولاد نرینہ کے لیے دعا کریں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسم الٰہی یَا وَارِثُ کا ورد کرتی رہا کریں۔

محنتی شوہر کے نکمے بھائی

☆☆☆

سوال: میری شادی کو سات سال ہو گئے ہیں۔ میری ایک بیٹی ہے جس کی عمر چار سال ہے۔ میرے شوہر کے چھ بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ شوہر بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔

دس سال پہلے اپنے والد کے انتقال کے بعد میرے شوہر نے ان کا کاروبار سنبھال لیا تھا۔ گزشتہ دس سالوں میں انہوں نے اپنی شادی کے بعد اپنے دو بھائیوں اور ایک بہن کی شادی بھی کی ہے۔

میرے شوہر کے علاوہ کوئی بھائی کام نہیں کرتا اور نہ ہی میرے شوہر کے ساتھ کاروبار میں مدد کرتے ہیں۔ بس گھر بیٹھے کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔

اگر کبھی کسی وجہ سے بہن یا بھائی کی خواہش پوری نہ ہو تو ساس صاحبہ میرے شوہر کی کلاس لے لیتی ہے کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

ان کے اس رویہ سے سب بہن بھائیوں پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔ سب بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑا بھائی والد کے کاروبار سے کما رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ ہماری خواہشات پوری کرے۔

یہ سب کچھ ساس صاحبہ کی شہ پر ہو رہا ہے۔ اگر وہ چاہتیں تو باقی بیٹوں کو بھی کام کرنے کی ترغیب دے سکتی ہیں لیکن انہوں نے سارا بوجھ میرے شوہر پر ڈال رکھا ہے۔

میرے شوہر خاموش طبیعت کے مالک ہیں اور اپنی والدہ کی عزت بھی بہت کرتے ہیں۔ دو دن پہلے چھوٹے بھائی نے دوستوں کے ساتھ پاکستان ٹور پر جانے کے لیے پیسے مانگے تو میرے شوہر نے منع کر دیا جس پر ساس صاحبہ اور سب بہن بھائیوں نے بہت ہنگامہ کیا۔ مجھے میری بیٹی اور شوہر کو گالیاں دیں اور شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس واقع سے میرے شوہر بہت افسردہ ہو گئے۔

صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کی اس گھر میں عزت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ پیسے کما کر ان کی خواہشات پوری کرتے رہیں۔

میرے شوہر کہتے ہیں کہ اب ہم ان کے ساتھ نہیں رہیں گے لیکن وہ یہ بات اپنی والدہ سے کہتے ہوئے ڈر رہے ہیں۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد 101 مرتبہ سورہ کہف (18) کی آیت 16 میں سے

رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ۝

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر حالات میں بہتری کے لیے اور آسانیاں ملنے کی دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس یا دو ماہ تک جاری رکھیں۔ ناغہ کے دن شمار کر کے بعد میں پورے کریں۔

پڑھائی سے عدم توجہ

☆☆☆☆

سوال: ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی صاحب....!

میں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ میرے تین بچے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا اس وقت آٹھویں کلاس میں پڑھتا ہے۔ ساتویں کلاس تک تو بہت اچھا پڑھتا رہا ہے۔ اس سال آہستہ آہستہ پڑھائی میں کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ دلچسپی بھی کم ہو گئی ہے۔ پڑھائی کے دوران بھی اس کا ذہن حاضر نہیں ہوتا۔ ہر وقت خیالوں میں کھویا ہوا رہتا ہے۔

پڑھائی میں اس کا یہی حال رہا تو کہیں وہ فیل نہ ہو جائے۔

جواب: صبح شام اکیس اکیس مرتبہ

اللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا حِكْمَتَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَام ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر ایک ایک چمچہ شہد پر دم کر کے پلائیں اور بیٹے پر دم بھی کر دیں اور پڑھائی میں یکسوئی اور دل لگنے کے لیے دعا کریں۔ یہ عمل ایک ماہ تک جاری رکھیں۔

اس کے علاوہ رات سونے سے پہلے چھ عدد بادام پر تین مرتبہ "یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ط" پڑھ کر دم کر دیں۔

دو بادام کی گری رات کو سوتے وقت، دوسری گری صبح نہار منہ اور تیسری گری دوپہر کھانے سے پہلے بیٹے کو کھلا دیں۔ یہ عمل اکیس روز تک جاری رکھیں۔

معاشی پریشانی

☆☆☆☆

سوال: میری شادی کو تین سال ہو گئے ہیں۔ میں بعض وجوہات کی بنا پر اپنی والدہ کے ساتھ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہ رہی ہوں۔ میرے شوہر اپنی پہلی بیوی بچوں کے ساتھ الگ رہتے ہیں۔ مجھے خرچہ وغیرہ بھی نہیں دیتے۔

میں گزشتہ پندرہ سال سے ایک بیوٹی پارلر میں جاب کر رہی تھی۔ والدہ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اپنا بیوٹی پارلر کھول لوں۔ اس کے لیے انہوں نے مجھے رقم بھی دی۔ میں نے ایک مناسب علاقے میں اپنا بیوٹی پارلر کھول لیا۔ میرا بیوٹی پارلر ایک سال تک تو بہت اچھا چلا۔ گزشتہ چند ماہ سے بیوٹی پارلر کا کام بہت کم ہو گیا۔ کلائنٹ آتے ہیں، پوچھتے ہیں اور پھر آنے کا کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ اب تو دکان کا کرایہ اور بجلی کا بل نکالنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔

جوائنٹ فیملی میں رہنے کی وجہ سے میں دو ماہ سے گھر میں مالی معاونت نہیں کر سکی جس کی وجہ سے والدہ اور بھائی ناراض ہو رہے ہیں۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد باوضو ہو کر مصلے پر قبلہ رخ بیٹھ کر 101 مرتبہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۝

پڑھ کر روزگار میں برکت اور ترقی کے حصول کے لیے دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم ایک ماہ تک جاری رکھیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے یاحی یاقیوم کا ورد کریں۔ ہر جمعرات کو پابندی سے گیارہ یا پندرہ روپے خیرات کر دیا کریں۔

نہ مکان بنا نہ رقم ملی

☆☆☆

سوال: ہم نے آج سے پانچ سال پہلے ایک ہاؤسنگ اسکیم میں ساڑھے تین مرلے کا مکان بک کروایا۔ یہ اسکیم تین سال کی تھی۔ جس میں قسطوں پر رقم دینی تھی۔

تین سالوں کے بعد قسطیں پوری ہونے پر ہمیں مکان کا قبضہ ملنا تھا۔ اب پانچ سال ہو چکے ہیں۔ جہاں پروجیکٹ شروع ہونا تھا وہاں کی زمین ابھی تک ویسے کی ویسی ہی پڑی ہوئی ہے۔ جب بھی ہم آفس سے معلوم کرتے ہیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ایک دو سال اور لگ جائیں گے۔ ہم اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا کہتے ہیں تو وہ صاف منع کر دیتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کرنے پر بھی ڈر لگتا ہے۔

شوہر نے ملازمت کے دوران جو کچھ کمایا وہ قسطوں میں دیتے رہے۔

جواب: رات سونے سے پہلے گیارہ سو مرتبہ اسم الٰہی یَا فَتَّاحُ گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے مقصد کے حصول کی دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم نوے دن تک جاری رکھیں۔

بیگم کا مطالبہ....

☆☆☆

سوال: میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں۔ میری تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹا کوئی نہیں ہے۔ میری بیوی جب تک اپنے گھر میں رہتی ہے ٹھیک رہتی ہے۔ میرا اور بچوں کا اچھی طرح خیال رکھتی ہے اور گھر میں بھی کسی قسم کا کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا۔ چھ ماہ سال میں ایک مرتبہ میری اہلیہ چند ہفتوں کے لیے دوسرے شہر میں میکے جاتی ہے۔ وہاں سے واپسی پر کئی ہفتوں تک مجھ سے بہت لڑائی جھگڑے کرتی ہے۔

وہ ایسا کئی بار کر چکی ہے۔ کہتی ہے کہ تم بھی اس شہر میں ہی ملازمت کر لو۔

وقار صاحب.... میں اپنے بوڑھے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ان کے ساتھ رہتا ہوں۔ میرے علاوہ والدین کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اسے میکے میں کوئی اکساتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسی باتیں کرتی ہے۔

جواب: رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورہ احزاب (33) کی آیت 43

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنی اہلیہ کا تصور کر کے دم کر دیں اور اہلیہ کی طرز فکر میں اصلاح اور حسن سلوک کی توفیق ملنے کی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس روز یا زیادہ سے زیادہ نوے روز تک جاری رکھیں۔

پھٹی ہوئی ایڑیاں

☆☆☆

سوال: میری عمر پچاس سال ہے۔ گزشتہ پانچ سال سے مجھے ہاتھ پاؤں کی ایڑی پھٹنے کی شکایت

ہے۔ ایڑیاں تو پورے سال ہی پھٹی رہتی ہیں لیکن سردیوں میں بہت زیادہ پھٹ جاتی ہے اور کبھی کبھی خون بھی رستا ہے۔

میں مختلف کریمیں اور لوشن استعمال کرتی ہوں جس سے وقتی طور پر تو فائدہ ہوتا ہے لیکن کچھ دن بعد پھر ایڑیاں پھٹنے لگتی ہیں۔

برائے مہربانی ایسا گھریلو نسخہ تجویز فرمائیں جس سے کم از کم سردیوں میں میری ایڑیاں نہ خراب ہوں۔

جواب: کوئی بھی باتھ صابن لے کر کدو کش کر کے اس میں عرق گلاب ملا کر حل کرلیں۔ گلیسرین ملا کر پیسٹ بنالیں۔

حسب ضرورت رات سونے سے پہلے پھٹی ہوئی ایڑیوں کو صاف کر کے لیپ کرلیں۔ صبح نیم گرم پانی سے دھولیں۔

ساس نندوں نے محاذ بنالیا ہے

☆☆☆

سوال: دو سال پہلے ہماری ایک جاننے والی نے ایک رشتہ بتایا۔ گھر والوں نے بغیر چھان بین کے فوراً حامی بھرلی۔ چند ماہ میں ہی میری شادی ہوگئی۔

شادی کے بعد ابتدائی چند ہفتوں کے علاوہ میں نے ایک دن بھی سسرال میں سکون کا نہیں گزارا۔ میری ساس اور تین نندیں مجھے چھوٹی چھوٹی بات پر تنگ کرتی ہیں۔ پہلے تو میں نے بہت برداشت کیا۔ ایک دن میں نے شوہر کو سب کچھ بتادیا۔ شوہر نے میرا ساتھ دیا تو ماں بہنیں ان کے پیچھے پڑگئی۔ بہنوں کے دباؤ میں آکر میرے شوہر نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

اب میرے شوہر کہتے ہیں کہ جیسا میری ماں اور بہنیں کہیں تمہیں ویسا ہی کرنا پڑے گا نہیں تو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔

میں سارا دن ساس اور نندوں کی جلی کٹی باتیں سنتی رہتی ہوں۔ میری ساس بیٹے کے گھر آنے سے کچھ دیر پہلے اپنا موڈ خراب کر کے بیٹھ جاتی ہے اور جیسے ہی بیٹا گھر میں داخل ہوتا ہے تو رو رو کر میری شکایتیں لگاتی ہے۔ میرے شوہر غصے میں آجاتے ہیں۔ کئی مرتبہ تو انہوں نے مجھ پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے۔ نندیں مسکرا کر مجھے دیکھتی ہیں۔ مجھے اب اپنے شوہر سے ڈر لگنے لگا ہے کہ پتہ نہیں کس وقت وہ تشدد شروع کردیں۔

جواب: رات کو سونے سے قبل اکتالیس مرتبہ سورہ الانعام (6) کی آیت نمبر 165

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر دعا کریں کہ آپ کی ساس، نندوں اور شوہر کو آپ کے ساتھ محبت و شفقت اور احترام کے ساتھ پیش آنے کی توفیق عطا ہو۔

یہ عمل کم از کم چالیس روز تک جاری رکھیں۔ ناغہ کے دن شمار کر کے بعد میں پورے کرلیں۔

بیرون ملک ملازمت

☆☆☆

سوال: میں نے B.Sc کیمسٹری کیا ہوا ہے اور ایک مقامی کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں۔ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے میں کئی سال سے کوشش کر رہا ہوں کہ مجھے مڈل ایسٹ میں کسی اچھی کمپنی میں ملازمت مل جائے لیکن تاحال کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد 101 مرتبہ سورہ شوریٰ (42) کی آیت 19

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مقصد میں آسانیاں اور کامیابی حاصل ہونے کی دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم مقصد پورا ہونے تک جاری رکھیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسمائے الٰہیہ یَافَتَّاحُ یَارَزَّاقُ کا ورد کرتے رہا کریں۔

حسبِ استطاعت صدقہ بھی کر دیں۔

وطن واپس آنا چاہتا ہوں

☆☆☆

سوال: میرے شوہر دو سال پہلے مڈل ایسٹ گئے تھے۔ جس کفیل کے پاس گئے تھے اس کا کام نہیں چلا تو اس نے اپنا کاروبار بند کر دیا اور میرے شوہر کو اپنے کزن کے پاس بھیج دیا۔ شروع کے تین مہینے تو اس نے باقاعدگی سے تنخواہ دی۔ اس کے بعد چھ ماہ سے کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے بس تھوڑا بہت جیب خرچ دے دیتا ہے۔

میرے شوہر نے اپنے کفیل سے اس کے کزن کی شکایت بھی کی۔ کفیل کہتا ہے کہ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے شوہر بہت پریشان ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں یہاں بہتر مستقبل بنانے کے لیے آیا تھا لیکن یہاں آکر تو میں ایک بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔

چھ ماہ سے انہوں نے گھر میں بھی کچھ نہیں بھیجا۔ وہ پاکستان واپس آنا چاہتے ہیں لیکن ان کا کفیل انہیں نہیں چھوڑ رہا۔

آپ سے التماس ہے کہ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ میرے شوہر کی ان کی گزشتہ تنخواہ ان کو مل جائے اور وہ خیر و عافیت کے ساتھ پاکستان واپس آجائیں۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد 101 مرتبہ سورہ آل عمران کی آیت 174:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر خیر و عافیت کے ساتھ وطن واپسی کی دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس روز تک جاری رکھیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسم الٰہیہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ورد کرتے رہا کریں۔

حسب استطاعت صدقہ کر دیں۔

کسی جن بھوت کا قصہ سنوں تو....

☆☆☆

سوال: چند مہینوں سے میری طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے۔ دل پر دباؤ ہوتا ہے۔ دل کی دھڑکن کبھی بڑھ جاتی ہے کبھی رکنے لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دل بند ہو جائے گا۔

سر میں چکر اور پریشر محسوس ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں سن ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھار پورا جسم سن ہو جاتا ہے۔ سانس لینے میں مشکل اور بازو اور کندھوں میں درد ہوتا ہے۔ زبان میں کھنچاؤ اور بولنے میں مشکل ہوتی ہے۔

چند دن پہلے ایسا لگا جیسے شاید نزع کا وقت ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں شاید مر جاؤں گی۔ ہر روز جیسے نئی زندگی ملتی ہے لیکن میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔

میں دوائیں کھا کھا کر تھک چکی ہوں۔ کوئی دوا اثر نہیں کرتی بلکہ میں کھانا بالکل سادہ اور پرہیزی کھاتی ہوں۔ کچھ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گیس ہے تو کوئی کہتا ہے کہ ڈپریشن ہے۔ گیس خارج ہونے سے آرام ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ Nasal Allergy اور Chest Congestion بہت رہنے لگی ہے۔ پہلے دو تین سال سے کم تھی مگر اب بہت بڑھ گئی ہے۔ گاڑیوں کا تھوڑا سا دھواں یا کچن میں مسالے وغیرہ بالکل برداشت نہیں ہوتے۔

کوئی تھوڑا سا مسئلہ آجائے یا گھر میں کسی کی طبیعت خراب ہو تو اس سے زیادہ میں بیمار ہو جاتی ہوں۔ بہت جلد گھبرا اور ڈر جاتی ہوں۔ کسی جن بھوت کا قصہ سنوں یا کسی کی بیماری کا سنوں تو بھی مجھے بہت گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔

میرے لیے دعا کیجئے کہ میں مکمل صحت یاب ہو جاؤں۔

جواب: کلر تھراپی کے اصولوں کے مطابق نیلی شعاعوں میں تیار کردہ پانی ایک ایک پیالی صبح شام پئیں۔ زرد شعاعوں میں تیار کردہ پانی ایک ایک پیالی دوپہر اور رات کھانے سے پہلے پئیں اور نارنجی شعاعوں میں تیار کردہ پانی ایک ایک پیالی دوپہر اور رات کھانے کے بعد پئیں۔

ان تکالیف میں یونانی مرکب دواء المسک معتدل کا صبح، دوپہر اور شام اور شربت شفا دوپہر اور رات کھانے سے قبل لینا بھی مفید ہے۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسمائے الٰہیہ یَا شَافِیُ یَا سَلَامُ کا ورد کرتی رہا کریں۔

حسب استطاعت صدقہ کر دیں۔

خود اعتمادی بحال ہوجائے

☆☆☆

سوال: میری عمر ستائیس سال ہوگئی ہے۔ دس سال پہلے ایک غلطی کرنے پر والد صاحب نے مجھے بہت ڈانٹا تھا۔ اس کے بعد سے مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں ہر کام کرنے سے پہلے بہت سوچتا ہوں۔ اس کے باوجود وہ کام وقت پر نہیں کرتا جس کی وجہ سے بعد میں بہت پچھتاتا ہوں۔

میں اپنا زیادہ تر وقت سوچ بچار میں ہی گزار دیتا ہوں۔ اب کچھ عرصے سے میں لوگوں کو فیس کرنے سے ڈرنے لگا ہوں کہ وہ کوئی بات پوچھیں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اگر گھر میں کوئی رشتہ دار ملنے آجائے تو اس کے پاس بیٹھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ میں اس سے کیا بات کروں بس خاموش بیٹھا رہتا ہوں۔ احساس کمتری میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی مراقبہ بتائیں جس سے میری خود اعتمادی بحال ہو جائے۔ میں نے کئی مرتبہ حسب ضرورت مراقبہ کیے ہوئے ہیں۔

جواب: رات سونے سے پہلے باوضو ہو کر آرام دہ نشست میں بیٹھ جائیں۔ 101 مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے تصور کریں کہ "آپ کے سینے میں گلابی روشنیاں بھری ہوئی ہیں۔"

یہ مراقبہ روزانہ پندرہ بیس منٹ جاری رکھیں۔

صنف نازک کا خیال....

☆☆☆

سوال: میں میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ گزشتہ سال میں اپنی تعلیم پر توجہ نہ دے سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صنف نازک کا خیال ہر وقت میرے اعصاب پر سوار رہنے لگا ہے۔

جب بھی کوئی خوبصورت لڑکی نظر آتی ہے تو کافی عرصہ تک اس کا خیال مجھ پر حاوی رہتا ہے۔
صنف نازک کا چہرہ نظروں کے سامنے گھومتا رہتا ہے۔ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں خود پر کنٹرول نہیں رکھ پاتا۔ان خیالات میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے اس سال میں فیل ہوگیا۔
میرے والدین کی خواہش ہے کہ میں ڈاکٹر بنوں۔
میرے والد صاحب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ پڑھائی سے دوری کی کیا وجہ ہے لیکن میں انہیں کیا بتاؤں۔
میری خاموشی پر والد صاحب نے مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔والدہ الگ اداس رہنے لگی ہیں۔
آپ سے گزارش ہے کہ کوئی وظیفہ بتائیں کہ مجھے صنف نازک کے خیالات سے نجات ملے اور میں یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کرسکوں۔

جواب: صنف مخالف میں کشش محسوس ہونا ایک فطری امر ہے۔بلوغت کے ابتدائی دور میں اکثر لڑکے اس تقاضے کی نوعیت سمجھ نہیں پاتے۔کچھ لڑکے اس تقاضے کو کوئی شیطانی خیال سمجھ کر دبانا چاہتے ہیں تو کچھ اس کی شدت سے مغلوب ہو کر کئی طرح کی نادانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔
موجودہ کیفیت کو اعتدال میں لانے کے لیے آپ کو ذہنی وجسمانی "مثبت" مصروفیات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ذہنی مصروفیات میں اچھی کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔جسمانی مصروفیات میں روزانہ پابندی سے ورزش اور جاگنگ کو اپنا معمول بنالیجئے۔
ان تدابیر کے ساتھ ساتھ بطور وظیفہ رات سونے کے لیے لیٹے تو اسم الٰہی

یَا مُمِیۡتُ

کا ورد کرتے ہوئے سوجائیں۔انشاء اللہ چند ہفتوں میں کیفیات نارمل ہوجائیں گی۔

آنکھوں کے گرد حلقے

☆☆☆

سوال: میری آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں۔اس کے علاوہ میری آنکھوں کے سامنے کبھی کبھی اندھیرا سا چھاجاتا ہے۔کمر میں بھی اکثر درد رہتا ہے۔ سر ہر وقت بھاری بھاری رہنے لگا ہے۔
کوئی اچانک گھر میں آجائے تو بھی دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔برائے مہربانی کوئی گھریلو علاج بتائیں۔

جواب: کسی اچھے آئی اسپیشلسٹ سے اپنی آنکھوں کا معائنہ کروائیں۔
آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کے لئے گاجر کا رس بہت مفید ہے۔گاجروں کے موسم میں روزانہ کم ازکم ایک گلاس گاجر کا رس ضرور پئیں اس کے علاوہ روزانہ گاجر خوب اچھی طرح چبا کر کھانا اپنا معمول بنالیں۔
اس کے ساتھ ساتھ سنگھاڑا خشک 20 گرام، املی کی بیج بھنے ہوئے 20 گرام، شکر 40 گرام تینوں اجزاء کا سفوف بنالیں۔یہ سفوف آدھی چمچی صبح وشام پانی کے ساتھ لیں۔